

شمارہ:18
اپریل، مئی، جون 2022

مدیر: اے آر خان

سہ ماہی قندیل حق لندن

QINDEEL-E-HAQ

A.R. Khan: +44-7886304637 E-Mail : qindeelehaq@gmail.com













روس یوکرین جنگ

فہرست

فہرست





اداریہ۔رمضان المبارک کی برکات

رانا عبدالرزاق خان۔لندن



روزہ کی فرضیت

القرآن : یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ○ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ (سورہ بقرہ:184۔185)

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو !تم پر روزے اسی طرح فرض کردیئے گئے ہیں۔جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے ۔تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔گنتی کے چند دن ہیں۔پس جو بھی تم میں سے مریض ہو یا سفر پر ہوتو اسے چاہیے کہ وہ اتنی مدت کے روزے دوسرے ایام میں پورے کرے۔اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں ان پر فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔پس جو کوئی بھی نفلی نیکی کرے تو یہ اس کے لئے بہت اچھا ہے اور تمہارا روزے رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔

(اردو ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

حدیث۔۔۔۔۔۔روزہ اوراس کی برکات

ترجمہ۔حضرت ابوھریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انسان کے سب کام اس کے اپنے لئے ہیں۔مگر روزہ میرے لئے ہے۔اور میں خود اس کی جزا بنوں گا۔یعنی اس کی نیکی کے بدلہ میں اپنا دیدار نصیب کروں گا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔روزہ ڈھال ہے، پس تم میں سے جب کسی کا روزہ ہوتو نہ وہ بے ہودہ باتیں کرے نہ شور وشر کرے اگر اس سے کوئی گالی گلوچ ہو،لڑے یا جھگڑے تو وہ جواب میں کہے کہ میں نے تو روزہ رکھا ہوا ہے۔قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے !روزے دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری سے بھی زیادہ پاکیزہ اورخوشگوار ہے کیونکہ اس نے اپنا یہ حال اللہ کی خاطر کیا ہے روزے دار کے لئے دو خوشیاں مقدر ہیں ایک خوشی اسے اس وقت ہوتی ہے جب وہ روزہ افطار کرتا ہے اور دوسری اس وقت ہوگی جب روزے کی وجہ سے اسے اللہ تعالیٰ کی ملاقات نصیب ہوگی۔

(بخاری کتاب الصوم باب ھل یقول انی صائم اذا شتم)

رمضان کے آخری عشرہ میں آنحضرت ﷺ کا طریق تھا کہ آپ اعتکاف کیا کرتے تھے۔اور وفات تک آپؐ کا یہی معمول رہا۔آپؐ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات بھی ان دنوں اعتکاف کرتی تھیں۔

(بخاری کتاب الاعتکاف)

رمضان کی آخری طاق راتوں میں لیلۃ القدر کی تلاش کا فرمان بھی دیا ہے اور جس کو یہ رات میسر آجائے اس کے لئے آپ نے یہ دعا سکھلائی کہ اَللّٰھُمِّ اِنکَ عَفوٌ تحبُّ العفوَ فاعفُ عَنی۔کہ اے میرے رب تو بخشنے والا ہے،بخشش کو پسند کرتا ہے مجھے بخش دے۔

(ترمذی کتاب الدعوات)

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے ارشادات

روزہ کے التزام اوراس کی برکات سے فیض یاب ہونے کے بارہ میں حضرت مسیح موعودعلیہ السلام فرمایا۔’’میری تو یہ حالت ہے کہ مرنے کے قریب ہو جاؤں تب روزہ چھوڑتا ہوں۔طبیعت روزہ چھوڑنے کو نہیں چاہتی۔یہ مبارک دن ہیں۔اور اللہ کے فضل و رحمت کے نزول کے دن ہیں‘‘۔(الحکم جلد 5 مورخہ 24 جنوری 1901 ص 5)مریض اور مسافر کو روزے نہیں رکھنے چاہیئں۔حضور فرماتے ہیں:۔

’’جو شخص مریض اور مسافر ہونے کی حالت میں ماہِ صیام میں روزے رکھتا ہے۔وہ خدا تعالیٰ کے حکم کی صریح نافرمانی کرتا ہے۔خدا تعالیٰ نے صاف فرمادیا ہے کہ مریض اور مسافر روزہ نہ رکھے۔مرض سے صحت پانے اور سفر ختم ہونے کے بعد روزے رکھے۔خدا کے اس حکم پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ نجات فضل سے ہے نہ کہ اپنے اعمال کا زور دکھا کر کوئی نجات حاصل کرسکتا ہے۔خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مرض تھوڑی ہو یا بہت اور سفر چھوٹا ہو یا لمبا ہو

بلکہ حکم عام ہے اور اس پر عمل کرنا چاہیے مریض اور مسافر اگر روزہ رکھیں گے تو ان پر حکم عدولی کا فتویٰ لازم آئے گا''۔

(بدر مورخہ 17۔اکتوبر 1907ئص 7)

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

یہاں جو شھر رمضان واسطے صیام کے اللہ تعالیٰ کے کلام میں مخصوص فرمایا گیا اس میں ایک عجیب سِر ہے کہ مہینہ آغاز سنِ ہجری سے نواں مہینہ ہے۔۔۔ظاہر ہے انسان کی تکمیل جسمانی شکمِ مادر میں نو ماہ میں ہی ہوتی ہے۔اور عدد نو کا فی نفسہٖ بھی ایک ایسا کامل عدد ہے کہ باقی اعداد اس کے احاد سے مرکب ہوتے چلے جاتے ہیں۔لاغیر پس اس میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ انسان کی روحانی تکمیل بھی اس نویں مہینے رمضان میں ہونی چاہئے۔

(خطبات نور ص 231)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

روزوں کے ذریعہ انسان ہلاکت سے اس طرح بھی محفوظ رہتا ہے کہ روزے انسان کے اندر مشقت برداشت کرنے کا مادہ پیدا کرتے ہیں اور جو لوگ ہر قسم کی مشقت برداشت کرنے کے عادی ہوں وہ مشکلات کے آنے پر ہمت نہیں ہارتے بلکہ دلیری سے ان کا مقابلہ کرتے اور کامیاب ہوتے ہیں۔(تفسیر کبیر جلد 2 ص 376)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ فرماتے ہیں:۔

رمضان کا مہینہ نفسِ امارہ کو کچلنے کیلئے قائم کیا گیا۔یعنی رمضان کے روزے اور اس کی دیگر عبادات اس لئے فرض کی گئی ہیں اور اس میں بجالانے والے نوافل اس لئے قائم کئے گئے ہیں کہ انسان نفس امارہ کے حملوں سے نجات پائے۔اور انسان کا نفس امارہ مرتا نہیں ،بدی کی رغبت اسی طرح قائم رہتی ہے انسان کی زبان اور اس کا دل اور اس کے جوارح پاک نہیں ہوتے تو اسے بھوکا رہنے اور پیاسا رہنے سے کیا فائدہ؟۔اگر اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت انسان کو حاصل نہ ہو اور خدا تعالیٰ محبت اور پیار کے ساتھ اس کی طرف ملتفت اور متوجہ نہ ہو۔(خطبات ناصر جلد اص 977)

اے احمدی اس رمضان کو فیصلہ کن رمضان بنادو!

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے پاکستان میں گزارے ہوئے اپنے آخری رمضان (1983) میں احباب جماعت کو الٰہی جہاد میں فیصلہ کن معرکے کے لئے رمضان کو فیصلہ کن بنانے کی طرف توجہ دلائی۔آپ نے فرمایا:۔''پس اے احمدی اس رمضان کو فیصلہ کن رمضان بنادو،اس الٰہی جہاد کے لئے تیار ہوجاؤ۔مگر تمہارے لئے کوئی دنیا کا ہتھیار نہیں ہے۔دنیا کے تیروں کا مقابلہ تم نے دعاؤں کے تیروں سے کرنا ہے۔یہ لڑائی فیصلہ کن ہوگی لیکن گلیوں اور بازاروں میں نہیں،صحنوں اور میدانوں میں نہیں بلکہ مسجدوں میں یہ فیصلہ ہونے والا ہے۔راتوں کو اٹھ کر اپنی عبادت کے میدانوں کو گرم کرو اور اس زور سے اپنے خدا کے حضور آہ و بکا کرو کہ آسمان پر عرش کے کنگرے بھی ہلنے لگیں۔متیٰ نصر اللہ کا شور بلند کردو۔خدا کے آگے گریہ زاری کرتے ہوئے اپنے سینوں سے زخم پیش کرو،اپنے چاک گریبان اپنے رب کو دکھاؤ اور کہو کہ اے خدا!

قوم کے ظلم سے تنگ آ کے میرے پیارے آج
شور محشر ترے کوچے میں مچایا ہم نے

پس اس زور کا شور مچاؤ اور اس قوت کے ساتھ متیٰ نصر اللہ کی آواز بلند کرو کہ آسمان سے فضل اور رحمت کے دروازے کھلنے لگیں اور ہر دروازے سے یہ آواز آئے۔اَ لَآ اِنَّ نصر اللّٰه قريبٌ،اَ لَآ اِنَّ نصر اللّٰه قريب،اَ لَآ اِنَّ نصر اللّٰه قريب،سنوسنو کہ اللہ کی مدد قریب ہے اے سننے والوسنو کہ اللہ کی مدد قریب ہے اور وہ پہنچنے والی ہے(خطبات طاہر جلد 2 ص 349)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرالعزیز نے فرمایا:۔''رمضان برکتوں والا مہینہ ہے ان لوگوں کے لئے جو خالص ہوکر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں۔یہ برکتوں والا مہینہ ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے ہر اس نیکی کو بجا لانے کی کوشش کرتے ہیں اور بجالا رہے ہوتے ہیں۔جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔اور ہر اس برائی کو چھوڑ رہے ہوتے ہیں۔جس کے چھوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے لیکن بعض جائز چیزوں کو بھی ایک خاص وقت کے لئے اس لئے چھوڑ رہے ہوتے ہیں کہ ان کے چھوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے''۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 15۔اکتوبر 2004ء)



رُوحانیت کا موسم بہار۔رمضان المبارک

(رانا عبدالرزاق خان۔لندن)

ارشادات حضرت مسیح موعودعلیہ السلام۔

(الف) اے وے تمام لوگو! جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو۔آسمان پرتم اسی وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے۔سو اپنی پنجوقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور قلب سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو۔اور اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے لئے پورے کرو۔ہر ایک جوزکوۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو‘‘(کشتی نوح)(ب)’’شھر رمضان الذی انزل فیہ القران سے ماہ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔صوفیاء نے لکھا ہے کہ یہ ماہ تنویر قلب کے لئے عمدہ مہینہ ہے کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں۔صلوۃ تزکیہ نفس کرتی ہے اور صوم تجلی قلب کرتا ہے۔تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس امّارہ کی شہوات سے بُعد حاصل ہو جائے۔اور تجلّی قلب سے مُراد یہ ہے کہ کشف کا دروازہ اس پر کھلے کہ خدا کو دیکھ لے۔پس اُنزل فیہ القران میں یہی اشارہ ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ روزہ کا اجرِعظیم ہے‘‘(ملفوظات جلد 4ص 256)

روزہ ایک روحانی عبادت ہے جس سے روح میں قوت پیدا ہوتی ہے۔انسان کے اخلاق میں بہتری،اس کے خیالات میں جلا،اور اس کی قلبی کیفیات میں نور پیدا ہوتا ہے۔روزہ روحانی ورزش کا ایک بہترین طریقہ ہے۔قرآن مجید کا نزول اسی مبارک مہینہ میں ہوا تھا۔اور اس کی بکثرت اور خصوصی تلاوت اس ماہ میں ہوتی ہے۔اس کے برکات سے اہل ایمان بہرہ ور ہوتے ہیں۔رمضان کا مہینہ روحانی رنگ میں موسم بہار کا حکم رکھتا ہے، ایمان کے شگوفے کھلتے ہیں۔پھول اور پھل لگتے ہیں۔دلوں میں سرسبزی و شادابی پیدا ہوتی ہے۔مبارک وہ جو اس مبارک مہینہ کی برکات سے پورے طور پر فائدہ حاصل کریں۔

کشت ایمان کی آبیاری جن قربانیوں سے ہوتی ہے۔قصر دین جن بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔خزانہ روحانیت کی حفاظت جن مضبوط پہریداروں سے ہوتی ہے۔ان میں سے ایک زبردست بنیاد اور محکم ذریعہ روزہ ہے۔بعض روحانی امراض کا علاج صرف روزہ ہے۔انجیل میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ مسیحؑ کے شاگرد ایک جن (روحانی بیماری) کو دور نہ کر سکے مسیحؑ نے اسے دور کر دیا۔انہوں نے پوچھا کہ یہ کام ہم کیوں نہ کر سکے؟۔اس پر حضرت مسیحؑ نے فرمایا

’’اما ھذا الجنس فلا یخرج الا بصلوٰۃ والصوم‘‘

کہ یہ قسم بیماری نماز اور روزہ کے بغیر دور نہیں کی جا سکتی۔(عربی انجیل متی 17۔21)روزہ ایسی عبادت ہے جس کے ذریعہ انسان محتاج اور فانی ہونے کے باوجود اپنے رب کے رنگ میں رنگین ہونے کی کوشش کرتا ہے۔وہ ہر دم کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات کا محتاج ہے۔لیکن اپنے آقا کے حکم پر ایک مہینہ بھر کے لئے وہ کھانا پینا ترک کر دیتا ہے۔ازدواجی تعلقات سے پرہیز کرتا ہے۔یہ ایک موثر مجاہدہ ہے اس سے انسان کی روح صیقل ہو جاتی ہے۔اور اس کے بدن میں روحانی کرنیں حلول کرتی ہیں۔درحقیقت تمثیلی زبان میں انسان عاشقانہ انداز میں اعلان کرتا ہے کہ اپنے محبوب آقا کی رضا کے لئے مجھے اپنی جان قربان کرنی بھی منظور ہے۔اور اپنی نسل کو اس راہ میں قربان کرنا بھی گوارہ ہے یہ خاموش اعلان اگر دل کی گہرائیوں سے ہو تو کتنا اثر انگیز اور کس قدر روح پرور ہے۔سچ مچ اس سے کشت ایمان لہلہانے لگتی ہے۔نخل روحانیت بار آور ہو جاتی ہے۔اور انسان اپنے آپ کو خدا کی گود میں پاتا ہے۔

از روئے قرآن

قرآن مجید نے رمضان المبارک کے روزے فرض فرما کر مومنوں پر احسان فرمایا ہے۔اس نے ان کی خفتہ قوتوں کو بیدار کردیا ہے۔اورانہیں عام حیوانی سطح سے اٹھاکر فضائے نور وروحانیت میں پہنچادیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ لیلۃ القدر کا تعلق رمضان مبارک سے ہے۔اور لیلۃ القدر وہ رات ہے جب قلب مومن خدا کا عرش بن رہا ہوتا ہے اور فرشتے اور جبرائیل اس کے گرد طواف کرتے ہیں۔اور وہ انسان خدا سے شرف ہم کلامی حاصل کرتا ہے ایسی گھڑی کا میسر آنا یقیناً زندگی بھر سے بہتر ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ وَالرُّوۡحُ فِيۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ‌ مِّنۡ كُلِّ اَمۡرٍ

اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔اور ہر رمضان المبارک اس کی زندگی کا موسم بہار ہے۔خوش قسمت ہیں وہ جو موسم بہار کے پھلوں اور پھولوں سے اپنے دامنوں کو بھر لیں اور سفر آخرت کے لئے بہتر زاد راہ حاصل کر لیں۔رمضان المبارک چمن روحانیت کے لئے موسم بہار ہے۔اس سے دلوں میں نور اور نیّات وعزائم میں تازگی پیدا ہوتی ہے،مومن کی رگ رگ میں زندگی دوڑ جاتی ہے۔مرجھائے ہوئے پودے ہرے ہرے ہوجاتے ہیں۔اور ٹنڈ منڈ درختوں میں پتے،شگوفے،پھول اور پھل نظر آتے ہیں۔

خدا تعالی قرآن کریم میں فرماتا ہے۔(سورۃ بقرہ آیت نمبر 184۔186)ترجمہ۔اے مومنو!تمہارے متقی بننے کے لئے ہم نے تم پر اسی طرح چند مقررہ ایام کے روزے فرض کئے ہیں۔جس طرح پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے۔ہاں تم میں سے جو بیمار یا مسافر ہو وہ دوسرے دنوں میں بیماری اور سفر کے دوران چھوڑے ہوئے روزوں کی تعداد پوری کرے۔جن لوگوں کو روزہ رکھنے کی بالکل طاقت نہ ہو۔(دائم المریض وغیرہ)وہ ایک مریض کا کھانا بطور فدیہ دے دیں۔جو شخص نیکی کو شوق سے اور بڑھ چڑھ کر کرے گا۔تو یہ اس کے لئے بہت بہتر ہوگا۔ اگر تم سمجھو کہ روزہ رکھنا تمہارے لئے مفید اور بابرکت ہے۔رمضان المبارک کے مہینے میں اس قرآن مجید کا نزول ہوا۔جو تمام جہانوں کے لئے احکام ہدایت پر مشتمل ہے۔اس میں ہدایت کے بیّنات بھی ہیں۔اور فیصلہ کن محکم دلائل بھی ہیں۔پس جو شخص اس مہینہ میں حاضر ہو،بیمار اور مسافر نہ ہو اُس پر اس کے روزے رکھنا فرض ہے۔ہاں تم میں سے جو بیمار یا مسافر ہو وہ دوسرے ایام میں تعداد پوری کرے۔اللہ تعالیٰ تمہارے لئے سہولت چاہتا ہے۔تنگی نہیں چاہتا۔تا تم مقررہ تعداد پوری کرسکو اور اس ہدایت پر جو تمہیں اللہ نے دی ہے اس کی بڑائی بیان کرتے رہو۔تا تم اس کے شکرگزار بندے قرار پاؤ‘‘۔

ازروئے حدیث۔

حضرت سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں۔کہ شعبان کے آخری دن سرورِ کونین محمد ﷺ نے خطبہ میں فرمایا؛’’کل سے تم پر ایک عظیم القدر مہینہ چڑھ رہا ہے۔یہ بہت برکت والا مہینہ ہے۔اس مہینہ میں ایک ایسی رات آتی ہے۔جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اِس ماہ کے روزے فرض قرار دیئے ہیں۔اس کی راتوں میں تہجد کے لئے اٹھنا بہت بڑی طوعی نیکی ہے۔اس ماہ میں جو کوئی نفلی کام کرتا ہے۔اسے اتنا ثواب ملتا ہے جتنا دوسرے مہینوں میں فرض کے ادا کرنے سے ملتا ہے۔اور فرض کا ثواب تو اس ماہ میں ستر گنا زیادہ ہوجاتا ہے۔یہ صبر کا مہینہ ہے۔اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔پھر یہ باہمی ہمدردی کا بھی مہینہ ہے۔اس ماہ میں مومن کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔جو شخص اس مہینہ میں کسی روزے دار کا روزہ افطار کراتا ہے اسے گناہوں سے مغفرت حاصل ہوتی ہے۔اور اس کی گردن آگ سے آزاد کی جاتی ہے۔اور روزہ دار کے ثواب میں کسی قسم کی کمی کے بغیر روزہ افطار کرانے والے کو بھی ویسا ہی ثواب ملتا ہے‘‘

(مشکوۃ المصابیح صفحہ 173 کتاب الصوم)

اس خطبہ نبوی میں رمضان المبارک کی بہت سی برکات کا ذکر موجود ہے۔اور نبی ﷺ نے تمام مسلمانوں کو جن پر روزہ فرض ہے۔روزہ رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔رمضان المبارک دعاؤں کی خصوصی قبولیت کا مہینہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے ذکر میں ہی فرمایا ہے۔اُجِيۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ کہ میں دعا کرنے والوں کی دعاوں کو خاص طور پر سنتا ہوں۔لیلۃ القدر رمضان المبارک کا خاص موقع ہے۔جبکہ انوار و برکات سماویہ کا خاص نزول ہوتا ہے اور دلوں پر رحمتوں کی غیر معمولی بارش ہوتی

ہے۔رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کی عبادت بھی ایک خاص عبادت ہے۔جبکہ مومن دس دن کے لئے خدا کے گھر میں دھونی رما کر بیٹھ جاتے ہیں اور روز و شب مسجد میں ہی عبادت اور ذکر میں بسر کرتے ہیں۔روزہ اپنی ذات میں ہی ایک پُر کیف روحانی عبادت ہے۔اس پر رمضان المبارک کے روزوں کی غیر معمولی برکات تو نور علیٰ نور کی حیثیت رکھتی ہیں۔ہمیں چاہیے کہ ان برکات سے حصہ کامل حاصل کریں۔

روزہ کے 20 بیس فوائد

1۔تقویٰ جیسی نعمت عظمیٰ حاصل ہوتی ہے۔

2۔اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرادا کرنے کی توفیق ملتی ہے۔

3۔امراض روحانی دور ہوتی ہیں۔جیسے گرسنگی سے جسمانی امراض دور ہوتے ہیں۔4۔مشقت برداشت کرنے کی عادت پڑتی ہے۔

5۔عفت و پاک دامنی حاصل ہوتی ہے۔6۔اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

7۔تہجد ادا کرنے کی توفیق ملتی ہے۔8۔نوافل پڑھنے کی توفیق ملتی ہے۔

9۔علوم قرآنی کا انکشاف ہوتا ہے۔

10۔ترک اکل وشرب سے ملائکہ سے مشابہت پیدا ہوتی ہے۔

11۔عقل انسانی کو نفس امارہ پر تسلط وغلبہ تامہ ہوتا ہے۔

12۔قوت ارادی بڑھتی ہے۔13۔تہجد ونوافل پر مداومت حاصل ہوتی ہے۔

14۔صبح سویرے اٹھنے سے طبیعت میں بشاشت پیدا ہوتی ہے۔

15۔کھانا کھانے کے اوقات میں باقاعدگی سے صحت پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

16۔غرباء کی تکلیف کا احساس پیدا ہو کر ان سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔

17۔ترک لغویات کی توفیق ملتی ہے۔

18۔قبولیت دعا کے نظاروں سے زندہ ایمان حاصل ہوتا ہے۔

19۔تعمیل ارشاد الٰہی سے سرور وانبساط پیدا ہوتا ہے۔

20۔جنت کا قرب اور اس میں نمایاں اور خاص مقام حاصل ہوتا ہے۔

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں

حضرت اقدس مسیح دوراں مرزا غلام احمد قادیانی

کیوں نہیں لوگو! تمہیں حق کا خیال؟
دل میں اُٹھتا ہے مرے سَو سَو اُبال
ہے تعجب آپ کے اس جوش پر
فہم پر اور عقل پر اور ہوش پر
کیوں نظر آتا نہیں راہِ صواب؟
پڑ گئے کیسے یہ آنکھوں پر حجاب
کیا یہی تعلیمِ فرقاں ہے بھلا؟
کچھ تو آخر چاہیے خوفِ خدا
مومنوں پر کفر کا کرنا گماں
ہے یہ کیا ایمانداروں کا نشاں؟
ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدّامِ ختم المرسلیں
سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے
جان و دل اس راہ پر قربا ن ہے
دے چکے دل اب تنِ خاکی رہا
ہے یہی خواہش کہ ہو وہ بھی فدا
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو! تمہیں خوفِ عقاب
سخت شورے اوفتاد اندر زمیں
رحم کن برخلق اے جاں آفریں!
کچھ نمونہ اپنی قدرت کا دکھا
تجھ کو سب قدرت ہے،اے ربّ الوریٰ!

(ازالہ اوہام،روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 513-514)



آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق بحیثیت شوہر

(ادارہ)

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر رحم کرتے ہوئے سلسلہ نبوت جاری فرمایا۔اور انسانی تخلیق کے ساتھ ہی اُن کی ہدایت اور رہنمائی کے سامان پیدا فرمائے۔اور سلسلہ نبوت کے اجراء کے ساتھ اپنے بندوں میں سے بعض کو بطور نبی کے چُن لیا۔ یہ انبیاء دنیا کی مختلف قوموں اور ملوں نیز زمانوں میں آئے۔اب کا واحس مقصد یہ تھا کہ بندوں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑا جائے اور بندوں کا بندوں سے تعلق مضبوط کیا جائے۔

اعلیٰ اخلاق کی تعلیم انسان کو ان انبیاء کے ذریعہ سے ملی۔اس میں سب سے افضل ہمارے ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔اللہ تعالی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر اس دنیا میں بھیجا۔اور فرمایا

وما ارسلنك الا رحمة للعالمين

کہ ہم نے تمہیں تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔اور تمام جہانوں میں بسنے والی مخلوقات میں سے ایک مخلوق انسان ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ احسانات ہیں اور پھر انسانوں میں سے اگر دیکھا جائے تو عورت کی ذات ایسی ہے کہ جس پر آپ نے بے انتہا احسانات کئے ہیں۔اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کو دیکھا جائے یا اس سے قبل زمانے سے مقابلہ کیا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے عورت کو، جسے پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا تھا بلکہ ایسی چیز ہی نہیں سمجھا جاتا تھا جس کو اس دنیا میں جینے کا بھی کوئی حق ہو۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین سے اٹھا کر آسمان پر بیٹھا دیا بلکہ آسمان کا ایک تارا بنا دیا۔

اس دنیا میں عورت کا وجود خواہ وہ ایک ماں کے روپ میں ہو، خواہ بہن ہو بیٹی ہو یا پھر بیوی، ہر رنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا وقار دنیا میں قائم کر دیا اور ایسی عزت و وقار دیا جس پر قیامت تک عورتیں فخر کرتی رہیں گی۔

اس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق بحیثیت شوہر اپنی بیویوں کے ساتھ کیسا تھا۔یا یوں کہہ لیں کہ بحیثیت بیوی آپ نے ایک عورت کو کیا مقام دیا۔چنانچہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی بعثت کا ایک بہت بڑا مقصد اعلیٰ اخلاق کا قیام تھا۔آپ نے بحیثیت شوہر بھی ایک اعلیٰ اور کامل نمونہ قائم فرمایا۔

معاشرے میں عام طور پر انسان کا تعلق سب زیادہ اگر کسی سے ہے تو وہ اس کی بیوی ہے۔بیوی اپنے خاوند کی بعض ایسی کمزوریوں سے بھی واقف ہوتی ہے جس کا اظہار عام معاشرے میں نہیں ہوتا اور دوسرے لوگ اس سے بے خبر ہوتے ہیں۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں آپ کے بارے میں کیا رائے رکھتی ہیں۔

سب پہلی اور بڑی گواہی تو حضرت خدیجہؓ کی ہے جو آپ کی سب سے پہلی بیوی تھیں۔

جب پہلی وحی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھبراہٹ کی حالت میں گھر لوٹے تو حضرت خدیجہؓ نے آپ کو جن الفاظ میں تسلی دی وہ بتاتے ہیں ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق کا کتنا اثر تھا ۔ اور آپ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو 15 سالہ زندگی گزاری تھی اس کا ایک لحاظ سے نچوڑ تھا۔آپ کہتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا۔

خير كم خير كم لاهله و انا خير كم لاهلي کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جس کا سلوک اپنے اھل کے ساتھ اچھا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی ساری زندگی اس اصول کے تحت اپنی بیویوں سے نہایت حسن سلوک کے ساتھ بسر کی اور بعض دفعہ اگر بظاہر ایسا موقع آ بھی جاتا جس پر آپ خفا ہو سکتے تھے لیکن پھر بھی آپ ایسا نہ کرتے بلکہ نہایت دانش مندی سے معاملہ کو حل فرماتے اور ایسا طریق اختیار فرماتے

کہ بغیر کچھ کہے ہی آپ کا عمل اصلاح کا موجب بن جاتا۔

آنحضرت ﷺ کی اہلیہ حضرت صفیہؓ کھانا بہت اچھا پکاتی تھیں ایک دفعہ آپ ﷺ کی باری حضرت عائشہؓ کے گھر تھی اور آپ وہیں موجود تھے کہ حضرت صفیہؓ ایک پیالہ میں سالن لے کر آئیں اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت عائشہؓ نے غصہ میں اس پیالہ کو زمین پر دے مارا اور وہ ٹوٹ گیا۔ دراصل آپ کو یہ بات اچھی نہیں لگی کہ آنحضرت ﷺ کی باری آپ کے گھر ہو اور کھانا کہیں اور سے آئے۔ اس لئے یہ ایک قدرتی ردعمل تھا جو فوری طور پر ظاہر ہوا۔ لیکن اس وقت اگر آپ ﷺ کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو معلوم نہیں کیا ردعمل ظاہر کرتا لیکن آنحضرت ﷺ نے اس پر درگزر فرمایا اور ایک نیا پیالہ منگوا کر حضرت صفیہؓ کو بھجوا دیا۔ اور اس طرح دونوں بیویوں کا دل رکھ لیا۔ اور آپ کے اس رویہ سے حضرت عائشہ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ ص

ایک سفر میں اونٹوں پر عورتیں سوار تھیں اور انجشہ نامی ایک شخص حدی خوانی کرنے لگا تو اس کو فرمایا ''ٹھہرو انجشہ اونٹوں پر کانچ کے ٹکڑے ہیں ان کی حفاظت کرنا اور اونٹ آہستہ چلانا۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے عورت کو کانچ کے ساتھ تشبیہ دے کر یہ بتا دیا کہ عورت کو خدا تعالیٰ نے بہت نازک پیدا فرمایا ہے۔ مردوں کی طرح ان کے جسم زیادہ مشقت برداشت نہیں کر سکتے اس لئے ان کا خاص خیال رکھا جائے۔

آپ کا اپنے گھر میں اپنی ازواج کے ساتھ نہایت مشفقانہ اور ہمدردانہ معاملہ ہوتا تھا۔ آپ کبھی کسی بیوی سے سخت کلامی نہیں فرماتے تھے اور کبھی برا بھلا نہیں کہتے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے نہ صرف اپنی ازواج مطہرات کے حقوق احسن رنگ میں ادا کئے بلکہ نہایت پیارے رنگ میں جہاں ضرورت ہوتی کل کم راعٍ و کلکم مسئول عن رعیتہ کے تحت ان کی تربیت کی طرف بھی توجہ فرماتے اور ضرورت پڑنے پر تنبیہ بھی فرماتے۔



سب جان و مال اپنا خدا پر فدا کیا

(حضرت مرزا شریف احمدؓ)

اے قوم احمدی تُو ذرا غور سے تو دیکھ
دینِ خدا کے واسطے تُو نے ہے کیا کیا
ہے دعوئ وراثت اصحابِ مصطفیٰؐ
ان کی طرح بتا تو سہی تُو نے کیا کیا
کن کن مصیبتوں میں وہ ثابت قدم رہے
کچھ یاد ہے تمہیں جو صحابہ نے تھا کیا
چُھوٹا وطن عزیز چُھٹے ہمنشیں چُھٹے
کفار نے ہر عیش کو ان کے فنا کیا
لُوٹے گئے ، شہید ہوئے ، راہِ دیں میں
سب جان و مال اپنا خدا پر فِدا کیا
پروانہ تھے وہ شمع صداقت کے واسطے
فرحاں تھی روح گو تنِ خاکی جلا کیا
ہر امتحاں کے وقت وہ ثابت قدم رہے
بڑھ بڑھ کے اپنی جاں کو قرباں سدا کیا
راضی خدا تھا ان سے وہ اس کی رضا پہ خوش
ان عاشقوں نے نفس کو ایسا فنا کیا
اسلام کی اشاعتِ کامل کے فرض کو
تمہی کہو کہ تم نے کہاں تک ادا کیا
کتنوں نے دین کے لئے دنیا نثار کی
کتنوں نے جان و مال کو وقفِ خدا کیا
جو مال دے گئے تھے مسیحِ محمدیؐ
کس کس کو تم نے وہ زرِ خالص عطا کیا
حصہ لیا ہے تم نے جو تبلیغِ دین میں
اعلان حق جو تم نے ببانگ درا کیا

(بحوالہ روزنامہ الفضل آن لائن لندن)



آنحضرت ﷺ کے احسانات



(ادارہ)

آنحضرت ﷺ کے احسانات تو بے شمار ہیں ان احسانات عظیمہ میں سے چند کا ذکر کرتا ہوں۔

(۱) آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا احسان تو یہ ہے کہ آپ نے روحانی اور جسمانی دونوں لحاظ سے توحید کا سبق دیا۔ روحانی لحاظ سے اس طرح کہ فرمایا تمہارا ایک ہی خدا ہے۔ ایک ہی خالق ہے۔ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ آپ نے ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں کا درس دیا اور فرمایا وہ لوگ جن کو خدا تعالیٰ کے سوا لوگ پکارتے ہیں ''اموات غیر احیاء'' وہ تو مردہ ہیں وہ کسی کو کوئی نفع یا نقصان نہیں دے سکتے۔ ''وھم یخلقون'' وہ تو خود پیدا کئے گئے ہیں وہ کسی کو آگے کیا پیدا کریں گے۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات 'لم یلد ولم یولد' ہے کہ نہ اس نے کسی کو پیدا کیا اور نہ وہ پیدا کیا گیا ہے۔ فرمایا وہ تمہارے بتوں کی طرح خاموش نہیں بلکہ فرماتا ہے ''اجیب دعوۃ الداع اذا دعان' کہ میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔

اور پھر اسی طرح جسمانی لحاظ سے بھی فرمایا کہ تم ایک ہی آدم کی اولاد ہو۔ تمہارا آغاز ایک تھا اس چاہئے کہ اسی طرح آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ جس طرح ایک ہی باپ کی اولاد ہوتی ہے۔ لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ آج حقیقی بھائی بھائی کے خلاف برسرِ پیکار ہے۔ بھائی بھائی کی جان کا دشمن ہے اور جب اس کی وجہ دریافت کی جائے تو صرف زمین کا ایک حقیر سا ٹکڑا ہوتا ہے وہی ٹکڑا جس نے ایک دن اس کو بھی نگل جانا ہوتا ہے۔ اگر آنحضرت ﷺ کی بتائی ہوئی تعلیم کے مطابق عمل کیا جائے تو کبھی ایسے نتائج نہ نکلیں۔

الغرض آنحضرت ﷺ کے احسانات کسی خاص طبقہ یا نسل یا رشتہ داروں کے لئے نہیں تھے بلکہ بغیر رنگ و نسل کے فرق کے آپ ﷺ نے یہ احسانات کئے کیونکہ آپ رحمۃ للعالمین تھے۔

آپ ﷺ نے شرک کو ختم کر دیا اور اس شرک کے ختم ہونے سے صرف دینی فائدہ نہیں ہوا بلکہ دنیاوی فائدہ بھی ہوا۔ اور وہ یہ کہ بعض چیزیں جن کو خدا تعالیٰ نے بنی نوع کے فائدہ کے لئے پیدا کیا ان کو لوگ خدا بنا کر اس کے طبعی فائدے سے محروم ہو رہے تھے۔ مثلاً گائے کو خدا بنایا گیا تو اس کے طبعی فائدے یعنی دودھ اور گوشت سے محروم ہو گئے اسی طرح بعض دوسری اشیاء بھی۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی تعلیم پر عمل کرنے سے انسان ان سے طبعی فائدے اٹھانے لگا۔

(2) مذہب اور سائنس کی لڑائی کو ختم کیا۔

فرمایا مذہب خدا کا کلام ہے اور دنیا خدا کا فعل۔ [لوگ سمجھتے تھے کہ علم پڑھنے سے مذہب جاتا ہے] آگ جو بظاہر جلاتی ہوئی نظر آتی ہے تو اس کو بھی خدا تعالیٰ نے ہی پیدا کیا جس طرح اس نے اپنا کلام نازل فرمایا ہے۔ لہذا مذہب اور سائنس میں کوئی اختلاف موجود نہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ''طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ'' کہ خواہ مرد ہو یا عورت علم حاصل کرنا فرض ہے۔

پس اگر آج کوئی شخص جاہل ہے اور نہیں پڑھا تو یہ مذہب یا بانیء مذہب کا قصور نہیں بلکہ یہ ہمارا ہی قصور ہے کہ باوجود روشن تعلیم کے ہم نے اپنی گردنوں پر جہالت کے طوق ڈالے رکھے۔

(3) علم ختم نہیں ہوتا۔

رسول مقبول ﷺ نے ایک احسان یہ بھی فرمایا کہ عام طور پر ایک حد تک پڑھ کر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ اب علم کی ماسٹر ڈگری حاصل کر لی تو علم مکمل ہو گیا لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ علم کبھی ختم نہیں ہوتا۔ فرمایا ''اطلبوا العلم من المھد الی اللحد'' کہ پنگھوڑے سے لے کر قبر میں جانے تک علم حاصل کرتے رہو۔ خود آنحضرت ﷺ کو خدا تعالیٰ نے علم سکھایا تھا آپ ﷺ سے بڑھ کر کون عالم ہوسکتا ہے جنہوں نے نہ صرف اس زمانے بلکہ چودہ سو سال بعد اور قیامت تک

کے حالات لوگوں کو بتا دیئے۔لیکن پھر بھی یہ دعا کرتے تھے کہ ''رب زدنی علماء'' اے میرے رب میرے علم کو بڑھا دے۔لہذا ہمیں بھی اسوۂ نبی ﷺ کی پیروی میں ہمیشہ آگے کی طرف قدم بڑھانا چاہیئے۔

{4} پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح علم ختم نہیں ہوتا اسی طرح پر کوئی انسانی ضرورت ایسی نہیں جس کا حل خدا تعالیٰ نے نہ پیش کیا ہو۔آج سے چودہ سو سال پہلے جب طب نے ابھی اتنی ترقی بھی نہیں کی تھی اس وقت آپ نے فرمایا تھا ''لکل داء دواء'' کہ ہر مرض کی دوا موجود ہے لیکن محنت اور تجسس لازمی ہے۔چنانچہ آپ ﷺ کے بعد بہت سے اطباء نے اس کی طرف توجہ دی اور بعض ایسی بیماریاں جن کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ کوئی دوا نہیں ان کی دوا ایجاد کر لی۔

آج بھی بعض بیماریوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کا علاج موجود نہیں۔لیکن انسانی دماغ اس کو ڈھونڈنے میں ناکام رہے تو اور بات ہے لیکن علاج ضرور موجود ہے اور اگر مزید تحقیق کی جائے تو علاج دریافت بھی ہوسکتا ہے۔

{5} پانچواں احسان آپ کا وہ تعلیم ہے جو آپ نے اخلاقی ترقی کے متعلق دی۔اور جس کے ذریعہ سے بدی کا قلع قمع ہوتا ہے۔اور وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ انسان خواہ کیسی گندی حالت کو پہنچ جائے یہ نہ سمجھے کہ نیک نہیں بن سکتا۔چنانچہ اس تعلیم کے ذریعہ سے مایوسی اور ناامیدی کو ختم کر دیا۔فرمایا ''انه لا يئيس من روح الله الا القوم الكافرون'' کہ خدا کی رحمت سے سوائے انکار کرنے والوں کے کوئی مایوس نہیں ہوتا۔

{6} مساوات۔فرمایا ''انصر اخاك ظالما او مظلوما'' کہ ظالم یا مظلوم ہونیکی حالت میں اپنے بھائی کی مدد کرو۔ پھر آنحضرت ﷺ معاہدات کی بہت پابندی فرماتے تھے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ لڑائی کے لئے جا رہے تھے کہ راستے میں دو آدمی ملے۔ذرا غور کریں ایک ہزار دشمن کے مقابلے میں صرف تین سو افراد جا رہے ہیں اور ایسی حالت میں ایک ایک فرد قیمتی ہوتا ہے لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں تم ہماری طرف سے نہیں لڑو گے۔

{7} ساتواں احسان آپ نے یہ فرمایا کہ دنیا میں امن قائم کرنے کے سامان فرمائے۔

۱۔ہر قوم کے بزرگوں کا احترام:۔ بہت سی لڑائیوں کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے مذہب کو جھوٹا سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ سوائے ہمارے خدا تعالیٰ کو اور کوئی عزیز نہیں۔[وان من امة الا خلا فيها نذير] اور اسی بات کو اگر ہم دوسری طرح لیں تو یہی بات آپس میں پیار و محبت پیدا کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے مثلا: ایک ہندو اگر ہم سے پوچھے کہ آپ رامچندر جی کو کیا سمجھتے ہیں؟ اور ہم اس کو کہیں کہ ہم ان کو راستباز اور بزرگ خیال کرتے ہیں تو کس طرح وہ ہم سے نفرت کرسکتا ہے یا لڑائی کا اعلان کرسکتا ہے۔

۲۔ پھر دوسری بات جو جھگڑے کا موجب بنتی ہے وہ یہ کہ کسی قوم کے بزرگوں کو تو برا بھلا نہیں کہتے لیکن ان کے اصولوں کو برا کہا جاتا ہے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے ایک تعلیم ہمیں یہ بھی دی فرمایا ''لا تسبو االذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم''

فرمایا وہ چیزیں جنہیں دوسرے مذاہب والے عزت و توقیر سے دیکھتے ہیں ان کو بھی برا مت کہو۔ بیشک وہ تمہارے نزدیک غلط ہو۔لیکن پھر بھی تمہارا یہ حق نہیں کہ ان کو برا کہو کیونکہ اس طرح سے ان کے دل دکھیں گیا اور لڑائی اور فساد پیدا ہوگا۔اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ بھی تمہارے اصولوں کو برا کہیں گے اور لڑائی کی صورت پیدا ہوگی۔

۳۔تیسری بات جو لڑائی کا باعث بنتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر مذہب دوسرے کے متعلق یہ خیال کرتا ہے کہ وہ قطعا جھوٹا ہے اور اس میں کوئی خوبی نہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے آپ کے ذریعے فرمایا ''وقالت اليهود ليست النصارىٰ علىٰ شيء و قالت النصارىٰ ليست اليهود علىٰ شيء و هم يتلون الكتاب۔''یعنی یہ کتنی عجیب بات ہے کہ یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی مذہب میں کوئی خوبی نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودیوں میں کوئی خوبی نہیں۔حالانکہ دونوں کتاب الٰہی پڑھتے ہیں۔یعنی جب یہ دونوں کتاب الٰہی پڑھتے ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ ایک چیز خواہ وہ کتنی ہی بری ہو اس میں کوئی نہ کوئی خوبی ضرور ہوتی ہے۔ورنہ ایسی چیزیں جو بالکل بے فائدہ ہوتی

ہیں ان کو دنیا سے مٹا دیا جاتا ہے۔ اگر یہودی اور عیسائی اس وقت تک قائم دائم ہیں تو ضرور ان میں کوئی خوبی ہوگی۔

{8} آٹھواں احسان یہ فرمایا کہ حریت ضمیر کو قائم فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کے وقت لوگ حیرت ضمیر کی قدر کو نہیں پہچانتے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغیی'' کہ ہر شخص کو مکمل آزادی ہے دین کسی قسم کے جبر کو روا نہیں رکھتا۔

عشق محمدؐ نہیں ہے جانے کا



(ثاقبؔ زیروی)

شعور دے کے محمدؐ کے آستانے کا
مزاج بدلیں گے ہم اس نئے زمانے کا
مرے سفینۂ ہستی کے ناخدا ہیں حضورؐ
مجھے نہیں کوئی اندیشہ ڈوب جانے کا
ہمیشہ برق گری ہے مگر بفیض رسولؐ
چراغ جلتا رہا میرے آشیانے کا
یہ میرا دل جسے دنیا بھی دل ہی کہتی ہے
یہ ایک جام ہے یثرب کے بادہ خانے کا
حضورؐ آپ کے ہی اک تبسم لب سے
سلیقہ سیکھا ہے پھولوں نے مسکرانے کا
حضورؐ آپ پہ روشن مری حقیقت ہے
میں ایک سادہ سا کردار ہوں فسانے کا
عبور کیسے کروں زندگی کی راہوں کو
کہ میرے سر پہ بڑا بوجھ ہے زمانے کا
زہے نصیب کہ میرا لہو بھی کام آئے
مجھے جنوں ہے چراغ حرم جلانے کا
زمانہ جتنے ستم چاہے توڑ لے ثاقبؔ
دلوں سے عشق محمدؐ نہیں ہے جانے کا

کتب مسیح موعودؑ پڑھنے کی تحریک

(حضرت میر ناصر نواب)

ہر احمدی کے سامنے میری اپیل ہے
کیوں احمدی کتب کی اشاعت قلیل ہے
کیا دلربا کلام ہے کیسا نفیس و پاک
دعویٰ نہیں ہے کوئی کہ جو بے دلیل ہے
بعض عبارتوں میں ہے کافور کا مزا
اور بعض میں ملی ہوئی کچھ زنجبیل ہے
انگور جنتی ہیں بہشتی انار و سیب
ہے نہر شیر و شہد کی یا سلسبیل ہے
ہیں نخل باحلاوت و کیلے ہیں بامزا
آبِ رواں کہیں ہے کسی جا پہ جھیل ہے
حور و قصور ہیں کہیں غلمان ہیں کہیں
ہر اک طرح کی رحمت ربِّ جلیل ہے
دوزخ سے باز رکھتی ہے جنت کی رہنما
ہر اک کتاب گویا کہ زندہ خلیل ہے
شہباز علم و فضل ہے مہدی کا ہر کلام
اعدا کی جو کتاب ہے وہ مثل چیل ہے
مہدی کا ہے کلام خدا کی طرف سے بس
گویا زباں سے بول رہا ...... ہے
اس کی ہر اک کتاب میں ہے نور و معرفت
عارف وہ تھا خدا کا یہ اس پر دلیل ہے
اے دوستو تم اس کی کتب سے اٹھاؤ فیض
اب زندگی کا عرصہ عزیزو قلیل ہے
میرے پیارو چھوڑ دو تم قصہ خوانیاں
پڑھ پڑھ کے قصہ ہوتی طبیعت علیل ہے
پہچانو اس امام کو اس کا پڑھو کلام
جو راہ وہ بتاتا ہے حق کی سبیل ہے
کیوں اس کی ہر کتاب کو لیتے نہیں ہو تم
کس واسطے تمہاری طرف سے یہ ڈھیل ہے
ناصر کا ہے کلام عزیزوں کو مثلِ گل
اور دشمنوں کی آنکھ میں مانند کیل ہے

(الحکم 28 فروری 1912ء صفحہ 8)



جواہرات کی تھیلی قرآن کریم

رجل خوشاب

''جولوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے''

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کشتی نوح میں فرماتے ہیں کہ'' اور تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے جولوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے جولوگ ہر ایک حدیث اور قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا'' (ہماری تعلیم صفحہ 9)

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ پاک کلام ہے جو اپنے فضائل، روحانی حسن و جمال۔ افادیت اور پاک تاثیرات کے لحاظ سے نہ صرف تمام صحف انبیاء پر فضیلت رکھتا ہے بلکہ اپنی جامعیت اور فیض رسانی کے لحاظ سے اسقدر افضل و اعلیٰ ہے کہ اس کے پڑھنے والے اور اس کی پاک تعلیمات پر عمل کرنے والے وہ اعلیٰ رفعتیں اور ارلیٰ مقام پاتے ہیں کہ جن کا حصول دوسری کتب کے حاملین کے لئے ناممکن و محال ہے۔

آنحضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

خَیرُ کُم مَن تَعلَّم القرآنَ وَعلَّمهُ

(بخاری فضائل القرآن)

کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن مجید سیکھتا اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔ آنحضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں قرآن کریم سیکھنے اور پڑھنے والوں کی جو عزت و تکریم تھی مندرجہ ذیل احادیث سے اس بات کا پتہ چلتا ہے۔ آنحضورر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ انَ الذی لَیسَ فی جوفہ شیءٌ کالبیتِ الخرِبُ (ترمذی) کہ جس کو قرآن کریم کا کچھ حصہ یاد نہیں وہ ویران گھر کی طرح ہے۔ جو شخص قرآن کریم کو سیکھتا اور پڑھتا ہے۔ اس کے متعلق آنحضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ'' قرآن کریم پڑھنے والے مومن کی مثال نارنگی کی سی ہے کہ جس کا مزا بھی اچھا ہوتا ہے اور خوشبو اعلیٰ اور عمدہ ہوتی ہے۔ (ابوداؤد)

اسی طرح آنحضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا ہے:۔ قرآن کریم سیکھو اور اسے پڑھتے رہا کرو کیونکہ جو شخص قرآن سیکھتا اور اُسے پڑھتا رہتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اس کی مثال اس تھیلی کی سی ہے جس میں مشک بھرا ہوا ہو اور اس کی خوشبو نکل کر سارے مکان میں پھیل رہی ہو'۔ (ترمذی ابن ماجہ) یعنی قرآن کریم کے علوم اور معارف انسان کو مشک کی خوشبو کی طرح قابل عزت و تکریم اور فیض رساں وجود بنا دیتے تاریخ اسلام کا مشہور واقع ہے کہ آنحضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فوج بھجوائی جو آدمی اس کے لئے چنے گئے آپ نے ان سے قرآن کریم سنا۔ آخر آپ ایک شخص کی طرف متوجہ ہوئے جو ان سب سے چھوٹی عمر کا تھا اور اس سے پوچھا کہ تم کو کتنا حسنہ قرآن کا یاد ہے اس نے کہا فلاں فلاں سورۃ کے علاوہ سورۃ بقرہ بھی یاد ہے۔ آپ نے فرمایا سورۃ بقرہ تم کو یاد ہے پس تو تم اس لشکر کے سردار مقرر کئے جاتے ہو۔

(ترمذی بحوالہ تفسیر حوالہ جلد اول صفحہ 50)

سورۃ بقرہ قرآن کی سب سے بڑی سورۃ ہے۔ آنحضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دیگر سورتوں کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی سورۃ کے یاد کئے جانے کا بتایا گیا تو قرآن کریم سے لگن کی وجہ سے چھوٹی عمر ہونے کے اس حامل قرآن کو اس فوج کا سردار مقرر فرما دیا گیا۔ جس میں بڑی عمر کے صحابہؓ بھی موجود تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح قرآن کریم سے محبت کرنے والوں کی تکریم کی اُمت محمدیہ میں سے اہل اللہ نے بھی آپ کے اسوہ کو اپنایا۔ حضرت مصلح موعودؓ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا محبت قرآن کا ایک وقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔'' حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے متعلق ذکر آتا ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ ان سے ملنے کے لئے آیا۔ وہ کھڑے ہو گئے اور بادشاہ سے ملے۔ اور پھر بیٹھ گئے۔ پھر وزیر ملنے کے لئے آیا تو وہ اسی طرح بیٹھے رہے کھڑے نہیں ہوئے۔ اس کے بعد بادشاہ کا پہریدار ملنے آیا تو پھر وہ کھڑے ہو گئے۔ اور کھڑے ہونے کے بعد بیٹھ گئے۔ جب یہ لوگ چلے گئے تو کسی نے کہا آپ نے یہ کیا کیا کہ جب بادشاہ آیا تو اس کے اعزاز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ وزیر

آیا تو کھڑے نہ ہوئے لیکن پہریدار آیا تو پھر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے فرمایا کہ بادشاہ آنے پر میں اس لئے کھڑا ہوا تھا کہ بادشاہ کی اطاعت کا حکم ہے۔ وزیر آنے پر میں اس لئے کھڑا نہیں ہوا کہ وزیر کی اطاعت کا حکم نہیں۔ اس کے بعد پہریدار آیا تو میں پھر کھڑا ہو گیا مگر اس لئے کہ وہ حافظ قرآن تھا اب دیکھو یہ پہریدار ادنیٰ ملازم تھا لیکن شاہ ولی اللہ صاحب کے محبوب کا کلام اس نے یاد کیا ہوا تھا اسلئے باوجود چھوٹا ہونے کے آپ کھڑے ہو گئے''۔

(تفسیر کبیر جلد 5 صفحہ 201)

قرآن کریم کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّهٗ لَقُراٰنٌ كَرِيْمٌ (الواقعہ:78)

کہ یقیناً ایک عزت والا قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم عزت والا ہے اور اپنے پڑھنے والوں کو عزت و تکریم کے قابل بنا دیتا ہے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''جو شخص قرآن مجید پڑھے اور اس کے احکام پر عمل کرے تو قیامت کے دن اس کے والدین کو ایک تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بڑھ کر ہوگی''۔ (ابوداؤد)

اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ''قرآن ایک ہفتہ میں انسان کو پاک کر سکتا ہے۔ اگر صوری اور معنوی اعراض نہ ہو۔ قرآن تم کو نبیوں کی طرح کر سکتا ہے اگر تم اس سے نہ بھاگو۔ بجز قرآن کس کتاب نے اپنی ابتداء میں ہی اپنے پڑھنے والوں کو یہ دعا سکھلائی، اور یہ امید دی کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ہمیں ان نعمتوں کی راہ دکھلا جو پہلوں کو دکھلائی گئی۔ جو نبی اور رسول اور صدیق اور صالح تھے۔ پس اپنی ہمتیں بلند کرلو اور قرآن کی دعوت کو ردمت کرو کہ وہ تمہیں نا صرف نعمتیں دینا چاہتا ہے جو پہلوں کو دی تھیں بلکہ خدا کا تمہاری نسبت ان سے زیادہ فیض رسانی کا ارادہ ہے''۔ (کشتی نوح ہماری تعلیم صفحہ 28)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

''بے شمار نمونے موجود ہیں جنہوں نے قرآن پر عمل کر کے دنیا کی سلطنتیں بھی پائیں۔ اور آخرت میں اپنا گھر جنت الفردوس میں بنایا۔ مبارک وہ جو اس دردمند تقریر کو پڑھ کر قرآن مجید کی طرف توجہ کرے''۔

(حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 247)

حضور ﷺ نے اس قوم پر جو دنیا کی قوموں میں، ان پڑھ اور جہالت کے لحاظ سے قعر مزلت میں گری ہوئی قوم سمجھی جاتی تھی۔ قرآن کریم پڑھا تو قرآن کریم پڑھنے اور اسے اپنا دستور عمل بنانے کی وجہ سے نہ صرف جہالت سے نکال کر دنیا کے معلم بنا دیئے گئے بلکہ اس قدر روحانی رفعتوں میں کمال حاصل کیا کہ آسمانِ روحانی کے چمکتے ہوئے ستارے ہو گئے۔ اور ان کے حق میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرا یہ صحابی ستارے کی طرح ہے جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پاک اور ارفع وجودوں کی اس قدر عزت افزائی اور توقیر فرمائی کہ ان کے حق میں فرمایا کہ وہ اپنے اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا سے بڑھ کر اور کیا عزت افزائی ہو سکتی ہے۔ چونکہ قرآن کا خدا زندہ خدا ہے اور زندہ خدا کا زندہ کلام ہے جس کی فیض رسانی آج بھی جاری ہے اور آئندہ بھی ہمیشہ جاری رہے گی۔ چنانچہ اس کی محبت اور عشق میں محو ہو کر والہانہ طور پر اس کی محبت اور عشق میں کھو جانے کے باعث سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلا کی اس قدر عزت افزائی فرمائی کہ حضور ﷺ کا ظل کامل بناتے ہوئے مسیح موعود اور مہدی موعود کے مقام پر فائز فرمایا اور اپنی محبت سے پر خطابات سے آپ کو نوازا۔ فرمایا۔ یا احمد بارك الله فيك وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى پھر فرمایا انتَ مرادی یہ کہ تو میری مراد ہے۔ اور پھر نہایت پیار سے فرمایا۔ انت منی و انا منكَ خدا تعالیٰ نے کیوں اسقدر آپ سے محبت کا اظہار فرمایا اور ہر دم اپنے حضور رفعتوں سے نوازا اس لئے کہ قرآن کریم کے عشق میں آپ کی روح گداز ہو کر یہ پکارتی تھی۔

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

پس ہمیں قرآن کریم سے محبت کے وہ اسلوب اختیار کرنے چاہییں۔ جو حضور ﷺ نے سکھائے ہیں۔ اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان پر عمل پیرا ہو کر قرآن کریم کے فیضان اور برکات سے حصہ پایا ہے۔ حضور علیہ السلا کا فرمودہ یہ سدا بہار مژدہ ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے کہ ''خدا کا تمہاری نسبت ان سے زیادہ فیض کا ارادہ ہے۔ قرآن تم کو نبیوں کی طرح کر سکتا ہے''

(کشتی نوح) ❁❁❁



عقیدہ ختمِ نبوت اور عقیدہ نزول حضرت عیسیٰؑ متصادم ہیں



جمیل احمد بٹ

ختم نبوت کا یہ رائج عقیدہ کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آ سکتا اور ساتھ ہی یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰؑ بطور نبی آئیں گے کھلم کھلا باہم متصادم ہیں۔ کئی گزشتہ بزرگان نے اس تضاد کو دور کرنے کے لئے قرآن و حدیث کی روشنی میں درست موقف اختیار کرتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ کی دوبارہ آمد کو غیر تشریعی، تابع، امّتی اور بطور بروز لکھا ہے۔ قرآن و حدیث میں حضرت مسیح ناصریؑ کی وفات کا اثبات اور مسیح و مہدی سے متعلق پیشگوئیوں کی بعض تفاصیل بھی اس موقف کی تائید کرتی ہیں۔ ان سب کا بیان اس باب کا موضوع ہے۔ ساتھ ہی کتب 'ختم نبوت' از مفتی محمد شفیع صاحب اور 'ختم نبوت' از مولوی مودودی صاحب میں اس حوالے سے مذکور تاویلوں کا جواب بھی ہے

۱۔ متصادم عقیدے:

پہلا عقیدہ: آنحضرت ﷺ کے عظیم الشان مقام خاتم النبیین کے مضمون کو زمانی طور پر آخری نبی کے معنوں میں محدود کرنے کی کوئی بھی کوشش عربی لغت، عربی محاورہ، قرآنی اسلوبِ بیان اور قرآنِ کریم میں مذکور اجرائے نبوت کے قانون سے متصادم ہے۔ اور ان گذشتہ اقوام کے ہم رنگ ہے جنہوں نے ماضی میں انعامِ نبوت کو ختم گردانا لیکن جن پر قرآنِ کریم نے اظہارِ افسوس کیا ہے۔ اس کے باوجود ختمِ نبوت کے حق میں شائع شدہ لٹریچر اور اظہار میں آنحضرت ﷺ کے مقامِ خاتم النبیین کے ضمن میں حدیث لا نبی بعدی دہرا کر اس کے یہ معنی کئے جاتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نبیوں میں آخری ہیں، آپ ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی ہے اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔

دوسرا عقیدہ:

ساتھ ہی آنحضرت ﷺ کی وفات کے صدیوں بعد کم از کم ایک نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کا عقیدہ بھی اہلِ اسلام میں قبولِ عام کی سند رکھتا ہے۔ چنانچہ بزرگانِ امت کے وہ ارشادات جو ختمِ نبوت کے حق میں پیش کئے جاتے ہیں اور گزشتہ باب میں نقل ہوئے ان میں سے بیشتر میں نبوت کے کلی خاتمہ کے اظہار کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بطور نبی کے آمد کا امکان باقی رکھا گیا ہے۔ اسی طرح جن بزرگان کی تحریروں سے صاف امکانِ نبوت ظاہر ہے ان کا جواز بھی از خود اسی عقیدہ کو قرار دے دیا جاتا ہے۔

۲۔ گزشتہ بزرگانِ امت کی تاویلیں:

اس تضاد کو دور کرنے کے لئے بہت سے گزشتہ بزرگانِ امت نے قرآن و حدیث کی روشنی میں جو مؤقف اختیار کیا اس میں یہ پہلو نمایاں نظر آتے ہیں:

(الف) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی دوسری بعثت میں نبی ہوں گے

علامہ شہرستانیؒ (متوفی 548ھ):

وَ كَذٰلِكَ مَنْ قَالَ اِلٰى قوله اَوْ اَنَّ بَعْدَ مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيًا غَيْرَ عِيْسٰى بنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامِ فَاِنَّهُ لَا يَخْتَلِفُ اثْنَانِ فِي تَكْفِيْرِ لِصِحَّةِ قِيَامِ الْحُجَّةِ بِكُلِّ هٰذا

ترجمہ: اور ایسے ہی جو شخص یہ کہے کہ ہمارے نبی محمد ﷺ کے بعد سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی نبی ہے تو کوئی شخص اس کے کافر ہونے میں اختلاف نہیں کر سکتا، کیونکہ ان سب امور پر صحیح اور قطعی حجت قائم ہو چکی ہے۔

(ملل و نحل جلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۲۴۹ بحوالہ ختمِ نبوت از مفتی محمد شفیع صاحب صفحہ نمبر ۴۰۳، نیا ایڈیشن شائع کردہ ادارۃ المعارف کراچی)

(ب) حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی شریعت پر ہوں گے یعنی غیر تشریعی نبی ہوں گے:

۱۔ حضرت علامہ بیضاویؒ (متوفی ۶۸۵ھ) نزولِ مسیح کے بارے میں لکھتے ہیں:

'عیسیٰ علیہ السلام کا آپ کے بعد نازل ہونا اس ختمِ نبوت میں قادح نہیں ہے کیونکہ جب وہ نازل ہوں گے تو آپ ہی کے دین پر ہوں گے'۔

(تفسیر انوار التنزیل جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر ۱۶۴ بحوالہ ختم نبوت از مولوی مودودی صاحب صفحہ نمبر ۲۶۔۲۷ شائع کردہ اسلامک پبلیکیشنز لاہور مارچ ۱۹۶۲ء)

۲۔حضرت امام عبدالوہاب شعرانیؒ (متوفی 976ھ) نے تحریر فرمایا :

و کذا لك عیسیٰ علیہ السلام اذا نزل الی الارض لا یحکم فینا الا لشریعة نبینا ﷺ

ترجمہ: اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نازل ہوں گے تو ہمارے نبی محمد ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے۔

(الیواقیت والجواہر جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۳۸ بحوالہ ختم نبوت اور بزرگانِ امت از مولوی لال حسین صاحب اختر صفحہ نمبر ۱۰۔۱۱ نیا ایڈیشن مطبوعہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان)

۳۔ حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ (متوفی ۹۱۱ھ):

’آں حضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں اور عیسیٰؑ جب نازل ہوں گے تو آپ کی شریعت ہی کے مطابق عمل کریں گے۔

(تفسیر جلالین صفحہ نمبر ۷۶۸ بحوالہ کتابچہ ختم نبوت از مولوی مودودی صاحب صفحہ نمبر ۱۲۸ اسلامک پبلیکیشنز لاہور مارچ ۱۹۶۲ء)

۴۔علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانیؒ (متوفی ۱۱۲۲ھ) :

وَلَا یَقدَحُ نُزُولِ عِیسیٰ علیہ السلام بَعدَہُ لِاَنَّہُ یَکُونُ عَلیٰ دِینِہٖ مَعَ أَنَّ الْمُرَادَ أَنَّہُ اٰخِرُ مَن نُبِّیَ

ترجمہ از مفتی صاحب: اور نزول عیسیٰ علیہ السلام سے ختمِ نبوت پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا، اس لئے عیسیٰ علیہ السلام اس وقت آنحضرت ﷺ کے دین پر ہوں گے، علاوہ بریں ختمِ نبوت سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ سب سے آخر میں نبی بنائے گئے۔

(شرح مواہب اللدنیہ جلد نمبر ۵ صفحہ نمبر ۲۶۷ بحوالہ ختمِ نبوت از مفتی محمد شفیع صاحب صفحہ نمبر ۱۱۵، ۱۱۶، نیا ایڈیشن شائع کردہ ادارۃ المعارف کراچی)

(ج) حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے تابع ہوں گے یعنی امتی نبی ہوں گے :

۱۔ امام اہلِ سنت حضرت امام ملا علی قاریؒ (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں :

لو عاش إبراهيمُ وصارَ نبياً، وكذا لو صارَ عُمرُ نَبياً لكانا من أتباعه عليه الصلاة والسلام كعيسى

(الاسرار الموعوضہ فی الاخبار الموضوعۃ المعروف بالموضوعات الکبریٰ از حضرت ملا علی قاریؒ صفحہ نمبر 192 دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

ترجمہ: اگر ابراہیمؓ زندہ رہتے اور نبی بن جاتے اور حضرت عمرؓ بھی نبی بن جاتے تو وہ دونوں حضرت عیسیٰؑ ۔۔۔۔۔ کی طرح آنحضرت ﷺ کے تابع نبیوں میں سے ہوتے۔

۲۔ امام اہلِ سنت حضرت امام ملا علی قاریؒ (متوفی 1014ھ) فرماتے ہیں :

لَا مُنَافَاۃَ بَیْنَ اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیًّا وَّ یَکُوْنَ مُتَابِعًا لِّنَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

مرقاۃ المفاتیح جلد نمبر ۵ صفحہ نمبر ۵۶۴ بحوالہ بزرگانِ امت کے نزدیک ختمِ نبوت کی حقیقت از حضرت قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری صفحہ نمبر ۵۵ مطبوعہ نظارت اشاعت لٹریچر وتصنیف انجمن احمدیہ ربوہ پاکستان)

ترجمہ: حضرت عیسیٰؑ کے نبی ہونے اور رسول اللہ ﷺ کے تابع ہونے میں کوئی منافات نہیں۔

۳۔ حضرت مولانا جامیؒ (متوفی ۸۹۸ھ) :

چوں درآخر زماں بقولِ رسول ؎ کند از آسمان مسیح نزول
پیرو دین و شرع او باشد ؎ تابع اصل و فرع او باشد
دیں ہمہ شرع و دینِ او داند ؎ ہمہ کس را بدینِ او خواند

(عقائد نامہ بحوالہ ختمِ نبوت از مفتی محمد شفیع صاحب صفحہ نمبر ۴۰۹، نیا ایڈیشن شائع کردہ ادارۃ المعارف کراچی)

ان اشعار میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بعد نزول دینِ اسلام کا پیرو اور شریعتِ قرآن کا تابع بتایا گیا ہے۔

(د) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد دوسرے بدن میں ہوگی یعنی بروزی طور پر :

شیخِ اکبر حضرت امام محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں:

وَجَبَ نُزُوْلُہٗ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِہٖ بِبَدَنٍ اٰخَرَ

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول آخری زمانہ میں کسی دوسرے بدن

کے تعلق سے ہوگا۔

(تفسیر شیخ اکبر بر حاشیہ عرائس البیان بحوالہ بزرگان امت کے نزدیک ختم نبوت کی حقیقت از حضرت قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری صفحہ نمبر ۲۶۔۲۷ مطبوعہ نظارت اشاعت و تصنیف ربوہ ۱۹۷۳ء)

۳۔ درست مؤقف:

سات مستند بزرگان امت کی مندرجہ بالا نو(۹) تحریروں کا مجموعی مؤقف یہی ہے کہ آنے والا موعود نبی ضرور ہوگا مگر غیر تشریعی اور آں حضرت ﷺ کے تابع یعنی امتی نبی اور اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد کی یہ خبر بصورتِ بروز ایک دوسرے وجود کی صورت میں غیر تشریعی اور امتی نبی کی بعثت کی خبر ہے اور اس سے بجنسہٖ وہ عیسیٰ بن مریمؑ مراد نہیں ہیں جو دو ہزار سے زائد سال قبل فلسطین میں پیدا ہوئے تھے۔

یہی مؤقف اس مسئلہ کا درست حل ہے جس کے نتیجہ میں تمام باتیں اپنی اپنی جگہ درست ٹھہر جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی سب باتیں درست رہتی ہیں۔ ان میں نہ کوئی تضاد باقی رہتا ہے اور نہ کوئی عملی مشکل۔

نام عیسیٰ بن مریم کیوں؟ پیشگوئی میں حضرت عیسیٰ بن مریم کا نام لیا جانا صرف امت محمدیہ کی امت موسویہ سے یہ مماثلت ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰؑ کے بعد چودھویں صدی میں آنے والے آخری خلیفہ کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم تھا اسی طرح آں حضرت ﷺ کے بعد چودھویں صدی میں آنے والے خلیفہ کا نام بھی عیسیٰ بن مریم ہوگا۔

۴۔ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں:

حدیث کی پیشگوئی میں مذکور وجود اس لئے بھی حضرت عیسیٰ بن مریم نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ فوت ہو چکے ہیں اور فوت شدہ دوبارہ دنیا میں نہیں آتے۔ حضرت عیسیٰؑ کا فوت شدہ ہونا ایک طے شدہ معاملہ ہے جیسا کی درج ذیل آیت اور احادیث سے ظاہر ہے:

i۔ قرآن کا حضرت عیسیٰؑ کو فوت شدہ قرار دینا: آپ کا فوت شدہ ہونا قرآنِ کریم کی ۳۰ آیات سے ثابت ہے ایسی ایک آیت درج ذیل ہے:

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ (مائدہ ۵:۱۱۸)

ترجمہ وتشریح:

وكنت عليهم شهيدا رقيبا حاضرا أراعيهم، اعلمهم وما دمت فيهم، اى ما بقى من وجود بقيه فلما توفيتني أفنيتني بالكلية بك، كنت انت الرقيب عليهم لفنائى فيك وأنت علىٰ كل شئى شهيد

(تفسیر القرآن الکریم از شیخ اکبر حضرت امام محی الدین ابن عربیؒ جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۳۵۴ شائع کردہ دار الاندلس للطباعۃ والنشر والتوزیع بیروت)

ترجمہ: وكنت عليهم شهدا میں اُن کا نگران حاضر تھا اور ان کی دیکھ بھال کرتا تھا اور اُن کو تعلیم دیتا تھا ما دمت فيهم یعنی جب تک مَیں ان میں باقی رہا فلما توفيتني جب تو نے مجھے کلی طور پر فنا کر دیا كنت أنت الرقيب عليهم میرے فنا ہونے کی وجہ سے تو ان پر نگران تھا۔

ii۔ حضرت عیسیٰؑ کو ہجرت کا حکم: آں حضرت ﷺ نے فرمایا:

أوحى الله تعالى إلى عيسى: أن يا عيسى انتقلْ من مكانٍ إلى مكانٍ، لئلاّ تُعرف، فتُؤذى

(کنز العمال باب اوّل فی الاخلاق زیرِ عنوان الاکمال جلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۳۵۸ شائع کردہ مؤسسۃ الرسالہ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کرتے ہوئے فرمایا اے عیسیٰ ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف نقل مکانی کرتے رہو تا کہ تجھے پہچان کر تکلیف میں نہ ڈالا جائے۔

iii۔ حضرت عیسیٰؑ کی عمر طبعی کا ۱۲۰ سال ہونا: آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

أَنَّ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَاشَ عِشْرِينَ وَمِائَةَ سَنَةٍ

(المعجم الکبیر از حضرت امام طبرانیؒ بتحقیق علامہ حمدی عبد الحمید سلفی، حدیث نمبر 1031۔ جزو ثانی والعشرون۔ ناشر مکتبہ ابن تیمیہؒ، قاہرہ، مصر)، (کنز العمال باب ثانی الفصل الاوّل فی فضائل سائرہ الانبیاء جلد نمبر ۱۱ صفحہ نمبر ۴۷۹ شائع کردہ مؤسسۃ الرسالہ)، (شرح مواہب الدنیہ از امام زرقانیؒ جزو اوّل صفحہ نمبر ۳۴ الطبعۃ الاولیٰ بالمطبعۃ الازھریہ المصر یہ سنِ اشاعت ۱۳۲۵ھ) اور (حجج الکرامہ از نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی صفحہ نمبر ۴۲۸ مطبع شاہجہاں واقع بلدہ بھوپال حلیہ انطباع توستنید)

ترجمہ: عیسیٰ بن مریمؑ ایک سو بیس برس زندہ رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس ہجرت، سفرِ کشمیر اور وہیں فوت ہو کر سری نگر محلہ خان یار میں تدفین پر بیسیوں قوی دلائل اور دستاویزی ثبوت موجود ہیں۔ حتیٰ کہ وہاں آپؑ کی قبر آج بھی موجود ہے۔

iv۔ وفاتِ مسیح پر حدیثِ رسول: آں حضرت ﷺ نے فرمایا:

لو كان موسى وعيسى حيين لما وسعهما إلا اتباعي

(تفسیر ابنِ کثیر سورت آلِ عمران زیر آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۳۷۸ مکتبہ توفیقیہ امام الباب الخضر (سیّدنا الحسین))

ترجمہ: اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ تھا۔

(تفسیر ابنِ کثیر اردو ترجمہ از مولانا محمد میمن جونا گڑھی صفحہ نمبر ۸۵ شائع کردہ نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی)

یاد رہے کہ سب انبیاء کا فوت شدہ ہونا ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس پر آں حضرت ﷺ کی وفات کے بعد صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا پہلا اجماع بھی ہوا۔

v۔ قرآنِ کریم کی رو سے فوت ہو جانے والے دوبارہ دنیا میں نہیں آتے: اللہ فرماتا ہے

اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (یٰسین ۳۶:۳۲)

ترجمہ: یقیناً وہ (پہلے سے ہلاک شدہ) ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔

اس قانونِ قدرت کے ہوتے ہوئے درج ذیل تحریر محض خود کو اور دوسروں کو دھوکہ دینا ہے کہ:

'بالفرض وہ وفات ہی پا چکے ہیں تو اللہ انہیں زندہ کر کے اٹھا لانے پر قادر ہے'۔

(ختم نبوت از مولوی مودودی صاحب صفحہ نمبر ۵۴ شائع کردہ اسلامک پبلیکیشنز لاہور مارچ ۱۹۶۲ء)

۵۔ پیشگوئی کی مزید تفاصیل بھی اس موقف کی تائید کرتی ہیں:

پس نزول حضرت عیسیٰ بن مریمؑ سے یہی مراد ہے کہ امت میں سے ایک وجود کو مسیح موعود و مہدی معہود اور امتی نبی کا منصب عطا ہوا اور وہ ان تمام کاموں کی بحسن و خوبی انجام دہی کرے۔ قرآن و حدیث میں مذکور درج ذیل اخبار بھی اس توجیہ پر گواہ ہیں:

i۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت ثانی کی خبر: اللہ فرماتا ہے:

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (جمعہ ۶۲:۴)

ترجمہ: اور انہیں میں سے دوسروں کی طرف بھی (اسے مبعوث کیا ہے) جو ابھی ان سے نہیں ملے۔

ii۔ حضرت عیسیٰ اور امام مہدی ایک ہی وجود ہیں: درج ذیل دو احادیث اسی مضمون کی ہیں۔

۱۔ وَلَا الْمَهْدِيُّ إِلَّا عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ (سنن ابن ماجہ کتاب الفتن باب شدۃ الزمان جلد دوم صفحہ نمبر ۱۳۴۱ شائع کردہ عیسیٰ البابی الحلبی و شرکاء)

ترجمہ: سوائے عیسیٰ بن مریم کے اور کوئی امام مہدی نہیں۔

۲۔ يُوْشِكُ مَنْ عَاشَ مِنْكُمْ اَنْ يَلْقٰى عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اِمَامًا مَهْدِيًّا حَكَمًا عَدْلًا

(مسند احمد بن حنبل جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۴۱۱ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بحوالہ امام مہدی کا ظہور از مسلمات اہل سنت و تشیع از حضرت قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری صفحہ نمبر ۱۰ شائع کردہ نظارت لٹریچر و تصنیف صدر انجمن احمدیہ ربوہ پاکستان)

ترجمہ: قریب ہے کہ تم میں سے جو زندہ ہو عیسیٰ بن مریم سے امام مہدی حکم و عدل ہونے کی حالت میں ملاقات کرے۔

iii۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مسیح موعود کے الگ الگ حلیے: دونوں امتوں کے مسیح کے حلیوں میں بھی فرق بتایا گیا جس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ دونوں الگ الگ وجود ہیں:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ: آنحضرت ﷺ نے حضرت عیسیٰؑ کا حلیہ یہ بیان فرمایا ہے:

رَأَيْتُ عِيسَى وَمُوسَى وَإِبْرَاهِيمَ، فَأَمَّا عِيسَى فَأَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِيضُ الصَّدْرِ

(صحیح بخاری جلد دوم کتاب احادیث الانبیاء صفحہ نمبر ۱۰۷۱ شائع کردہ مکتبۃ العفیر بیروت)

ترجمہ: (آنحضرت ﷺ نے فرمایا) میں نے معراج کی رات حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا۔ حضرت عیسیٰ گھنگریالے بال اور چوڑا سینہ رکھتے تھے۔

مسیح موعود کا حلیہ: اور مسیح موعود کا یہ

فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ، كَأَحْسَنِ مَا يُرَى مِنْ أُدْمِ الرِّجَالِ

تَضْرِبُ لِمَّتُهُ بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ، رَجِلُ الشَّعْرِ،

(صحیح بخاری جلد دوم کتاب احادیث الانبیاء صفحہ نمبر ۱۰۷۱ شائع کردہ مکتبۃ العصر یہ بیروت)

ترجمہ: (آں حضرت ﷺ نے فرمایا) اتنے میں کیا دیکھتا ہوں ایک شخص بہت اچھا گندمی رنگ والا جس کے بال کندھوں تک صاف سیدھے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے؟ جس پر مجھے جواب دیا گیا کہ یہ مسیح بن مریم ہیں۔

اسی حدیث میں آگے چل کر نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت دجال کو بھی دیکھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو مسیح آپ نے پہلے دیکھا وہ مسیح موعود

تھا جس نے اس دجال کے مقابلہ کے لئے ظاہر ہونا تھا۔

iv۔ امام امت میں سے ہو گا: درج ذیل دو احادیث میں یہ بات فرمائی گئی ہے:

۱۔ كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ، وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب نزولِ عیسیٰ بن مریم جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۱۳۶-۱۳۷ مطبعہ دار الاحیاء الکتب العربیہ ۱۹۱۸ء)، (صحیح بخاری جلد نمبر ۲ باب نزولِ عیسیٰ بن مریم صفحہ نمبر صفحہ نمبر ۱۰۷۳ شائع کردہ مکتبۃ العصر یہ بیروت)

ترجمہ: تمہارا کیا حال ہوگا جب ابنِ مریم تم میں نازل ہوگا وہ تم میں سے ہی تمہارا امام ہوگا۔

۲۔ مِنَّا الْمَهْدِيُّ

(ناسخ التواریخ جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۱۸۶ بروایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بحوالہ امام مہدی کا ظہور از مسلمات اہل سنت و تشیع از حضرت قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری صفحہ نمبر ۱۷ شائع کردہ نظارت لٹریچر و تصنیف صدر انجمن احمدیہ ربوہ پاکستان)

ترجمہ: امام مہدی ہم میں سے ہوگا۔

v۔ آنحضرت ﷺ کا اس موعود کو اپنا سلام پہنچانے کا حکم۔ فرمایا:

وأخرج الحاكم عن أنس قال:

من أدرك منكم عيسى ابن مريم فَلْيُقْرِئْهُ مني السلام

(درِمنثور از حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ سورت نساء زیر آیت وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 433 دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

ترجمہ: حضرت امام حاکمؒ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ جو بھی تم میں سے مسیح ابن مریم کو پائے انہیں آنحضرت ﷺ کا سلام پہنچادے۔ جبکہ آپ ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے معراج کے دوران دوسرے انبیاء کے ساتھ مل چکے تھے۔ جیسا کہ لکھا ہے:

پیغامبر ﷺ گفت اندر شب معراج آدم و یوسف و موسیٰ و ھارون و عیسیٰ و ابراہیم را صلوات اللہ علیٰ نبینا و علیہم اجمعین اندر آسمان ما دیدم لا حالہ آں ارواح ایشان بود۔

(کشف المحجوب از حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ بمقدمہ پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب صفحہ نمبر ۲۸۵ شائع کردہ رئیس سابق قسمت دائرۃ المعارف الاسلامی پنجاب یونیورسٹی لاہور)

ترجمہ: پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ مَیں نے معراج کی رات آدم صفی اللہ اور یوسف صدیق اور موسیٰ کلیم اللہ اور ہارون حلیم اللہ اور عیسیٰ روح اللہ اور ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیہم اجمعین کو آسمانوں میں دیکھا تو ضرور باضرور وہ ان کی روحیں ہی تھیں۔

(کشف المحجوب اردو از حضرت داتا گنج بخشؒ مترجم مولوی محمد حسین صاحب مناظر گوندلانوالیہ صفحہ ۳۱۷ شائع کردہ ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور)

تھا جس نے اس دجال کے مقابلہ کے لئے ظاہر ہونا تھا۔

vi۔ آنحضرت ﷺ کا اس موعود کی بیعت کرنے کا حکم۔ آپ ﷺ نے تاکید فرمائی:

فَاِذَا رَأَیْتُمُوْہُ فَبَایِعُوْہُ وَلَوْ حَبْوًا عَلَی الثَّلْجِ فَاِنَّہٗ خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ ، اَلْمَھْدِیُّ

(سنن ابن ماجہ کتاب الفتن باب خروج المہدی جلدنمبر 2 صفحہ نمبر 1367 شائع کردہ عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاء)

ترجمہ: جب تم مہدی کو پاؤ تو اس کی بیعت کروخواہ برف پر گھٹنوں کے بل چل کر جانا پڑے کیونکہ وہ مہدی اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔

vii۔ میثاق النبیین کے تابع۔ بیعت اور سلامتی پہنچا کر اس موعود کی مدد کے یہ حکم بظاہر اس میثاق کے تابع تھے جو دیگر انبیاء کے ساتھ آں حضرت ﷺ سے بھی لیا گیا جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَھُمْ وَمِنْكَ (احزاب 8:33)

ترجمہ: اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا میثاق لیا اور تجھ سے بھی۔

viii۔ موعود کے ذمہ وہی کام ہونا۔ آں حضرت ﷺ کے لئے قرآن کریم نے پیش گوئی فرمائی:

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّہٖ (صف ۶۱:۱۰)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے دین (کے ہر شعبہ) پر کلیتاً غالب کر دے۔

یہ وہ کام تھا جس کی تکمیل صرف اسی وقت ممکن تھی جب تمام مددگار ذرائع وحالات میسر آجائیں۔ شائد اسی لئے امت کے موعود مسیح ومہدی کا کام بھی غلبۂ اسلام قرار دیا گیا۔ اور اس کا بھیجنا اس دور میں مقدر کیا گیا جب سائنسی ترقی کی بدولت ذرائع نشرواشاعت بکثرت میسر ہوں۔ جیسا کہ آج ہیں۔

۶۔ حال کی تاویلیں:

تاویلوں کے ضمن میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ جہاں حسبِ ضرورت مختلف تاویلوں کے ذریعہ حضرت عیسیٰؑ کی بطور نبی آمد کی گنجائش رکھی جاتی ہے۔ وہیں یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ آخری کے معنوں میں کسی استثناء اور تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔

جیسا کہ مفتی محمد شفیع صاحب نے تکرار سے یہ لکھا ہے:

’اس میں نہ کسی قسم کی تخصیص ہے اور نہ کسی فرد کا استثناء اور نہ کسی تاویل کی گنجائش‘۔

(ختمِ نبوت از مفتی محمد شفیع صاحب صفحہ نمبر ۹۰، نیا ایڈیشن شائع کردہ ادارۃ المعارف کراچی)

’خاتم النبیین سے مطلقاً ابنیاء کا اختتام بتلانا منظور ہے، اس میں کسی قسم کی تخصیص یا استثناء نہیں ہے‘

(ختمِ نبوت از مفتی محمد شفیع صاحب صفحہ نمبر ۱۱۳، نیا ایڈیشن شائع کردہ ادارۃ المعارف کراچی)

جبکہ درج ذیل چار تاویلوں میں سے پہلی تین خود مفتی صاحب نے بھی دہرائی ہیں جس سے ظاہر ہے تاویل نہ ہو سکنے کے یہ دعوے نقش بر آب ہیں۔

تضاد کے حل کے لئے تاویلیں: لفظ خاتَم کے حقیقی معنی ’کسی چیز پر مہر کی طرح نشان لگانا‘ ہیں۔ (ملاحظہ ہو مفرادت القرآن از حضرت امام راغب اصفہانیؒ اردو ترجمہ از علامہ محمد عبدہ فیروز پوری جلد اوّل صفحہ نمبر ۲۸۶ شائع کردہ شیخ شمس الحق ۲۳۸ کشمیر بلاک، اقبال ٹاؤن لاہور) ان درست معنوں کے تحت مقام خاتم النبیین سے مراد آں حضرت ﷺ نبیوں کی مہر، افضل النبیین اور آخری بمعنی منتہائے کمالاتِ نبوت اور آخری تشریعی نبی ہیں۔ جن بزرگان اور علمائے امت نے اس اعلیٰ تشریح کی جگہ لفظ خاتم کے مجازی معنوں کو ترجیح دے کر ’آخرِ قوم‘ کے معنوں کو اختیار کیا ہے اور خاتم النبیین کے معنی ’نبیوں میں آخری‘ کئے ہیں۔ انہیں اس تضاد کا سامنا کرنا پڑا جس کے حل کے لئے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آں حضرت ﷺ کے بعد بطور نبی آنے کی راہ کھلی رکھنے کی غرض سے ’آخری نبی‘ کو مطلق آخری کہنے کی بجائے تاویلوں کے ذریعہ اس میں راستہ نکالنے کی کوششیں کی ہیں۔

۷۔ پہلی تاویل۔ آخری سے مراد مطلق آخری نہیں

ان میں سے اول نمبر پر معنوں میں اپنی طرف سے ایسے الفاظ کا اضافہ کرنا ہے جو یہ تاثر پیدا کریں کہ آخری نبی سے مراد صرف ’آخری بلحاظ پیدائش‘ یا ’آخری بلحاظِ بعثت‘ یا ’آخری بلحاظِ وصفِ نبوت پانے‘ کے ہیں نہ کہ مطلق آخری۔ اور ان کی وضاحت میں یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے ’کسی کو نبی بنایا نہ جائے گا‘ یا ’اب کوئی نیا نبی پیدا نہیں ہوگا‘ یا ’کوئی جدید نبی نہیں آئے گا‘ یا ’کسی کو وصفِ نبوت نہیں ملے گا‘۔ ان معنوں کو اختیار کر کے پھر یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ آں حضرت ﷺ وصفِ

نبوت پانے کے لحاظ سے آخری نبی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیونکہ پہلے نبی بنائے جا چکے ہیں اس لئے ان کی دوبارہ آمد سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

مفتی صاحب نے بار بار اس تاویل کو دہرایا ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے:

'آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوسکتا'۔ (ختمِ نبوت از مفتی محمد شفیع صاحب صفحہ نمبر ۹۲، نیا ایڈیشن شائع کردہ ادارۃ المعارف کراچی)

'خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین ہیں یعنی تمام افرادِ انبیاء کے بعد مبعوث ہونے والا'۔

(ختمِ نبوت از مفتی محمد شفیع صاحب صفحہ نمبر ۹۵، نیا ایڈیشن شائع کردہ ادارۃ المعارف کراچی)

علامہ زمخشری ؒ کی تفسیر کشاف سے ایک حوالہ دے کر مفتی صاحب لکھتے ہیں

'ان کو نزولِ عیسیٰ کے متعلق یہ جواب دینا پڑا کہ خاتم النبیین کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی شخص نبی نہیں بنایا جائے گا'۔

(ختمِ نبوت از مفتی محمد شفیع صاحب صفحہ نمبر ۱۱۲، نیا ایڈیشن شائع کردہ ادارۃ المعارف کراچی)

جواب: وصفِ نبوت پانے کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی کہنا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درج ذیل ارشادات کی روشنی میں درست نہیں ٹھہرتا۔ ان میں سے ایک کے مطابق حقیقت بالکل اس کے الٹ ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصفِ نبوت پانے کے لحاظ سے آخری نہیں بلکہ سب انبیاء میں سے پہلے ہیں:

۱۔ کنت نبیاً و آدم بین الماء و الطین

ترجمہ: مَیں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے (یعنی ان کا خمیر ہی تیار ہو رہا تھا)۔

(بحوالہ تحذیر الناس از مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی ؒ صفحہ نمبر ۱۳ شائع کردہ مکتبہ قاسم العلوم کراچی ۱۹۷۶ء)

اور دوسری حدیث کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب نبیوں سے پہلے مقامِ خاتم النبیین بھی پا چکے تھے جیسا کہ فرمایا:

انی عبداللہ لخاتم النبیین وان آدم علیہ السلام لمنجدل فی طینتہ

(مسند احمد بن حنبل جلد دوم صفحہ نمبر ۱۲۷ زیرِ عنوان حدیث عرباض بن ساریہ، شائع کردہ دارِ صادر بیروت)

ترجمہ: مَیں اللہ کا بندہ اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب کہ آدم علیہ السلام ابھی مٹی میں تھے۔

ان احادیث کا مضمون صاف اور واضح ہے اور ان سے ظاہر ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصفِ نبوت پانے کے لحاظ سے بھی اور مقامِ خاتم النبیین پانے کے لحاظ سے بھی سب انبیاء سے پہلے ہیں اور سب انبیاء نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہی وصفِ نبوت پایا ہے۔ اور اس طرح مقامِ خاتم النبیین کی اس تاویل کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصفِ نبوت کے پانے کے لحاظ سے آخری ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے ہم رنگ یہ دیگر تاویلیں بھی غلط قرار پاتی ہیں کہ 'کوئی نبی پیدا نہ ہوگا' کیونکہ سب نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہی پیدا ہوئے ہیں یا یہ کہ 'کوئی نیا اور جدید نبی نہیں آئے گا' کیونکہ یہ سب نبی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصفِ نبوت پانے کے بعد نبی ہوئے اپنے اپنے وقت میں نئے اور جدید ہی تھے۔

۸۔ دوسری تاویل ۔ عالمِ ارواح اور عالمِ دنیا کی تقسیم

غالباً اس واضح اور یقینی صورتحال کے ادراک کے تحت بعض جگہ تاویل در تاویل کر کے عالمِ ارواح اور عالمِ دنیا کی تقسیم کی گئی ہے جیسے مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ:

'عالمِ دنیا میں آپ کے ساتھ عہدۂ نبوت سب انبیاء کے بعد متعلق ہوا'۔

(ختمِ نبوت از مفتی محمد شفیع صاحب صفحہ نمبر ۱۰۲، نیا ایڈیشن شائع کردہ ادارۃ المعارف کراچی)

لیکن بات وہیں رہتی ہے کیونکہ آگے لکھتے ہیں کہ:

'عالمِ ارواح میں سب سے پہلے منصبِ نبوت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملا ہے' اور پھر اسی جگہ لکھتے ہیں:

'آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب انبیاء کے آخر میں منصبِ نبوت پر فائز ہوئے ہیں'۔

(ختمِ نبوت از مفتی محمد شفیع صاحب صفحہ نمبر ۱۰۲۔۱۰۳ حاشیہ، نیا ایڈیشن شائع کردہ ادارۃ المعارف کراچی)

اب منصبِ نبوت کے ملنے اور منصبِ نبوت پر فائز ہونے میں فرق ہی کیا ہے؟ جو یہ کہا جائے کہ ایک سب سے پہلے ملا اور دوسرا سب انبیاء کے آخر میں۔

پھر اس پر آپ یہ حدیث بھی لائے ہیں:

انا اوّل النبیین فی الخلق و آخرھم فی البعث

ترجمہ از مفتی صاحب: مَیں پیدائش میں تمام انبیاء علیہم السلام سے پہلے تھا اور بعثت میں سب سے آخر میں۔

(ابن کثیر بر حاشیہ فتح البیان بحوالہ ختم نبوت از مفتی محمد شفیع صاحب صفحہ نمبر ۱۰۷ حاشیہ ، نیا ایڈیشن شائع کردہ ادارۃ المعارف کراچی)

جواب اوّل: آپ ﷺ کے اوّل النبیین ہونے سے ظاہر ہے کہ تمام انبیاء آپ کے بعد نبی بنائے گئے اور ان سب کا مقامِ نبوت پانا آپ ﷺ کے مقامِ خاتم النبیین کے تابع تھا اس تناظر میں 'بعثت میں سب سے آخر' فرمانے کا مقصود اسی فرق کا اظہار ہو سکتا ہے کہ اس بعثت میں آپ ﷺ کو ایسی شریعت عطا ہوئی ہے جو تا قیامت ممتد ہے اس لئے آپ ﷺ بطور صاحبِ شریعت اور مستقل نبی کے بعثت میں سب سے آخر میں ہیں۔

جواب دوم: یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آں ﷺ کے بعد دوبارہ آئیں گے۔ ان کی یہ دوبارہ بعثت اور ان کے بعد کسی اور نبی کا قیامت تک نہ آنا کیا ان کو بعثت میں سب سے آخری نبی نہیں بنا دے گا؟

بطور مثال اگر حضرت عیسیٰ نبی اللہ آج آسمان سے نازل ہو جائیں تو بعثت کے لحاظ سے آخری کون ہوگا؟ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو ۶۱۰ء میں مبعوث ہوئے یا منتظرین کے مطابق آئندہ کبھی مبعوث ہونے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

اگر خاتم النبیین کے معنی آخری نبی ہیں تو کیا اس طرح آخر پر آنے کے سبب حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم النبیین نہ ٹھہریں گے؟ ختمِ نبوت کی کوششوں کا یہ ماحصل؟ العجب!

۹۔ تیسری تاویل: حضرت عیسیٰ امت کے نبی نہ ہوں گے

پھر اگر آں حضرت ﷺ اس حدیث کے مطابق بعثت کے لحاظ سے سب سے آخری ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بطور نبی کیسے آئیں گے؟

ان کو جو کام بھی تفویض ہوگا اس کے لئے کوئی Status بھی ہوگا یا نہیں؟

اس حدیث کی رو سے نبی تو ممکن نہیں۔

اس صورتحال سے بچنے کی ایک یہ راہ نکالی گئی ہے کہ وہ نبی تو ہوں گے لیکن اس امت کے نبی نہ ہوں گے۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

'حضرت عیسیٰ علیہ السلام باوجود عہدۂ نبوت پر باقی رہنے کے اس امت کے لئے نبی ہو کر نہ آئیں گے بلکہ جس طرح پہلے بنی اسرائیل کے نبی تھے اسی عہدۂ نبوت پر رہوں گے'۔(ختمِ نبوت از مفتی محمد شفیع صاحب صفحہ نمبر ۳۵۱ ، نیا ایڈیشن شائع کردہ ادارۃ المعارف کراچی)

جواب اوّل:

یہ ایک عجیب صورتحال ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد آں حضرت ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق ہوگی۔ آپ قرآن و حدیث پر خود بھی عمل کریں گے اور لوگوں کو بھی اس پر چلائیں گے۔(ختمِ نبوت از مفتی محمد شفیع صاحب صفحہ نمبر ۴۶۸، نیا ایڈیشن شائع کردہ ادارۃ المعارف کراچی)

اور کتاب کے صفحات ۴۶۷۔۴۶۸ پر درج تفصیل کے مطابق کارہائے نمایاں انجام دیں گے جن میں درج ذیل شامل ہوں گے:

'تمام دنیا کا مسلمان ہو جانا'۔(ختمِ نبوت از مفتی محمد شفیع صاحب ضمیمہ نمبر ا صفحہ نمبر ۴۶۷، نیا ایڈیشن شائع کردہ ادارۃ المعارف کراچی)

'اسلام کے علاوہ تمام مذاہب کا مٹ جانا'۔(ختمِ نبوت از مفتی محمد شفیع صاحب ضمیمہ نمبر ا صفحہ نمبر ۴۶۸، نیا ایڈیشن شائع کردہ ادارۃ المعارف کراچی)

'اور لوگوں کی امامت کریں گے'۔(ختمِ نبوت از مفتی محمد شفیع صاحب صفحہ نمبر ۴۶۸، نیا ایڈیشن شائع کردہ ادارۃ المعارف کراچی)

ظاہر ہے کہ یہ سب لوگ مسلمان ہوں گے۔

ان سب کے باوجود وہ بنی اسرائیل کے نبی کیسے ہوں گے؟

جواب دوم: یہ تاویل جس حد تک مشکلات سے پُر ہے وہ ظاہر ہے۔ لیکن اس کے دور از کار ہونے کا اصل سبب اس کا بلا سند ہونا ہے۔ سلسلۂ نبوت اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہے جو وہ حسبِ ضرورت اپنی حکمتوں کے ماتحت عطا فرماتا ہے۔

اس سلسلہ میں انبیاء کا آنا اور گزر جانا ایک معمول ہے۔ خود قرآنِ کریم فرماتا ہے:

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آلِ عمران ۳:۱۴۵)

ترجمہ: یعنی گزر گئے اور مر گئے ان سے پہلے پیغمبر پس یقیناً وہ بھی مریں گے
(تفسیرِ مظہری از حضرت قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتیؒ، تشریحی ترجمہ از سیّد عبد الدائم جلالی جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۳۷۷ ناشر دارالاشاعت اردو بازار کراچی نمبر ۱)

پھر سلسلۂ موسویہ اور سلسلۂ محمدیہ دو علیحدہ سلسلے ہیں جن میں مشابہت اور مماثلت ضروری ہے لیکن وہ ایک نہیں دو ہیں اور اپنی اپنی حدود میں ہیں۔ ایک سلسلہ کے نبی کے اپنے مقررہ کام کی تکمیل کے بغیر اٹھا لیا جانا اور دو ہزار سے نامعلوم زائد سالوں کے بعد دوبارہ اسی منصب پر بھیج دیا جانا لیکن بجائے ان کاموں کی انجام دہی جس کے لئے وہ اوّل بار بھیجے گئے تھے کچھ اور کام کرنے لگنا یقیناً ایک ایسا معاملہ ہے جو بِلا کسی مضبوط سَنَد کے محض خیالی طور پر اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ قرآنِ کریم کی رو سے آپ کو تورات اور انجیل کی تعلیم دی گئی:

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ (آلِ عمران ۴۹:۳)

ترجمہ: اور وہ اُسے کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا اور تورات اور انجیل کی۔

اور آپ تورات کی تصدیق کے لئے بھیجے گئے تھے اور اس لئے کہ ان چیزوں میں سے جو حرام کردی گئی تھیں بعض حلال قرار دیں۔ جیسا کہ فرمایا:

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ
وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ (آلِ عمران ۵۱:۳)

ترجمہ: اور اس کے مصدق کے طور پر آیا ہوں جو تورات میں میرے سامنے ہے تاکہ مَیں ان چیزوں میں سے جو تم پر حرام کردی گئی تھیں حلال قرار دے دوں۔

پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ دوبارہ آنے پر وہ اپنے ان کاموں کو بھول کر اَور اَور کاموں میں لگ جائیں؟ آپ کو موسوی عبادات کو بجالانے کا حکم دیا گیا جیسا کہ فرمایا

وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا (مریم ۳۲:۱۹)

ترجمہ: اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تلقین کی ہے جب تک میں زندہ رہوں۔

جواب سوم: پھر قرآنِ کریم میں حضرت عیسیٰؑ نے اپنے بعد ایک رسول کی بشارت دی جس کا نام احمد ہوگا جیسا کہ فرمایا:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (الصّف ۷:۶۱)

ترجمہ: اور ایک عظیم رسول کی خوشخبری دیتے ہوئے جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔

دوبارہ آمد پر اس پیش گوئی کا کیا ہوگا۔ کیا آپ کے اس دوسری آمد کے بعد پھر ایک اور نبی بنام احمد آئے گا یا یہ آیت منسوخ سمجھی جائے گی اور کس کے حکم سے؟

غرضیکہ جو راہ نکالنے کی کوشش کی گئی ہے وہ مزید بند گلیوں میں کھلتی ہے اور مسئلہ حل نہیں ہوتا۔

۱۰۔ چوتھی تاویل ۔حضرت عیسیٰ کا نزول نبی کی حیثیت میں نہ ہوگا

مولوی مودودی صاحب نے اس مسئلہ سے پہلوتہی کے لئے ایک نئی راہ اختیار کی ہے وہ لکھتے ہیں:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ دوبارہ نزول نبی کی حیثیت سے نہیں ہوگا نہ ان پر وحی نازل ہوگی۔۔۔ وہ صرف ایک کارِ خاص کے لئے بھیجے جائیں گے۔
(ختم نبوت از مولوی مودودی صاحب صفحہ نمبر ۵۸ شائع کردہ اسلامک پبلیکیشنز لاہور مارچ ۱۹۶۲ء)

جواب: یہ تحریر اس قرآنی ارشاد کے صریح خلاف ہے جس میں حضرت عیسیٰؑ اپنے نبی ہونے کا یہ ذکر فرمایا ہے:

وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا (مریم ۳۱:۱۹)

ترجمہ: اور (اللہ نے) مجھے نبی بنایا ہے۔

اور درج ذیل حدیث کے بھی برخلاف ہے جن میں آنے والے مسیح کو چار بار نبی اللہ کہا گیا:

و یحصر نبی اللہ عیسیٰ و اصحابہ... فیرغب نبی اللہ.. ثم یھبط.. عیسیٰ و اصحابہ.. فیرغب نبی اللہ عیسیٰ و اصحابہ الی اللہ

(صحیح مسلم جلد نمبر ۴ کتاب الفتن مطبۃ دار لاحیاء الکتب العربیہ ایڈیشن 1918ء)

ترجمہ: اور خدا کا پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے اصحاب گھرے رہیں گے۔۔۔ پھر خدا کے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھی دعا کریں گے۔۔۔ پھر خدا کے رسول عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھی زمین پر اتریں گے۔۔۔ پھر خدا کے رسول عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھی خدا سے دعا کریں گے
(صحیح مسلم شریف مع مختصر شرح نووی مترجم علامہ وحید الزمان حیدرآبادی صفحہ نمبر ۴۶۰، ناشر

خالد احسان پبلشرز لاہور۔نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور پاکستان)

اور اس حدیث کے بھی برخلاف جس میں ان پر وحئ الٰہی کے نزول کی خبر دی گئی:

أَوْحَى اللهُ إِلَىٰ عِيسَىٰ (صحیح مسلم کتاب الفتن وشرائط الساعۃ جلد نمبر ۴ صفحہ نمبر ۲۲۵۳ مطبۃ داراحیاء الکتب العربیہ سن اشاعت ۱۹۱۸ء)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجے گا۔

(صحیح مسلم شریف مع مختصر شرح نووی مترجم علامہ وحید الزمان حیدرآبادی صفحہ نمبر ۴۶۰، ناشر خالد احسان پبلشرز لاہور۔نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور پاکستان)

غرضیکہ الٰہی روشنی کے بغیر اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے اور اپنی عقل سے راہیں تجویز کرنا یونہی بے نتیجہ رہتا ہے۔

۱۱۔پرانا نبی آ سکتا ہے ؟

ان سب تاویلوں میں قدرِ مشترک یہ موقف ہے کہ آنحضرت ﷺ پر نبوت ختم ہو گئی ہے اس لئے اب کوئی نیا اور جدید نبی نہیں بنایا جا سکتا لیکن کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پرانے نبی ہیں اس لئے وہ اس پابندی سے مبرا ہیں اور آ سکتے ہیں۔

جواب: یہ مؤقف بھی آنحضرت ﷺ کے درج ذیل ارشاد کے مطابق درست نہیں رہتا

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ مجھے اس امت (یعنی امت محمدیہ) کا نبی بنا دے تو اس خواہش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا:

نبیهامنها قال اجعلنی من امة ذلك النبی قال استقدمت و استأخر

(بالخصائص الکبریٰ از حضرت امام جلال الدین سیوطی ؒ زیر حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جزو اوّل صفحہ نمبر ۱۲ ناشر مکتبۃ النوریہ الرضویہ لائل پور پاکستان)

مفتی صاحب نے اس حدیث کو خصائص کے علاوہ حلیہ از ابو نعیم ؒ سے بھی دہرایا ہے اور اس کے ترجمہ اور تشریح میں لکھا ہے۔

ترجمہ از مفتی صاحب: 'اس امت کا نبی خود انہیں میں سے ہوگا (آپ نہیں ہو سکتے) پھر موسیٰ ؑ نے عرض کیا مجھے اس نبی (محمد ﷺ) کی امت بنا دیا جائے تو ارشاد ہوا آپ اُن سے پہلے آئے ہیں اور وہ بعد میں تشریف لائیں گے (اس لئے امت بھی نہیں ہو سکتے)'۔

اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

'اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ جیسا اولوالعزم پیغمبر بھی اس امت کا نبی نہیں بن سکتا'۔

(ختمِ نبوت از مفتی محمد شفیع صاحب صفحہ نمبر ۳۲۷، نیا ایڈیشن شائع کردہ ادارۃ المعارف کراچی)

اب اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر اس لئے آں حضرت ﷺ کی امت کے نبی نہیں ہو سکتے کہ اس امت کا نبی خود انہیں میں سے ہوگا' اور نہ امتی ہو سکتے ہیں کیونکہ: 'وہ پہلے آئے اور آنحضرت ﷺ بعد میں' تو پھر یہ دونوں باتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے کیوں کر درست ہو سکتی ہیں؟ پس اس حدیثِ رسول ﷺ کے مطابق نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امتِ محمدیہ کے نبی ہو سکتے ہیں اور نہ اس امت کے امتی۔

۱۲۔خلاصۂ کلام:

نویں باب میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ بیشتر بزرگان اور اہلِ علم نے مقام خاتم النبیین کے درست معنوں کو اختیار کیا ہے اور اس کے تحت آپ ﷺ کو نبیوں کی مہر اور افضل النبیین لکھا ہے یا آخری کے معنی منتہائے کمالاتِ نبوت اور آخری تشریعی نبی کے کئے ہیں۔نیز آپ ﷺ کے بعد امت میں بروزی ،ظلی اور امتی نبوت کا راستہ کھلا رکھا ہے۔اسی طرح مندرجہ بالا مضمون میں ہم نے مستند بزرگان امت کی یہ وضاحت دیکھی ہے کہ امت میں آنے والا موعود عیسیٰ بن مریم کے مشترک نام ہونے کے باوجود بجنسہٖ پرانے والے حضرت عیسیٰ ؑ نہیں بلکہ امت میں میں پیدا ہونے والا ایک علیحدہ وجود ہوگا۔جو اللہ سے آں حضرت ﷺ کے تابع امتی نبوت کا مقام پائے گا اور آں حضرت ﷺ کے ایک خادم کے طور پر دجال کے فتنہ کا کامیاب مقابلہ کر کے تمام ادیان پر غلبۂ اسلام کے مشن کی تکمیل کرے گا۔

یہی توجیہ اور وضاحت آنحضرت ﷺ کے عظیم الشان مقام خاتم النبیین اور نزول حضرت عیسیٰ ابن مریم ؑ کی پیشگوئی کے تمام اجزاء کو مربوط طور پر باہم جوڑ کر ان کی تطبیق کرتی ہے اور کوئی اشتباہ باقی نہیں چھوڑتی۔



کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر

(انجینئر محمود مجیب اصغر)



بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے

میں تھا غریب و بیکس و گمنام و بے ہنر
کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر
لوگوں کی اس طرف کو ذرا بھی نظر نہ تھی
میرے وجود کی بھی کسی کو خبر نہ تھی
اب دیکھتے ہو کیسا رجوع جہاں ہوا
اک مرجع خواص یہی قادیاں ہوا

QADIAN

HOME OF THE AHMADIYA SECT OF THE MUSLIMS, FOUNDED AT THE END OF THE 19th C BY SHEIKH AHMAD QADIANI, THE AHMADIYA MOSQUE AND TOMB OF THE FOUNDER, OPITOMISES THE SPIRIT OF THE PLAN. PEOPLE OF THE AHMADIYA SECT FROM ALL AROUND THE WORLD CONGREGATE HERE IN THE LAST WEEK OF DECEMBER.

(Punjab Heritage and Tourism Promotion Board)

بعثت مسیح موعود

خاتم الخلفاء حضرت مسیح موعود اور مہدی معہود مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوۃ والسلام کی بعثت چودھویں صدی ہجری کے سر پر قادیان میں ہوئی جس طرح بارش سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں اسی طرح تیرھویں صدی ہجری کے بعض اولیاء نے خدا سے خبر پا کر پنجاب میں اگلی صدی کے مجدد اور مہدی کے ظہور، قادیان میں نور اترنے اور قادیان میں عیسیٰ کے پیدا ہونے کی واضح خبریں دی ہیں۔

سلطان الاولیاء حضرت سید امیر صاحب المعروف حضرت جی صاحب کوٹھہ (1210ھ تا 1295ھ)

ان کی سوانح حیات پر صاحبزادہ بک فاؤنڈیشن کوٹھہ ضلع صوابی/مردان نے کتاب شائع کی ہے اس میں تفصیل سے اس پیشگوئی کا ذکر ہے۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا

1)۔ گفتہ بندہ گفت خدا (اب ہم کسی اور کے دور میں ہیں)

چنانچہ حضرت جی صاحب کے خلیفہ حافظ نور محمد نقشبندی اصل متوطن گڑھی امازئی حال مقیم کوٹھہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جی صاحب ایک دن وضو کر رہے تھے اور میں روبرو بیٹھا تھا فرمانے لگے کہ ہم اب کسی اور کے زمانہ میں ہیں میں اس بات کو نہ سمجھا اور عرض کیا کہ کیوں حضرت اس قدر معمر ہو گئے ہیں اور اب آپ کا زمانہ چلا گیا ابھی آپ کے ہم عمر لوگ بہت تندرست ہیں اپنے دنیوی کام کرتے ہیں، فرمانے لگے کہ تو میری بات کو نہ سمجھا میرا مطلب تو کچھ اور ہے پھر فرمانے لگے کہ جو خدا کی طرف سے ایک بندہ تجدید دین کے لئے مبعوث ہوا کرتا ہے وہ پیدا ہو گیا ہے ہماری باری چلی گئی میں اس لئے کہتا ہوں کہ ہم کسی اور زمانے میں ہیں میں نے پوچھا نام کیا ہے؟ تو فرمایا کہ نام نہیں بتاؤں گا مگر اس قدر بتلاتا ہوں کہ زبان اس کی پنجابی ہے۔“

(سوانح حیات صفحہ 289 تا 291)

2)۔ چہ مہدی پیدا شوے او وقت ظہور نہ دے

ایک دوسرے موقع پر حضرت صاحب کے خاص خلیفہ مولانا حمید اللہ حمید (سوات) بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ہمارے مرشد حضرت صاحب کوٹھہ والے فرمانے لگے کہ مہدی پیدا ہو گیا ہے لیکن ابھی ظاہر نہیں ہوا اس بات کو سن کر فضیلت پناہ مولوی محمد یحیٰ اخونزادہ اس بات پر مصر ہوئے کہ اس بیان کو خدا

تعالیٰ کی قسم کھا کرتحریر کریں پس بحکم آیت ولا تکتمو ا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ آثم قلبہ (یعنی تم گواہی نہ چھپاؤ اور جو کوئی بھی اسے چھپائے گا تو یقینا اس کا دل گنہگار ہو جائے گا البقرہ آیت 284) خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر لکھتا ہوں کہ حضرت صاحب کوٹھہ ایک دو سال اپنی وفات سے پہلے یعنی 1292ھ یا 1293ھ میں اپنے چند خواص میں بیٹھے ہوئے تھے اور ہر ایک باب سے معارف اور اسرار میں گفتگو شروع تھی ناگاہ مہدی (مجدد) کا تذکرہ درمیان آ گیا فرمانے لگے کہ مہدی (مجدد) پیدا ہو گیا ہے ان کے منہ سے یہ الفاظ افغانی زبان میں نکلے تھے

چہ مہدی پیدا شوے دے او وقت ظہور نہ دے

یعنی مہدی پیدا ہو گیا ہے لیکن ابھی ظاہر نہیں ہوا

بعد اس کے حضرت موصوف نے سلخ ذی الحجہ 1294ھ میں وفات پائی (سوانح حیات ،صفحہ 291)

ان روایات پر مشتمل ایک خط مولوی حکیم محمد یحی صاحب اخوان زادہ نے دیپگراں (مانسہرہ) نے حضرت مسیح موعود کی خدمت میں لکھا ایسا ہی ایک خط مولوی حمید اللہ صاحب ملاسوات نے لکھا یہ خطوط تحفہ گولڑویہ میں شامل ہیں

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی بعثت پر یہ روایات آپ تک قادیان پہنچیں اور آپ نے اپنی کتاب "تحفہ گولڑویہ" میں تفصیل کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے "...دوسرے صاحب جو اپنا بلا واسطہ سننا بیان کرتے ہیں وہ ایک بزرگ معمر حضرت کوٹھہ صاحب کے بیعت کرنے والوں میں سے اور ان کے خاص رفیقوں میں سے ہیں جن کا نام حافظ نور محمد ہے اور وہ متوطن موضع گڑھی امازئی ہیں اور ان دنوں میں کوٹھہ میں رہا کرتے تھے"

(تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 145 حاشیہ)

" میاں صاحب کوٹھہ والے جو مولوی عبد اللہ صاحب کے مرشد تھے قریب موت کے وصیت کر گئے کی پنجاب میں عنقریب مہدی ظاہر ہونے والا ہے بلکہ پیدا ہو چکا ہے اور اب ہم اس کے زمانہ میں ہیں"

(تحفہ غزنویہ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 564_565)

یہ روایات کرنے والے بیشتر لوگ حضرت مسیح موعود کے صحابہ میں شامل ہوئے اور انہیں یا ان کی اولادوں کو نمایاں خدمت دین کی توفیق ملی چنانچہ

حافظ نور محمد صاحب کے بیٹے شمش الدین خان سالھا سال تک صوبہ سرحد حال خیبر پختونستان کے صوبائی امیر رہے ہیں ان کا بہت بڑا احمدی خاندان بھی ان روایات کا مرہون منت ہے

حضرت عبد اللہ غزنوی صاحب (1811ء تا 1881ء)

قادیان میں نور اترا ہے

"ایک بزرگ غایت درجہ کے صالح جو مردان خدا میں سے تھے اور مکالمہ الہیہ کے شرف سے بھی مشرف تھے اور بمرتبہ کمال اتباع سنت کرنے والے اور تقوی اور طہارت کے جمیع مراتب اور مدارج کو ملحوظ اور مرعی رکھنے والے تھے اور ان صادقوں اور راستبازوں میں سے تھے جن کو خدائے تعالی نے اپنی طرف کھینچا ہوا ہوتا ہے اور پرلے درجہ کے معمور الاوقات اور یاد الہی میں محو اور غریق اور اسی راہ میں کھوئے گئے تھے جن کا نام نامی عبد اللہ غزنوی تھا۔"

(ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد سے جلد سوم صفحہ 143 حاشیہ)

"ان کو خدا تعالی کی طرف سے الہام ہوا کہ یہ عاجز من جانب اللہ مامور ہونے والا ہے اور انہوں نے کئی خط لکھے اور اپنے الہامات متبرکہ ظاہر کئے اور بعض لوگوں کے پاس اس بارے میں بیان بھی کیا اور عالم کشف میں بھی اپنی یہ مراد ظاہر کی" (ایضاً صفحہ 264)

"ازانجملہ بعض مکاشفات مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی کے ہیں...آج کی تاریخ 17 جون 1891ء سے عرصہ چار ماہ کا گزرا ہے کہ حافظ محمد یوسف صاحب جو ایک مرد صالح ہے بے ریا متقی اور متبع سنت اور اول درجہ کے رفیق اور مخلص مولوی عبد اللہ صاحب کے غزنوی ہیں وہ قادیان میں اس عاجز کے پاس آئے اور باتوں کے سلسلہ میں بیان کیا کہ مولوی عبد اللہ صاحب مرحوم نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے اپنے کشف سے ایک پیشگوئی کی تھی کہ ایک نور آسمان سے قادیان کی طرف نازل ہوا مگر افسوس کہ میری اولاد اس سے محروم رہ گئی" (ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 93 صفحہ 479)

"منشی محمد یعقوب جو حافظ محمد یوسف کا بھائی ہے اس نے قسم کھائی اور رو رو کر مجھے مخاطب کر کے بیان کیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم سچے ہو کیونکہ میں نے مولوی عبد اللہ غزنوی سے سنا ہے کہ ایک خواب کی تعبیر کے موقع پر انہوں نے

آپ کی تصدیق کی اور کہا کہ ایک نور آسمان سے اترا ہے اور وہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے" (تحفہ غزنویہ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 546) اسی کتاب کے میں لکھا ہے"....حافظ محمد یوسف داروغہ انہار نے..ایک بڑی جماعت میں جو سو کے قریب آدمی تھا گواہی دی کہ مولوی عبداللہ صاحب نے ایک کشف اپنا مجھے سنایا ہے کہ ایک نور آسمان سے گرا اور وہ قادیان پر نازل ہوا اور میری اولاد اس سے محروم رہ گئی یعنی وہ لوگ اس کو قبول نہیں کریں گے اور مخالف ہو جائیں گے اور اس فیض سے بے نصیب رہ جائیں گے" (ایضاً صفحہ 565-566)

میاں گلاب شاہ مجذوب کی پیشگوئی جیسا کہ میاں کریم بخش نے قسم کھا کر بیان کی عیسی جو آنے والا ہے وہ پیدا ہو گیا ہے اور وہ قادیان میں ہے

"ایک بزرگ گلاب شاہ نامی موضع جمال پور ضلع لدھیانہ میں گزرے ہیں جن کے خوارق اس طرف بہت مشہور ہیں انہوں نے چند لوگوں کے پاس اپنا یہ کشف بیان کیا جن میں سے ایک بزرگ کریم بخش نامی (خدا ان کو غریق رحمت کرے) پرہیزگار موحد معمر سفید ریش کو میں نے دیکھا ہے اور انہوں نے نہایت رقت سے چشم پر آب ہو کر کئی جلسوں میں میرے روبرو اس زمانہ میں جب کہ چودھویں صدی میں سے ابھی آٹھ برس گزرے تھے یہ گواہی دی کہ مجذوب گلاب شاہ صاحب نے آج سے تیس برس پہلے یعنی اس زمانہ میں جب کہ یہ عاجز قریباً 20 سال کی عمر کا تھا خبر دی تھی کہ عیسی جو آنے والا تھا وہ پیدا ہو گیا ہے اور وہ قادیان میں ہے میاں کریم بخش کا بیان ہے کہ میں نے کہا کہ حضرت عیسی تو آسمان سے اتریں گے وہ کہاں پیدا ہو گیا؟ تب اس نے جواب دیا کہ جو آسمان پر بلائے جاتے ہیں وہ واپس نہیں آیا کرتے ان کو آسمانی بادشاہت مل جاتی ہے وہ اس کو چھوڑ کر واپس نہیں آتے بلکہ آنے والا عیسی قادیان مین پیدا ہوا ہے"

(تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 148-149 حاشیہ)

حضرت مسیح موعود نے اپنی کتاب ازالہ اوہام اور نشان آسمانی وغیرہ میں بھی اس کی تفصیل بیان کی ہے

(دیکھیں روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 481-482 جلد 4 صفحہ 381-385)

حضرت میاں کریم بخش صاحب جمال پور ضلع لدھیانہ نے اس سلسلے میں اپنا حلفیہ بیان 14 جون 1891ء روز شنبہ دیا

حضرت میاں صاحب (بیعت 25 ستمبر 1891ء) کو حضرت مسیح موعود نے 313 صحابہ کی فہرست میں 295 نمبر پر شمار کیا ہے

واصلان حق

"بعض واصلان حق نے میرے زمانہ بلوغ سے بھی پہلے میرا اور میرے گاؤں کا نام لے کر میری نسبت پیشگوئی کی ہے کہ وہی مسیح موعود ہے اور بہتوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے خواب میں دیکھا اور آپ نے فرمایا کہ یہ شخص حق پر ہے اور ہماری طرف سے ہے چنانچہ پیر جھنڈے والا سندھی نے جن کے مرید لاکھ سے بھی زیادہ ہوں گے اپنا کشف اپنے مریدوں میں شائع کیا اور دیگر صالح لوگوں نے بھی دو سو مرتبہ سے بھی کچھ زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف لفظوں میں اس عاجز کے مسیح موعود ہونے کی تصدیق کی"

(اربعین روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 463-464)

مکہ مدینہ اور قادیان

"کشفی طور پر میں نے دیکھا کہ میرے بھائی صاحب مرحوم میرزا غلام قادر میرے قریب بیٹھ کر باآواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے پڑھتے انہوں نے ان فقرات کو پڑھا کہ انا انزلنہ قریباً من القادیان تو میں نے سن کر تعجب کیا کہ کیا قادیان کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے؟ تب انہوں نے کہا کہ یہ دیکھو لکھا ہوُا ہے تب میں نے نظر ڈال کر جو دیکھا تو معلوم ہوُا کہ فی الحقیقت قرآن شریف کے دائیں صفحہ میں شاید قریب نصف کے موقع پر یہی الہامی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے تب میں نے دل میں کہا کہ ہاں واقعی طور پر قادیان کا نام قرآن شریف میں درج ہے اور میں نے کہا کہ تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے مکہ اور مدینہ اور قادیان یہ کشف تھا" (ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 140 حاشیہ)

اک مرجع خلائق یہی قادیاں ہوا

"تیرھویں پیشگوئی وہ ہے جو براہین احمدیہ کے صفحہ 241 میں لکھی گئی ہے اور وہ یہ ہے

الا ان نصر اللہ قریب _ یاتیك من کل فج عمیق _ یاتون من

کل فج عمیق

یعنی خدا کی مدد تجھے دور دور سے پہنچے گی اور لوگ دور دور سے تیرے پاس آئیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا ہمارے مخالف بھی مانتے ہیں کہ ہندوستان کے کناروں تک ہمارے سلسلہ کے مددگار موجود ہیں اور پشاور سے لے کر بمبئی اور مدراس اور کلکتہ تک لوگ دود دور کا سفر اٹھا کر قادیان میں پہنچتے ہیں اور یہ پیشگوئی سترہ سال کی ہے اور اس وقت لکھی تھی کہ جب اس رجوع خلائق کا نام و نشان نہ تھا۔''

(سراج منیر اشاعت 1897ء روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 42)

بھیرہ کو قادیان سے نسبت

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو بھیرہ سے حضرت مولوی نورالدین رضی اللہ عنہ سمیت صحابہ کی کثیر تعداد عطا فرمائی

حضرت مفتی محمد صادق صاحب بھی بھیرہ سے تھے وہ بیان فرماتے ہیں کہ" ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام شہر بھیرہ میں منڈی میں جارہے ہیں جس کو وہاں گنج کہتے ہیں جب یہ خواب میں نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کیا تو حضرت صاحب نے فرمایا

''※ بھیرہ کو قادیان سے ایسی ہی مناسبت ہے جیسے کہ مدینہ کو مکہ سے کیونکہ بھیرہ سے ہم کو نصرت پہنچی ہے''(ذکر حبیب صفحہ 163-164)"

مسیح موعود اور قادیان کی محبت کی وجہ سے بھیرہ کے کئی صحابہ ہجرت کر کے مستقل طور پر قادیان چلے گئے اور انہیں حضرت مسیح موعود کا دست و بازو بن کر غیر معمولی خدمت دین کی توفیق ملی ان کی حالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ کی مانند ہے جن کے متعلق حضرت مسیح موعود نے فرمایا

وقد اقتفاك اولو النهى و بصدقهم

ودعوا تذكر معهد الاوطان

یعنی دانش مندوں نے پیروی کے لئے تجھے منتخب کرلیا اور اپنے صدق کی وجہ سے انہوں نے اپنے وطنوں کی یادگاروں کو بھی ترک کر دیا

ان میں سرفہرست حضرت مولوی نور الدین (خلیفۃ المسیح الاول)، حضرت حکیم فضل دین، حضرت مفتی محمد صادق، حضرت مفتی فضل الرحمٰن، حضرت قاضی امیر حسین اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے رضاعی بھائی حضرت حافظ غلام محی الدین ہیں

حضرت خلیفۃ المسیح الاول نے ایک بار فرمایا

''تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ میں اگر شہر میں رہوں تو بہت روپیہ کما سکتا ہوں لیکن کیوں ان ساری آمدنیوں پر قادیان کے رہنے کو ترجیح دیتا ہوں؟ اس کا مختصر جواب میں یہی دوں گا کہ میں نے یہاں وہ دولت پائی ہے جو غیر فانی ہے جس کو چور اور قزاق نہیں لے سکتا مجھے وہ ملا ہے جو تیرہ سو برس کے اندر آرزو کرنے والوں کو نہیں ملا.....میں سچ کہتا ہوں کہ اگر کوئی ایک لاکھ کیا ایک کروڑ روپیہ یومیہ بھی دے اور قادیان سے باہر رکھنا چاہے میں نہیں رہ سکتا ہاں امام علیہ السلام کے حکم کی تعمیل میں! پھر خواہ مجھے ایک کوڑی بھی نہ ملے! پس میری دولت، میرا مال، میری ضرورتیں اسی امام کے اتباع تک ہیں! اور دوسری ساری ضرورتوں کو اس ایک وجود پر قربان کرتا ہوں!۔''

(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ 132)

قادیان کے متعلق میرے آباؤ اجداد اور میری زندہ اور خوشگوار یادیں

یہ اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر، فضل اور احسان ہے کہ میرے آباؤ اجداد بھی بھیرہ کے صحابہ میں سے تھے میرے والد صاحب اور ہم سب بہن بھائیوں کی (ایک بہن کے سوا) پیدائش بھی بھیرہ کی ہے۔

1898ء سے قادیان کے ساتھ ہماری زندہ اور خوشگوار یادیں وابستہ ہیں جن کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے

1898ء

سن 1898ء میں میرے دادا حضرت حاجی میاں عبدالرحمن صاحب بھیروی (1874ء-1924ء) کو قادیان جا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی دستی بیعت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ سن کر ان کے والد یعنی میرے پڑدادا حضرت میاں الہ دین صاحب (1852ء 1905ء) قدرے غصے میں قادیان جا پہنچے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی مجلس عرفان میں حضور کا روشن چہرہ ہی دیکھ کر بول اٹھے کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے" بعض سعید ایسے بھی ہیں کہ

چہرہ دیکھ کر پہچان جاتے ہیں کہ یہ کذاب اور مکار کا چہرہ نہیں" (لیکچر سیالکوٹ)
چنانچہ انہوں نے بھی فوراً بیعت کر لی اس وقت میرے دادا جان کی عمر 24 سال اور پڑ دادا جان کی عمر 46 سال کی تھی دادا جان اپنے والد کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔

حضرت مسیح موعود کی کتاب تریاق القلوب روحانی خزائن جلد 15 کے صفحہ 188 پر لیکھرام کی پیشگوئی پوری ہونے کے سلسلہ میں پڑ دادا صاحب کا نام بھی بطور گواہ درج ہے

"نمبر 191 الہ دین بھیرہ ضلع شاہ پور"

میرے والد میاں فضل الرحمن بسمل لکھتے ہیں:

''پھر باپ بیٹا حضرت مولوی نور الدین صاحب کے پاس چند دن رہ کر خوشی خوشی واپس بھیرہ آئے اور سارے خاندان کی طرف سے بیعت کے خطوط لکھوائے والد صاحب کے دو بھائی حاجی فضل الٰہی صاحب و نور الٰہی صاحب عالم شباب میں تھے حضرت والد صاحب کے ذریعہ ان کے ہم زلف نیک محمد صاحب اور ہمارے ماموں نور محمد صاحب بھی احمدی ہوئے تھے اور بھی بہت سے لوگوں کو تبلیغ کرتے رہے..آپ نے ایک تبلیغی اشتہار بھی شائع کیا۔''
(بھیرہ کی تاریخ احمدیت صفحہ 74_75)

کاش وہ مامور کا چہرہ دیکھتے

حضرت خلیفۃ المسیح الاول نے حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے خطبہ نکاح میں فرمایا:" دیکھو خدا تعالیٰ کا مامور ہمارے سامنے موجود ہے اور خود اس مجلس میں موجود ہے ہم اس کے چہرہ کو دیکھ سکتے ہیں یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ ہزاروں ہزار ہم سے پہلے گزرے جن کی دلی خواہش تھی کہ وہ اس کے چہرے کو دیکھ سکتے پر انہیں یہ بات حاصل نہ ہوئی اور ہزاروں ہزار اس زمانہ کے بعد آئیں گے جو یہ خواہش کریں گے کہ کاش وہ مامور کا چہرہ دیکھتے، پر ان کے واسطے یہ وقت پھر نہ آئے گا۔''(خطبات نور صفحہ 239)

پس ہمارے دادا پڑ دادا بھی ان خوش نصیب لوگوں میں سے تھے جنہیں مامور کا چہرہ دیکھنے اور اس کی دستی بیعت کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ایک مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے مجھے تحریر فرمایا

''بڑی خوشی ہوئی کہ آپ کے دادا پڑ دادا بھی صحابی تھے ماشاء اللہ چشم بددور بڑا مقدس خون ہے جو آپ کے اندر موجیں مار رہا ہے۔''

1911ء/1912ء

میرے والد ماسٹر فضل الرحمن بسمل بی اے بی ٹی (1909ء تا 10 جنوری 1993ء) پیدائشی احمدی تھے انہیں پہلی دفعہ بچپن میں اپنے والدین کے ساتھ قادیان جلسہ سالانہ قادیان پر جانے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی والد صاحب لکھتے ہیں

''..مجھے خواب کی طرح یاد ہے کہ 1911ء یا 1912ء کے جلسہ سالانہ پر ہمارا سارا کنبہ قادیان گیا تھا اور حضور (خلیفۃ المسیح الاول) کے ہاں قیام کیا تھا مجھے حضور کی زیارت بھی ہوئی تھی پھر جب ہم قادیان جاتے تھے تو حضرت اماں جی کے لئے تحائف لے جاتے تھے حضرت اماں جی ہمیں دعائیں دیتی تھیں۔''
(بھیرہ کی تاریخ احمدیت صفحہ 75_76)

19261924ء

تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان

ہمارے دادا جان اپنی والدہ اور دو بھائیوں کو لے کر 1924ء میں حج پر تشریف لے گئے حج کی ادائیگی کے بعد ان کی والدہ الحاجہ فاطمہ بی بی صاحبہ مکہ میں وفات پا گئیں اور اسی پاک سرزمین مکہ میں سپرد خاک ہوئیں مدینہ جانے کے انتظار میں ہمارے دادا حاجی عبد الرحمن صاحب حضرت سیٹھ ابو بکر یوسف صاحب کے پاس جدہ میں رک گئے جہاں اکثر احمدی حجاج ٹھہرتے تھے لیکن دسویں روز دادا جان بھی۔(50 سال کی عمر) میں راہی ملک بقاء ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون والد صاحب اس وقت گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ میں نویں جماعت میں پڑھتے تھے ان حالات میں ان کے بڑے بھائی میاں عطا الرحمن صاحب والد صاحب کو قادیان چھوڑ آئے جہاں 1926ء میں والد صاحب نے تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سے میٹرک پاس کیا۔

حضرت مصلح موعود کے ساتھ گروپ فوٹو

والد صاحب لکھتے ہیں:

''بندہ نے ٹی آئی ہائی سکول قادیان سے 1926ء میں میٹرک پاس کیا دسویں جماعت کی الوداعی پارٹی کے موقعہ پر کلاس کا فوٹو لیا گیا حضرت امیر

المومنین خلیفۃ المسیح الثانی نے بھی از راہ شفقت شرکت فرمائی تھی بندہ حضور کے قدموں کے قریب بیٹھا تھا۔''

(بھیرہ کی تاریخ احمدیت صفحہ 80)

یہ تاریخی گروپ فوٹو معجزانہ طور پر والد صاحب کے ایک کلاس فیلو مکرم عبد الرحمن شاکر صاحب کے گھر سے مل گیا ہے جو مخزن تصاویر میں شامل ہے اور لف ھذا ہے۔


فوٹو مورخہ۔ ۸ مارچ ۱۹۲۶ء میٹرک کلاس (قادیان)

کھڑے ہوئے دائیں سے بائیں
احمد دین ا، ناظر حسین، ناصر الدین، سید عبد القیوم، محمد یعقوب، داؤد علی عرفانی، عبد الرحمن شاکر، غلام محمد کھاریاں، فتح محمد، اختر احمد، محمد یوسف مالو کے بھگت، اعجاز احمد، غیور احمد، مشتاق احمد، عبد الرحیم چکوالی، عبد الواحد حیدر آبادی، محمد احمد کھاریاں، محمد شفیع، قاضی رفیق، نامعلوم، مستقیم

کرسیوں پر بیٹھے ہوئے
ماسٹر نور الٰہی، بی ٹی صاحب، میاں شریف احمد صاحب، مولوی محمد دین، ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب، خلیفہ رشید الدین، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی، میاں بشیر احمد صاحب، قاضی عبد اللہ صاحب، چوہدری غلام محمد صاحب،

بیٹھے ہوئے پیر خلیل احمد، محمد اسحاق، قریشی محمد احسن، نامعلوم، محمد عقیل، فضل الرحمن بسمل (حضرت خلیفہ ثانی کے قدموں میں) غلام مرتضیٰ، نامعلوم، محمد سعید، نامعلوم۔

جلسہ سالانہ قادیان 1934ء

والد صاحب کو اپنی زندگی میں کئی بار جلسہ سالانہ قادیان میں شامل ہونے کی توفیق ملی 1934ء کا جلسہ سالانہ قادیان ماہ رمضان میں تھا والد صاحب نے اس جلسہ کی یاد میں ایک نظم لکھی تھی جس کا پہلا شعر یہ ہے

اللہ کی رحمت ہے یہ جلسہ سالانہ
اس مرتبہ رمضان میں ہے فیضان ہے دوگانہ

1943ء

والد صاحب کی قادیان میں حضرت مصلح موعود کے ساتھ ایک تاریخی ملاقات اور دعائے مستجاب

میرے والد صاحب بیان کرتے ہیں

"1943ء کی بات ہے کہ گرمیوں کے موسم میں یہ عاجز کسی کام سے بھیرہ سے لاہور گیا جی میں آیا کہ

قادیان دار الامان

جا کر اپنے آقا کے دیدار سے دل کو ٹھنڈک پہنچاؤں اور کوئی غرض و غایت نہ تھی دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں پہنچ کر ملاقات کے لئے وقت ملنے کی درخواست پیش کر دی نام درج ہو گیا دل شوق زیارت سے بیتاب ہو رہا تھا آخر خوش بختی نے میرا ساتھ دیا باریابی کی اجازت ملنے پر بصد شوق دیدار حبیب کے لئے آگے بڑھا دل میں اپنے آقا کی عظمت اور اپنی بے بضاعتی اور احساس کمتری کے پیش نظر یہی ارادہ تھا کہ آپ کے پاؤں میں بیٹھنے کی سعادت حاصل کروں گا اور سلام و نیاز عرض کر کے دعا کی درخواست کروں گا لیکن ہوا یہ کہ میرے حاضر ہونے پر حضور پرنور اپنی کرسی سے اٹھ کھڑے ہو گئے میں نے بصد ادب سلام مسنون عرض کیا اور مصافحہ کا شرف حاصل کیا دل یہ چاہتا تھا کی حضور اپنی کرسی مبارک پر تشریف فرما ہوں تو میں آپ کے پاؤں میں بیٹھنے کی سعادت حاصل کروں گا لیکن ہوا یہ کہ میرے حاضر ہونے پر حضور پر نور اپنی کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے

دل یہ چاہتا تھا کہ حضور اپنی کرسی مبارک پر تشریف فرما ہوں تو میں آپ کے پاؤں میں بیٹھ جاؤں اور دل کی پیاس بجھاؤں مگر حضور نے پاس پڑی کرسی پر بیٹھنے کا ارشاد فرمایا اس وقت میری عجیب کیفیت تھی پھر خیال آیا کہ تعمیل ارشاد بھی ضروری ہے حضور تو اخلاق فاضلہ کے پیش نظر مہمان کو بٹھا کر ہی خود تشریف فرما ہوں گے اس خیال کے آتے ہی بندہ ہیچمدان فوراً کرسی پر بیٹھ گیا تا کہ حضور کو مزید کھڑا رہنے کی تکلیف نہ ہو چنانچہ حضور پر نور بھی کرسی پر تشریف فرما ہو گئے۔

میں نے اپنی ایک خواہش کے پورا ہونے کے لئے دعا کی درخواست کی تو حضور نے نہایت ہمدردی سے مجھے تسلی دی اور دعا کا وعدہ کیا اور محبت سے بعض اور باتیں دریافت فرمائیں میں بچپن سے یتیم اور بے نوا تھا مگر اس وقت مجھے ایسی تسلی ہوئی کہ یقین ہو گیا کہ ہمارا سرپرست زندہ ہے ہمیں کیا فکر ہے کچھ عرصہ کے بعد واقعی میرے حالات کافی بدل گئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل کی

بہت بارش ہوئی اور دم بدم ہو رہی ہے الحمدللہ علی ذالک۔"
(سوانح فضل عمر جلد پنجم فضل عمر فاؤنڈیشن صفحہ 425-426)

اس عاجز کی ذاتی یادیں

اس عاجز کی حالت تو میاں محمد بخش کے ان اشعار والی ہے

خس خس جناں قدر نہ میرا میرے صاحب نوں وڈیاییاں
میں گلیاں دا روڑا کوڑا تے محل چڑایا سائیاں
میں نیوا میرا مرشد اوچا تے اوچیاں سنگ میں لائی
صدقے جاواں انا اچیاں نو جناں نیوے نال نبائی

میری دیرینہ خواہش تھی کہ قادیان جا کر ان مقامات مقدسہ کو دیکھوں جن کا تعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات سے ہے اور وہاں شکرانے کے سجدے کروں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے مزار پر دعائیں مانگوں اس مقصد کے لئے میں خلیفہ وقت اور حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کو دعا کے لئے لکھتا رہتا تھا مرزا وسیم احمد صاحب نے ایک بار لکھا کہ "کوشش بھی تو کریں" چنانچہ اللہ نے فضل کیا اور پہلی بار جلسہ سالانہ قادیان 1992ء پر بیوی بچوں سمیت جانا نصیب ہوا پھر 1993ء میں اور اس کے بعد 2005ء میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ تعالی بھی تشریف لے گئے تھے اس بار میں اکیلا تھا حضور سے دو بار ملاقات بھی ہوئی اس کے بعد 2009ء کے جلسہ پر گیا اور پھر 2013ء میں اور آخری دفعہ مع فیملی 2015ء میں جلسہ سالانہ قادیان پر جانے کا اتفاق ہوا ان تمام جلسوں پر قیام درویش چوہدری عبدالسلام صاحب کے گھر رہا (ان کے ایثار اور مہمان نوازی کے لئے دعا گو ہوں ان کے گھر اس عاجز کے برادر نسبتی سردار نصیر احمد کی شادی ہوئی ہوئی ہے اللہ تعالی انہیں اور ان کی اولاد کو اجر عظیم بخشے) ان جلسوں پر اپنے تاثرات اور بعض جذبات کا اظہار اس عاجز نے ان مضامین میں کیا ہے جو الفضل میں شائع ہوتے رہے (2015ء والا مضمون



نہیں مل سکا)

* الفضل یکم فروری 1993ء (مختصرات جلسہ سالانہ قادیان دارالامان 1992ء میں شمولیت ایک عجیب اثر قلوب اور فکر پر چھوڑ گئی)
* الفضل 18 فروری 2006ء (جلسہ سالانہ قادیان 2005ء کے بابرکت ایام)
* الفضل 30 مئی 2007ء (حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب
* الفضل 13 فروری 2010ء (سفر قادیان اور وسعت مکانی)

ہر چار سو ہے شہرہ ہوا قادیان کا
مسکن ہے جو کہ مہدیٔ آخر زمان کا

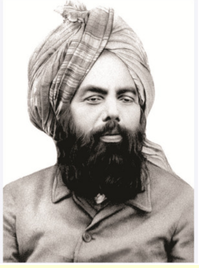
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبارک چھڑی

انجینئر محمود مجیب اصغر



حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھیرہ کے ایک صحابی حضرت غلام حسین صاحب کو حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے ہاتھ ایک چھڑی بھیرہ بھجوائی تھی یہ Hand Stick ان کے پوتے قریشی احمد حسن صاحب مرحوم کے گھر سرگودہا میں محفوظ ہے خاکسار کی درخواست پر بیگم قریشی احمد حسن صاحب اپنے 2 بیٹوں کے ساتھ 12 دسمبر 2014 (جمعہ) کو یہ مقدس چھڑی لائی تھیں جو خاکسار کے ہمراہ خاکسار کے داماد عبید اللہ خان، محترم کمال یوسف صاحب جو ربوہ آئے ہوئے تھے اور پروفیسر رفیق ثاقب صاحب+ان کا ایک بیٹا ناصر اور قریشی احمد حسن صاحب مرحوم کا بیٹا قریشی نوید احمد صاحب محترم سید میر محمود احمد صاحب کے گھر جا کر ان کو دکھائی گئی تھی۔اس وقت کی چند تصاویر پیش ہیں۔





سیرت حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام بحیثیت عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز۔لندن

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے تا وہ اپنی ذات اور صفات کے ساتھ پہچانا جائے۔ یہ عظیم مقصد اس وقت اپنے کمال کو پہنچا جب انسانِ کامل سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ظہور ہوا۔ اس ''عبد اللہ'' کے ظہور سے قوسِ عبودیت، قوسِ اُلوہیت کے ساتھ اس طرح باہم پیوست ہوگئی کہ درمیانی فاصلے کا ادراک انسانی ذہن کے بس کی بات نہ رہی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس شان کے ساتھ اپنے رب کے رنگ اپنے اوپر چڑھائے کہ یوں محسوس ہوا کہ گویا خود خدا جامۂ بشریت میں زمین پر اُتر آیا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خدا کی ذات میں گُم اور محو ہوگئے کہ آپ کا اپنا کچھ بھی باقی نہ رہا تھا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے عرش سے اس کی گواہی دیتے ہوئے فرمایا

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سورۃ الانعام آیت 163)

کہ اے محمد مصطفیٰؐ، اے مرے حبیب! دُنیا والوں کو تیرے مقام قرب کا اندازہ نہیں ہے اس لئے اس اعلان کے ذریعہ دنیا کو بتا دے کہ میرا تو اب کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ میری نمازیں، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ رب العٰلمین کے لئے ہو چکا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

'' آپ کا وجود خدا کی تجلیات کے پورے مشاہدہ کے لئے ایک آئینہ کی طرح تھا۔ خدا کی محبتِ کاملہ کے آثار جس قدر عقل سوچ سکتی ہے وہ تمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں موجود تھے۔''

(ریویو آف ریلیجنز اردو جلد اول 1902 صفحہ 187)

ایک اور مقام پر قُربِ الٰہی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس تمام تقریر کا مدعا و خلاصہ یہ ہے عند العقل قرب الٰہی کے مراتب تین قسموں پر منقسم ہیں اور تیسرا مرتبہ قرب کا جو مظہر اتم الوہیت اور آئینہ خدا نما ہے



حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے مسلم ہے جس کی شعاعیں ہزار ہا دلوں کو منور کر رہی ہیں اور بے شمار سینوں کو اندرونی ظلمتوں سے پاک کر کے نورِ قدیم تک پہنچا رہی ہیں۔

محمد عربی ہے بادشاہِ ہر دوسرا
کرے ہے روح قدس جس کے در کی دربانی
اسے خدا تو نہیں کہہ سکوں پہ کہتا ہوں
کہ اس کے مرتبہ دانی میں ہے خدا دانی

کیا ہی خوش نصیب ہے وہ آدمی جس نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پیشوائی کے لئے قبول کیا اور قرآن شریف کو رہنمائی کے لئے اختیار کیا۔ اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و الہ و اصحابہ اجمعین۔''

(سرمہ چشمِ آریہ حاشیہ صفحہ 249)

جب وہ خاتم الانبیاء کامل مظہرِ خدا بن کر دنیا میں ظاہر ہوا اور الٰہی نور سے روشن ہو کر سراجاً منیراً ایک چمکتا سورج بن کر نمودار ہوگیا تو اب آئندہ کے لئے نور اور روشنی حاصل کرنے کا ذریعہ یہی آفتاب ٹھہرا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے ذریعہ یہ اعلان کرا دیا:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ (سورہ آل عمران: 32)

کہ اب اگر خدا کے محبوب بننا چاہتے ہو اور اعلیٰ قدر مراتب خدا کا قرب حاصل کرنے کے خواہش مند ہو تو بس ایک ہی ذریعہ ہے فَاتَّبِعُوْنِیْ میری پیروی کرو۔ میری محبت اور میری اطاعت میں جس قدر اپنے آپ کو محو کرو گے اسی نسبت سے خدا کی محبت اور خدا کا قرب پا سکو گے۔

اس تمہید کے بعد آیئے! اب بانئ جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد



قادیانی مسیح موعود ومہدی معہود علیہ السلام کی زندگی پر نظر کر کے دیکھتے ہیں کہ آپ نے اپنے آقا و مطاع حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ سے کس درجہ پر محبت کی اور آپ کی اطاعت اور پیروی کو کس معیار تک پہنچایا اور پھر اس کے عوض کیا کیا روحانی برکات اور فیوض حاصل کئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا کے بعد اگر کسی وجود سے محبت اور عشق تھا تو صرف حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات والا صفات سے چنانچہ آپ اپنے فارسی شعر میں فرماتے ہیں ؎

بعد از خدا بعشقِ محمد مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

ترجمہ: کہ خدا کے بعد میں محمد ﷺ کے عشق میں سرشار ہوں۔ اگر یہ عشق کفر ہے تو خدا کی قسم میں سب سے بڑا کافر ہوں۔

یہ عشق و محبت کی داستان کوئی عارضی' اور محض جذباتی کیفیت کا نتیجہ نہ تھی۔ بلکہ اس محبت اور عشق اور سرشاری کے پیچھے ایسے حُسن و احسان کے جلوے تھے جو ہر صاحبِ بصیرت انسان کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے عربی اشعار میں فرماتے ہیں ؎

وَجْهُ الْمُهَيْمِنِ ظَاهِرٌ فِيْ وَجْهِهٖ
وَشُئُوْنُهٗ لَمَعَتْ بِهٰذَا الشَّانِ

ترجمہ: آپ ﷺ کے چہرہ میں خدا کا چہرہ نمایاں ہے اور خدا کی صفات آپ ﷺ کی اس شان سے جلوہ گر ہوگئیں۔

فَلِذَا يُحَبُّ وَيَسْتَحِقُّ جَمَالُهٗ
شَغَفاً بِهٖ مِنْ زُمْرَةِ الْاَخْدَانِ

سو اسی لئے تو آپ ﷺ سے محبت کی جاتی ہے اور آپؐ ہی کا جمال اس لائق ہے کہ دوستوں کے گروہ میں سے صرف آپؐ ہی سے بے پناہ محبت کی جائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عشق کا یہ عالم تھا کہ آپ کے صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے 1960ء کے جلسہ سالانہ ربوہ میں تقریر کرتے ہوئے بیان کیا تھا کہ ''یہ خاکسار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر میں پیدا ہوا اور یہ خدا کی ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ میں اس آسمانی آقا کو حاضر وناظر جان کر کہتا ہوں کہ میرے دیکھنے میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے ذکر پر بلکہ محض نام لینے پر ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھلّی نہ آگئی ہو۔ آپ کے دل و دماغ بلکہ سارے جسم کا رواں رواں اپنے آقا حضرت سرورِ کائنات فخرِ موجودات ﷺ کے عشق سے معمور تھا۔''

اسی تسلسل میں داستانِ عشق کا ایک اور واقعہ پڑھئے!

دنیا میں پیارے سے پیارے وجود ہوتے رہتے ہیں جن کے اقارب چند دن یا چند ماہ تک انہیں یاد کر کے اپنے دلوں میں کسک محسوس کرتے ہیں۔ لیکن یہ کیسا محبوب ہے کہ جس کے وصال پر چودہ صدیوں کا طویل عرصہ گزر چکا ہے مگر آج بھی اس کا ایک عاشق صادق اس جانگداز واقعہ کے تصور سے بے چین ہو کر آنسوؤں سے روتا جاتا ہے اور تنہائی میں اپنے محبوب کے ایک اور عاشق حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ شعر گنگناتا ہے ؎

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِيْ فَعَمِيَ عَلَيْكَ النَّاظِرُ
مَنْ شَآءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ فَعَلَيْكَ كُنْتُ اُحَاذِرُ

ترجمہ: اے میرے محبوب تو میری آنکھ کی پُتلی تھا آج تیری وفات کی وجہ سے اندھی ہوگئی ہے۔ اب تیرے بعد جو چاہے مرے مجھے تو صرف تیری موت کا ڈر تھا جو واقع ہوگئی۔

راوی کا بیان ہے کہ جب میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مسجد مبارک میں اکیلے میں ٹہلتے اور آنسوؤں سے روتے دیکھا تو گھبرا کر عرض کیا کہ حضرت یہ کیا معاملہ ہے اور حضور کو کونسا صدمہ پہنچا ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا میں اس وقت حسان بن ثابت کا یہ شعر پڑھ رہا تھا اور میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہو رہی تھی کہ:

''کاش یہ شعر میری زبان سے نکلتا''

پس دیکھئے کیسا یہ پاکیزہ عشق ہے کہ اپنے محبوب کی یاد میں اس کے ایک ایسے عشق کے ذکر کو بھی زندہ کر دیا جو چودہ سو سال پہلے گزر چکا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنے آقا و مطاع حضرت اقدس محمد

مصطفیٰ ﷺ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ ہر دم آپ کا ہی خیال رہتا تھا جیسا کہ آپ اپنے عربی اشعار میں فرماتے ہیں ؎

مِنْ ذِکْرِ وَجْھِکَ یَاحَدِیْقَۃَ بَھْجَتِیْ
لَمْ أَخْلُ فِیْ لَحْظٍ وَّلَا فِیْ اٰنِ

ترجمہ: کہ اے میری خوشی کے باغ تیرے چہرے کی یاد سے میں ایک لحظ اور آن کے لئے بھی خالی نہیں رہا۔

یَاحِبِّ اِنَّکَ قَدْ دَخَلْتَ مَحَبَّۃً
فِیْ مُھْجَتِیْ وَمَدَارِکِیْ وَجَنَانِیْ

اے میرے محبوب! تو از راہ محبت میری جان، میرے حواس اور میرے دل میں داخل ہوگیا ہے کبھی آپ کے تصور کی آنکھ مکہ مکرمہ کی پاک زمین کا طواف کرتی نظر آتی ہے اور کبھی ہجرت مدینہ کے واقعہ کو یاد کر کے آنسو بہاتی ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں ؎

شمسُ الْھُدیٰ طَلَعَتْ لَنَا مِنْ مَکَّۃٍ
عَیْنُ النَّدا نَبَعَتْ لَنَا بِحِرَآءِ

ترجمہ: دین کا آفتاب ہم پر مکہ معظّمہ سے چڑھا بخشش کا چشمہ غارِ حراء سے ہمارے لئے پھوٹا

یُحِبُّ جَنَانِیْ کُلَّ اَرْضٍ وَطِئتَھَا
فَیَالَیْتَ لِی کَانَتْ بِلَادُکَ مَولِدَا

ترجمہ: میرا دل ہر اس زمین سے پیار کرتا ہے جس پر آپ نے قدم رکھے کاش آپ کا وطن ہی میرا زاد بوم ہوتا۔

تَذَکَّرتُ یَوماً اُخرِجَ سَیِّدِی
فَفَاضَتْ دُمُوعُ الْعَینِ مِنِّی بِمُنْتَدیٰ

ترجمہ: مجھے وہ دن یاد آیا کہ جسمیں میرے سید و مولیٰ نکالے گئے۔ تو میرے آنکھوں کے آنسو مجلس میں ہی بہنے لگے۔

اِلَی الْاٰنِ اَنْوَارٌ بِبُرْقَۃِ یَثْرِبٍ
نُشَاھِدُ فِیْھَا کُلَّ یَوْمٍ تُجَدُّدَا

ترجمہ: اب تک مدینہ کی پتھریلی زمین میں ایسے انوار ہیں کہ ہر روز ہم ان میں جدت دیکھتے ہیں۔

فَوَجْهُ الْمَدِیْنَۃِ صَارَ مِنْہُ مُنَوَّراً
وَبَارَکَ حُرَّ الرَّمْلِ وَطْئاً وَّ قَرْدَدَا

پس مدینہ کا چہرہ اس نور سے نُورانی ہوگیا اور اس نے اپنے چلنے پھرنے سے ریتیلی و پتھریلی زمین کو بابرکت کر دیا۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی مقدس سرزمین سے حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کے عشق و محبت کے ان جزبات و احساسات کی روشنی میں مخالفینِ احمدیت کی اس حماقت کا اندازہ کیجئے جو کہتے ہیں کہ احمدیوں نے مکہ اور مدینہ کے اسلامی مراکز کے بالمقابل قادیان اور ربوہ کے مراکز بنا رکھے ہیں اور یہ کہ ان کا حج قادیان میں ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ بانیٔ جماعت احمدیہ نے حج نہیں کیا۔ اول تو ارکانِ اسلام میں سے کلمہ، نماز، روزہ، زکوۃ کے بعد پانچواں رکن حج کی عبادت کا ہے اور اس کے لئے بہت سی شرائط ہیں کہ سفر اختیار کرنے کی استطاعت ہو اور راستے کا امن ہو اور جب تک یہ شرائط پوری نہ ہوں حج فرض ہی نہیں ہوتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے ایک تو راستے کا امن مفقود تھا اور دوسری طرف خدا سے ایسے فرائض آپ کے سپرد تھے جو حج سے بھی زیادہ مقدم تھے اصل تو دل کی حالت کو دیکھنا چاہئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل کی حالت تو یہ تھی جو آپ اپنے ایک شعر میں بیان فرماتے ہیں

جِسْمِیْ یَطِیْرُ اِلَیْکَ مِنْ شَوْقٍ عَلیٰ
یَالَیْتَ کَانَتْ قُوَّۃُ الطَّیَرَانِ

ترجمہ: اے میرے محبوب میرا جسم تو شوق کے غلبہ سے تیری طرف اُڑنا چاہتا ہے۔ اے کاش! مجھ میں اُڑنے کی طاقت ہوتی۔

اسی تعلق میں آپ کے صاحبزاد حضرت مصلح موعودؓ کی ایک روایت پیش کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طبیعت کچھ ناساز تھی اور آپ گھر میں چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے اور حضرت اماں جانؓ اور ہمارے نانا جان حضرت میر ناصر نواب صاحب مرحوم بھی پاس بیٹھے تھے کہ حج کا ذکر شروع ہو

گیا۔حضرت نانا جان نے کوئی ایسی بات کہی کہ اب توجہ کے لئے سفر اور راستے وغیرہ کی سہولت پیدا ہو رہی ہے، حج کو چلنا چاہئے ۔اس وقت زیارت حرمین شریفین کے تصور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور آپ اپنے ہاتھ کی انگلی سے اپنے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ حضرت نانا جان کی بات سُن کر فرمایا ''یہ تو ٹھیک ہے اور ہماری بھی دلی خواہش ہے مگر میں سوچا کرتا ہوں کہ کیا میں آنحضرت ﷺ کے مزار کو دیکھ بھی سکوں گا۔

یہ ایک خالصتاً گھریلو ماحول کی بظاہر چھوٹی سی بات ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو اس میں اشارہ تھا کہ سمندر کی طغیانی لہریں کھیلتی ہوئی نظر آتی ہیں جو عشقِ رسول ﷺ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کے قلب صافی میں موجزن تھیں۔حج کی کس سچے مسلمان کو خواہش نہیں مگر ذرا اس وجود کی بے پایاں محبت کا اندازہ لگاؤ جس کی روح کی حج کے تصور سے پروانہ وار حضورؐ کے مزار پر پہنچ جاتی ہے اور وہاں اس کی آنکھیں اس نظارے کی تاب نہ لا کر بند ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔''

(تقریر جلسہ سالانہ ربوہ 1960ء)

جو اپنے سینوں میں ایک حساس دل رکھتے ہیں وہ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ اس عاشقِ رسول کے پاکیزہ دلی جذبات کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا قدر و قیمت ہے اور اسی حقیقت کی آئینہ دار یہ حدیث نبوی ہے جس میں آنحضور ﷺ فرماتے ہیں نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ کہ بعض اوقات ایسی صورتِ حال پیدا ہو جاتی کہ ایک مومن کی نیک نیت اور پاکیزہ دلی جذبات اس کے عمل پر سبقت لے جاتے اور عمل سے زیادہ قبولیت کا درجہ اور شرف پاتے ہیں۔

محبت اطاعت کا تقاضہ کرتی ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنے آقا و مطاع حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے تئیں اطاعت کا یہ عالم تھا کہ چھوٹا بڑا کام کرنے سے قبل یہ دیکھتے تھے کہ یہ فعل قال اللہ اور قال الرسول کے تابع آتا ہے یا نہیں اور ہر کام میں حضرت نبی کریم ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کو پیشِ نظر رکھتے حتیٰ کہ بظاہر چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اپنے آقا کی اتباع میں لذت پاتے اور اس کا غیر معمولی خیال رکھتے تھے۔چنانچہ مَیں بظاہر دو بہت معمولی واقعات بیان کرتا ہوں کیونکہ انسان کا کردار زیادہ تر چھوٹی باتوں میں ہی ظاہر ہوا کرتا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے جب کہ آپؑ مولوی کرم دین والے تکلیف دہ فوجداری مقدمہ کے تعلق میں گورداسپور تشریف لے گئے تھے وہ سخت گرمی کا موسم تھا اور رات کا وقت تھا۔آپؑ کے آرام کے لئے مکان کی کھلی چھت پر چارپائی بچھا دی گئی تھی۔جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ چھت پر کوئی پردہ کی دیوار نہیں ہے تو آپ نے ناراضگی کے لہجہ میں خدام سے فرمایا:

''کیا آپ کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بے پردہ اور بے منڈیر کی چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے۔''

پھر چونکہ اس مکان میں کوئی اور مناسب صحن نہیں تھا' آپؑ نے شدت کی گرمی کے باوجود بند کمرے میں رات گزاری مگر اس کھلی چھت پر نہیں سوئے۔

ایک اور موقعہ پر جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے کمرہ میں تشریف رکھتے تھے اور اس وقت باہر سے آئے ہوئے کچھ مہمان بھی آپ کی خدمت میں حاضر تھے کسی شخص نے دروازہ پر دستک دی اس پر حاضر الوقت لوگوں میں سے ایک شخص نے اُٹھ کر دروازہ کھولنا چاہا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان صاحب کو اُٹھتے دیکھا تو جلدی سے اُٹھے اور فرمایا:

''ٹھہریں ٹھہریں، میں خود دروازہ کھولوں گا۔آپ مہمان ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مہمان کا اکرام ہونا چاہئے۔''

ایک عاشقِ صادق کے سوا کہ جس کی نظر ہر حرکت و سکون کے وقت اپنے محبوب کی دعاؤں پر رہتی ہو۔کوئی دوسرا بظاہر ایسی معمولی معمولی ہدایتوں کو ملحوظ نہیں رکھ سکتا۔

آج کل کے بعض مشائخ' پیروں اور گدی نشینوں نے آنحضرت ﷺ کی متابعت کو چھوڑ کر طرح طرح کے وظیفے اور اوراد اور قسم قسم کے خود تراشیدہ مجاہدات اور چلّے کشیاں وغیرہ جاری کر رکھے ہیں اور خلقت کو گمراہ کر رہے ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے جس نے بھی استفسار کیا کہ گناہوں سے نجات اور خدا اور اس کے رسول کی محبت حاصل کرنے کے لئے کیا مجاہدات کرنے چاہئیں۔ان سب کے لئے آپ کا یہی جواب تھا ؎

اگر خواہی نجات از مستیٔ نفس

بیا در ذیلِ مستانِ محمدؐ

ترجمہ: کہ اگر تو نفس کی بدمستی سے نجات پانا چاہتا ہے تو محمدؐ کے مستوں کے ذیل میں آجا۔

شرائط بیعت جن پر عمل کرنے کا عہد کرکے ایک شخص جماعت احمدیہ میں داخل ہوتا ہے اُس میں ایک شرط یہ رکھی گئی ہے کہ

''بلا ناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکمِ خدا اور رسولؐ کے ادا کرتا رہے گا اور حتی الوسع نمازِ تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دِلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کرکے اس کی حمد اور تعریف کو اپنا ہر روزہ وِرد بنالے گا۔''

(اشتہار 12/جولائی 1889ء)

ایک شخص نے بیعت کے بعد عرض کیا کہ حضور! مجھے کوئی وظیفہ بتائیں فرمایا:

''نمازوں کو سنوار کر پڑھو کیونکہ ساری مشکلات کی یہی کنجی ہے اور اس میں ساری لذت اور خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ صدقِ دل سے روزے رکھو۔ صدقہ و خیرات کرو۔ درود و استغفار پڑھا کر۔''

(الحکم جلد 7 پرچہ 28/فروری 1903ء)

حضرت مولوی غلام حُسین صاحب ڈنگوی نے بیان کیا کہ:

''ایک دفعہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے والد صاحب چشتیائی طریق سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے احمدیت سے قبل میرا بھی اس طریق کے وظائف کی طرف میلان تھا بلکہ ایک حد تک اب بھی ہے پس حضورؑ مجھے کوئی وظیفہ بتائیں جو میں پڑھا کروں۔ فرمایا:

''ہمارے ہاں تو کوئی ایسا وظیفہ نہیں ہاں استغفار بہت کیا کریں اور حضرت نبی کریم ﷺ کے احسانات کو یاد کرکے آپ پر کثرت سے درود بھیجا کریں بس یہی وظیفہ ہے''۔

(بحوالہ محامد خاتم النبیینؐ مرتبہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم صفحہ 125)

حضرت ملک غلام حسن صاحب رہتاسی نے بیان کیا کہ:

''غالباً 1894ء کے سالانہ جلسہ کے موقع پر جب میں دارالامان میں اپنے دوستوں کے ساتھ حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ پہلے ہم لوگ شیعہ تھے اور اُس وقت ہم اہلِ بیت نبویؐ پر بہت درود بھیجتے تھے اب کونسا درود شریف پڑھا کریں۔ فرمایا:

''جو درود شریف نمازوں میں پڑھا جاتا ہے وہی پڑھا کریں''۔ میں نے عرض کی کہ کتنی بار روزانہ درود شریف پڑھا کروں۔ فرمایا:

''کسی خاص تعداد کی شرط نہیں اور نہ اس کی ضرورت ہے بلکہ سوچ سمجھ کر اور آنحضرت ﷺ کے احسانات کو یاد کرکے آسانی سے جس قدر پڑھا جا سکے اسی قدر پڑھا کریں''۔

بدقسمتی سے مخالفینِ احمدیت کی طرف سے ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ احمدیوں کا درود بھی الگ ہے جبکہ بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''درود شریف وہی بہتر ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلا ہے۔ اور وہ یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌط اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اور فرمایا جو الفاظ ایک پرہیز گار کے منہ سے نکلتے ہیں ان میں ضرور کسی قدر برکت ہوتی ہے۔ پس خیال کرلینا چاہئے کہ جو پرہیز گاروں کا سردار اور نبیوں کا سپہ سالار ہے اس کے منہ سے جو لفظ نکلے ہیں وہ کس قدر متبرک ہوں گے غرض سب اقسام درود شریف سے یہی درود شریف زیادہ مبارک ہے۔''

(مکتوبات احمد جلد اول صفحہ 18)

درود شریف کی برکات کا ذکر کرتے ہوئے ایک اور موقع پر فرمایا:

''درود شریف کے طفیل ...... اللہ تعالیٰ کے فیوض عجیب نوری شکل میں آنحضرت ﷺ کی طرف جاتے ہیں اور پھر وہاں جا کر آنحضرت ﷺ کے سینہ میں جذب ہو جاتے ہیں اور وہاں سے نکل کر ان کی لاانتہا نالیاں ہو جاتی ہیں اور بقدر حصّہ رسدی ہر حقدار کو پہنچتی ہیں...... درود شریف کیا ہے رسول اللہ ﷺ کے اس عرش کو حرکت دینا ہے جس سے یہ نور کی نالیاں نکلتی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا فیض اور فضل حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو لازم ہے کہ وہ کثرت سے

درود شریف پڑھے تاکہ اس فیض میں حرکت پیدا ہو۔‘‘

(اخبار الحکم 28؍فروری 1903ء صفحہ ۷)

پھر اپنی فعلی شہادت پیش کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے میں ایک زمانہ تک مجھے بہت استغراق رہا کیونکہ میرا یقین تھا کہ خدا تعالیٰ کی راہیں دقیق در دقیق راہیں ہیں۔ وہ بجز وسیلہ نبی کریم کے حل نہیں ہوسکتیں۔ جیسا کہ خدا بھی فرماتا ہے **وابتغو الیه الوسیلة** تب ایک مدت کے بعد کشفی حالت میں میں نے دیکھا کہ دو سقے یعنی ماشکی آئے اور ایک اندرونی راستے سے اور ایک بیرونی راہ سے میرے گھر میں داخل ہوتے ہیں اور اُن کے کاندھوں پر مشکیں ہیں اور کہتے ہیں **ھذا بما صلیت علیٰ مُحَمَّدٍ**۔ (یعنی یہ وہی برکات ہیں جو تو نے محمدؐ کی طرف بھیجی تھیں۔ ﷺ)

(حقیقۃ الوحی صفحہ 128 حاشیہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ ایمان اور یقین تھا کہ محبوبِ الٰہی بننے کے لئے ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی کامل اتباع کی جائے نہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کے اُسوہ حسنہ کو چھوڑ کر اپنے طور پر نئے نئے طریقے قُربِ الٰہی کے تلاش کرنے کے لئے ایجاد کر لئے جائیں اس تعلق میں آپ فرماتے ہیں:

’’اللہ تعالیٰ کی محبت کامل طور پر انسان اپنے اندر پیدا نہیں کرسکتا جب تک نبی کریم ﷺ کے اخلاق اور طرزِ عمل کو اپنا رہبر اور ہادی نہ بنادے۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت فرمایا ہے **قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ** (آل عمران:32) یعنی محبوبِ الٰہی بننے کے لئے ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی جاوے۔ سچی اتباع آپ کے اخلاقِ فاضلہ کا رنگ اپنے اندر پیدا کرتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آجکل لوگوں نے اتباع سے مُراد صرف رفع یدین، آمین بالجہر اور رفع سبابہ ہی لے لیا ہے باقی اُمور کو جو اخلاق فاضلہ آپؐ کے تھے، اُن کو چھوڑ دیا......۔‘‘

(الحکم مورخہ 31؍جولائی 1902ء)

نیز فرماتے ہیں:

’’اپنی شامتِ اعمال کو نہیں سوچا۔ اُن اعمالِ خیر کو جو پیغمبر ﷺ سے ملے تھے ترک کر دیا اور ان کی بجائے خود تراشیدہ درود و وظائف داخل کر لئے اور چند کافیوں کا حفظ کر لینا کافی سمجھا گیا۔ بُلّے شاہ کے کافیوں پر وجد میں آجاتے ہیں ...... دیکھا گیا ہے کہ بعض ان رقص و سرور کی محفلوں میں دانستہ پگڑیاں اُتار لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ میاں صاحب کی مجلس میں بیٹھتے ہی وجد آجاتا ہے۔ اس قسم کی بدعتیں اور اختراعی مسائل پیدا ہوگئے ہیں۔......

میں ان مخالفوں سے جو بڑے بڑے مشائخ اور گدی نشین اور صاحبِ سلسلہ ہیں پوچھتا ہوں کہ کیا پیغمبر خدا ﷺ تمہارے درود و وظائف اور چلہ کشیاں، اُلٹے سیدھے لٹکنا بھول گئے تھے اگر معرفت اور حقیقت شناسی کا یہی ذریعہ اصل تھے۔ مجھے بہت ہی تعجب آتا ہے کہ ایک طرف قرآن شریف میں یہ پڑھتے ہیں **اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ** (سورت المائدہ آیت 4) اور دوسری طرف اپنی ایجادوں اور بدعتوں سے اس تکمیل کو توڑ کر ناقص ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

ایک طرف تو یہ ظالم طبع لوگ مجھ پر افتراء کرتے ہیں کہ گویا میں ایسی مستقل نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جو صاحب شریعت نبی ﷺ کے سوا الگ نبوت ہے مگر دوسری طرف یہ اپنے اعمال کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کرتے کہ جھوٹی نبوت کا دعویٰ تو خود کر رہے ہیں اب اگر کسی کے دل میں انصاف اور خدا کا خوف ہے تو کوئی مجھے بتائے کہ کیا ہم رسول اللہ ﷺ کی پاک تعلیم اور عمل پر کچھ اضافہ یا کم کرتے ہیں۔ جبکہ اسی قرآن شریف کے بموجب ہم تعلیم دیتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ ہی کو اپنا امام اور حَکم مانتے ہیں۔ کیا ارّہ کا ذکر میں نے بتایا ہے اور پاس انفاس اور نفی و اثبات کے ذکر اور کیا کیا میں سکھاتا ہوں (صوفیاء کے مختلف وظائف کا نام ہے۔ ناقل)...... یقیناً یاد رکھو کہ کوئی شخص سچا مسلمان نہیں ہوسکتا اور آنحضرت ﷺ کا متبع نہیں بن سکتا جب تک آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین یقین نہ کرے۔ جب تک محدثات سے الگ نہیں ہوتا اور اپنے قول اور فعل سے آپ کو خاتم النبیین نہیں مانتا کچھ نہیں......

ہمارا مدعا جس کے لئے خدا تعالیٰ نے ہمارے دل میں جوش ڈالا یہی ہے کہ صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی نبوت قائم کی جائے جو ابدالآباد کے لئے خدا تعالیٰ نے قائم کی ہے اور تمام جھوٹی نبوتوں کو پاش پاش کر دیا جائے جو ان

لوگوں نے اپنی بدعتوں کے ذریعہ قائم کی ہیں۔"

(الحکم جلد 6 نمبر 28 صفحہ 5 پرچہ 10/ اگست 1902ء بحوالہ ملفوظات جلد نمبر 3 صفحہ 8 تا 93)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے آقا و مطاع حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت صرف آپ کی ذات کی حد تک محدود نہ تھی بلکہ جس طرح کہ ذکر ہو چکا ہے۔ آپ کو ان گلیوں اور سنگریزیوں سے بھی محبت تھی جن پر سے آنحضرت ﷺ گزرے تھے۔ پھر آپ کی آل اور اہلِ بیت سے محبت تو ایک عجیب شان اپنے اندر رکھتی ہے۔ لوگ تو حضرت رسول کریم ﷺ کے نواسوں کی شہادت کی یاد کو مختلف رسم و رواج اور بدعتوں کی نظر کر دیتے ہیں لیکن دیکھیں یہ عاشق صادق کس درد سے واقعہ کربلا کو یاد کرتا اور کرواتا ہے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ سے روایت ہے کہ:

"ایک دفعہ جب محرم کا مہینہ تھا اور حضرت مسیح موعودؑ اپنے باغ میں ایک چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے آپ نے ہماری ہمشیرہ مبارکہ بیگم اور ہمارے بھائی مبارک احمد مرحوم کو جو سب بہن بھائیوں میں چھوٹے تھے اپنے پاس بُلایا اور فرمایا آؤ میں تمہیں محرم کی کہانی سُناؤں۔ پھر آپ نے بڑے دردناک انداز میں حضرت امام حُسینؓ کی شہادت کے واقعات سُنائے۔ آپ یہ واقعات سناتے جاتے تھے اور آپؑ کی آنکھوں سے آنسوؤ رواں تھے اس دردناک کہانی کو ختم کرنے کے بعد آپ نے بڑے کرب کے ساتھ فرمایا:

"یزید پلید نے یہ ظلم ہمارے نبی کریم ﷺ کے نواسے پر کر دیا مگر خدا نے بھی ان ظالموں کو بہت جلد اپنے عذاب میں پکڑ لیا"۔

اُس وقت آپ پر عجیب کیفیت طاری تھی اور اپنے آقا ﷺ کے جگر گوشہ کی المناک شہادت کے تصور سے آپ کا دل بہت بے چین ہو رہا تھا اور یہ سب کچھ رسول پاک ﷺ کے عشق کی وجہ سے تھا۔"

(تقریر جلسہ سالانہ ربوہ 1960ء)

ایک طرف عشق و محبت کی یہ حالت اور دوسری طرف مخالفین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض اشعار کی حقیقت کو نہ سمجھ کر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ گویا آپ نے حضرت امام حُسینؓ کی ہتک کی ہے۔ **نعوذباللہ من ذلک**

جوں خوشبو گلابوں میں

(منیر باجوہ)



سانسوں میں تری یادیں جوں خوشبو گلابوں میں
نینوں میں تِرا چہرہ جوں اشک نگاہوں میں
گر دل میں وفا نہ ہو تب عشق مصیبت ہے
کیا حُسن کے جلوے پھر کیا کشش شبابوں میں
مُکھڑے کی جھلک اپنے کبھی ہم کو دکھا یارا
کب تک تجھے دیکھیں گے ہم دُور حجابوں میں
بھلا عشق حقیقی کو کیا خوف زمانے سے
یہ اور بھڑکتا ہے طعنوں سے رقیبوں میں
پاتا ہے یہ دل راحت محبوب کے قدموں میں
اس مَے کے سوا بتلا کیا رکھا شرابوں میں
اے ساقئ جاناناں ہو خیر سدا تیری
تیرے پاس جو گوہر ہیں
کہاں جگ کے خزانوں میں
راہ چلتے تیرے نغمے ہر گام تیری باتیں
آنکھیں ہوں کُھلی میری یا منیرؔ خوابوں میں



اس کے برعکس دیکھئے کس محبت اور کس شان کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت امام حُسینؓ کا ذکر فرماتے ہیں:

"حُسینؓ طاہر و مطہر تھا اور بلاشبہ وہ ان برگزیدوں میں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے اور بلاشبہ وہ سردارانِ بہشت میں سے ہے اور ایک ذرہ کینہ رکھنا اس سے موجبِ سلبِ ایمان ہے اور اس امام کی محبتِ الٰہی اور تقویٰ اور صبر اور استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اُسوۂ حسنہ ہے......تباہ ہو گیا وہ دِل جو اس کا دشمن ہے اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے۔"

(اشتہار تبلیغ حق 8 اکتوبر 1905ء بحوالہ سیرت طیبہ صفحہ 107)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آنحضرت ﷺ کے صرف اہلِ بیت ہی سے محبت نہ تھی بلکہ آپ کے تمام صحابہ کرام سے بھی بہت محبت اور عقیدت تھی اس کی بھی لمبی تفصیل ہے میں آپ کے چند عربی اشعار کا اُردو ترجمہ لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔فرماتے ہیں:

1) نبی کریم ﷺ کے تمام صحابہ سُورج کی طرح روشن تھے۔انہوں نے ساری دنیا کو اپنے نور سے منور کر دیا۔

2) انہوں نے صداقت کی خاطر اپنے رشتہ داروں کو اور اپنے اہل وعیال کی محبت تک کو خیر باد کہہ دیا۔

3) اور رسول اللہؐ کی آواز پر غریب درویشوں کی طرح بے گھر اور بے در ہو کر آپ کے گرد جمع ہو گئے۔

4) وہ خدا کے راستہ میں برضاء ورغبت ذبح کئے گئے اور انہوں نے سچائی کی خاطر دنیا کا ذرہ بھر خوف نہیں کیا بلکہ ہر امتحان اور ہر آزمائش کے وقت خدائے رحمان کے تعلق کو ترجیح دی۔

5) انہوں نے تلواروں کی جھنکار میں شہادت کے جام تلاش کئے اور ہر مجلس میں صداقت کی گواہی کے لئے بے خوف وخطر تیار رہے۔

6) وہ اپنے آقاؐ کے ساتھ دائیں اور بائیں جسم کے اعضاء کی طرح لپٹے رہے اور نُصرت اور اعانت اور قربانی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

(سرّ الخلافہ صفحہ 67)

عشق اور محبت غیرت اور قربانی کا بھی تقاضا کرتی ہے جتنی زیادہ کسی عاشق کو اپنے محبوب سے محبت ہوتی ہے اُتنی ہی زیادہ وہ غیرت اس کے لئے رکھتا ہے حتیٰ کہ اس کے خلاف کوئی بات سُننے اور برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اس جہت سے جب ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنے آقا ومطاع حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے غیرت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو آپ کو ایک شمشیر برہنہ کے طور پر پاتے ہیں۔

اپنے چچا زاد برادران مرزا امام دین وغیرہ اوران کے خاندان سے محض اس وجہ سے آپ کو نفرت تھی کہ ان کے ہاں آنحضرت ﷺ اور قرآن کریم کی تضحیک کی جاتی تھی اور محض اس وجہ سے اُن سے قطع تعلق کر رکھا تھا ورنہ اُن سے کوئی ذاتی دُشمنی نہ تھی۔

ابتدائی زمانہ کی بات ہے جبکہ ابھی براہین احمدیہ بھی لکھی جانی شروع نہ ہوئی تھی، آپ کی حقیقی چچی جو آپ کے چچا مرزا غلام حیدر صاحب کی اہلیہ بی بی صاحب جان کہلاتی تھیں ایک مرتبہ ان کے منہ سے حضرت نبی کریم ﷺ کی شان میں کوئی بے ادبی کا کلمہ نکل گیا جس سے آپ اس قدر صدمہ اور غصہ میں مبتلا ہوئے کہ آپ جو کھانا کھا رہے تھے کھانا چھوڑ کر اسی حالت میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔پھر اس کے بعد اُن کے ہاں کھانا پینا ہی ترک کر دیا۔

1893ء میں امرتسرؔ کے مقام پر عیسائیوں سے مباحثہ ہوا تھا جو جنگ مقدس کے نام سے مشہور ہے۔اس دوران ڈاکٹر پادری مارٹن کلارک نے چائے کی دعوت پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کے خدام کو بُلانا چاہا آپ نے محض اس بناء پر صاف انکار کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کی تو بے ادبی کرتے ہیں اور مجھے چائے کی دعوت دیتے ہیں۔میں پسند نہیں کرتا ہماری غیرت تقاضا ہی نہیں کرتی کہ ان کے ساتھ مل کر بیٹھیں سوائے اس کے کہ ہم ان کے غلط عقائد کی تردید کریں۔

1903ء میں لاہور میں آریہ سماج کا جلسہ تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی اپنا مضمون بھیجنے کی دعوت تھی جو کتاب چشمۂ معرفت کے اول حصہ میں چھپا ہوا ہے اس مضمون کو سُنانے کے لئے حضرت مولانا نورالدین صاحب (خلیفہ اولؓ) مقرر ہوئے اور ایک وفد آپ کے ساتھ بھیجا گیا آریوں نے اپنی باری میں آنحضرت ﷺ کی شان میں نہایت دلآزار کلمات بولے جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ معلوم ہوا کہ اس دوران جماعت کا وفد وہاں بیٹھا یہ دلآزار تقریر سُنتا رہا تو آپ بہت غضبناک ہوئے اور بار بار یہی فرمایا کہ:

"کیوں تم اُس مجلس میں سے اُٹھ نہ آئے جہاں حضرت نبی کریمؐ کی ہتک ہو رہی تھی۔"

جب عیسائی پادریوں اور دیگر دشمنانِ اسلام کی طرف سے پاکوں کے سردار سید الاولین والآخرین خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خلاف دلآزار زبان استعمال کی جا رہی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے اپنے دلی جذبات کا یوں اظہار فرماتے ہیں:

’’عیسائی مشنریوں نے ہمارے رسول اللہ ﷺ کے خلاف بے شمار بہتان گھڑے ہیں اور اپنے اس دجل کے ذریعے ایک خلق کثیر کو گمراہ کر کے رکھ دیا ہے۔ میرے دل کو کسی چیز نے کبھی اتنا دکھ نہیں پہنچایا جتنا کہ ان لوگوں کے اس ہنسی ٹھٹھا نے پہنچایا ہے جو وہ ہمارے رسول پاک ﷺ کی شان میں کرتے رہتے ہیں ان کے دل آزار طعن و تشنیع نے جو وہ حضرت خیر البشرؐ کی ذات والا صفات میں کرتے رہتے ہیں میرے دل کو سخت زخمی کر رکھا ہے۔ خدا کی قسم اگر میری ساری اولاد اور اولاد کی اولاد اور میرے سارے دوست اور میرے سارے معاون و مددگار میری آنکھوں کے سامنے قتل کر دئے جائیں اور خود میرے اپنے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دئے جائیں اور میری آنکھ کی پُتلی نکال پھینکی جائے اور میں اپنی تمام مُرادوں سے محروم کر دیا جاؤں اور اپنی تمام خوشیوں اور آسائیشوں کو کھو بیٹھوں تو ان ساری باتوں کے مقابل پر بھی میرے لئے یہ صدمہ زیادہ بھاری ہے کہ رسول اکرم ﷺ پر ایسے ناپاک حملے کئے جائیں۔ پس اے میرے آسمانی آقا تو ہم پر اپنی رحمت اور نصرت کی نظر فرما اور ہمیں اس ابتلاءِ عظیم سے نجات بخش۔‘‘

(ترجمہ از عربی عبارت آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن)

ایک طرف ان دلی جذبات اور احساسات کو رکھیں اور دوسری طرف مخالفینِ احمدیت کے ان اعتراضات کو رکھیں جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آنحضرت ﷺ کی ہتک اور توہین کرنے والا قرار دیا جاتا ہے۔ جب آپ انصاف کے ساتھ اس ظلمِ عظیم کا جائزہ لیں گے تو سوائے انا للہ و انا علیہ راجعون پڑھنے کے اور کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

اب آخر پر اس امر کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے کہ حضرت مرزا غُلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آقا و مطاع حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ سے بے مثال عشق و محبت کے نتیجہ میں کیا کچھ پایا ہے کیونکہ قرآن کریم محبت اور اطاعتِ رسول اللہ ﷺ کے نتیجہ میں جن نقد برکات کی بشارت دے رہا ہے اگر وہ حاصل نہیں ہوسکیں تو عشق و محبت اور اطاعت و پیروی کے سب دعوے صرف زبانی اقرار سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتے اور یہی وہ عظیم الشان دلیل ہے جو ایک عاشق صادق کے مدارج کی یقین کراتی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ سورۂ نساء میں فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (آیت-۷۰)

’’ترجمہ: کہ جو لوگ بھی اللہ اور اس رسولؐ کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین میں اور یہ لوگ بہت ہی اچھے رفیق ہیں۔‘‘

پس جیسی جس کی اطاعت اور محبت ہوگی اسی کے مطابق کسی کو صالحیت کا انعام ملے گا کسی کو شہادت کا مرتبہ عطا ہوگا اور کسی کو صدیقیت کا مقام عطا ہوگا۔ حتیٰ کہ ایک کامل متبع اور کامل عاشقِ صادق کو نبوت کے انعام سے بھی سرفراز کیا جائے گا اور یہ چاروں مراتب عالیہ آنحضرت ﷺ کے پیروں کاروں اور سچے عاشقوں کے لئے مختص کئے گئے ہیں۔ چنانچہ جس خدائے منعم و منان نے اُمت محمدیہ میں ایسے ایسے عاشقِ رسول پیدا کئے جنہوں نے صالحیت اور شہادت اور صدیقیت کے مقامات کو پالیا وہاں اُسی خدائے ذوالفضل العظیم نے آنحضرت ﷺ کی کامل پیروی اور متابعت اور کمال عشق و محبت کے نتیجہ میں ایک اُمتی کو یعنی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو نبوت کے انعام سے سرفراز فرمایا۔ یہ کس قدر خوشی و مسرت کا مقام تھا لیکن وائے افسوس کہ کم فہم لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے اعلیٰ و ارفع مقام کو اور آپؐ کی قوت قدسیہ کو نہ سمجھا اور ختمِ نبوت کے ایسے غلط معنیٰ کر بیٹھے کہ گویا آنحضرت ﷺ کے بعد اُمت محمدیہ میں سے تو کوئی شخص اصلاحِ اُمت اور غلبۂ اسلام کی مہم کو سر کرنے کے لئے نہیں آسکتا اب جو آئے گا وہ موسوی اُمت میں سے آئے گا اور یوں ایک اسرائیلی نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مزعومہ انتظار میں اپنی عمریں ضائع کرتے چلے جا رہے ہیں۔!!

اس تعلق میں حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں جو اس کلیدی موضوع پر نہایت وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں۔ آپؑ فرماتے ہیں:

’’جاہل اور نادان لوگ کہتے ہیں کہ عیسیٰ آسمان پر زندہ ہے حالانکہ زندہ ہونے کی علامات، آنحضرت ﷺ کے وجود میں پاتا ہوں۔ وہ خدا جس کو دنیا نہیں جانتی، ہم نے اس خدا کو اس نبیؐ کے ذریعہ سے دیکھ لیا اور وہ وحی الٰہی کا

دروازہ جو دوسری قوموں پر بند ہے ہمارے پر محض اس نبیؐ کی برکت سے کھولا گیا اور وہ معجزات جو غیر قومیں صرف قصوں اور کہانیوں کے طور پر بیان کرتی ہیں ہم نے اس نبیؐ کے ذریعہ وہ معجزات بھی دیکھ لئے اور ہم نے اس نبیؐ کا وہ مرتبہ پایا جس کے آگے کوئی مرتبہ نہیں، مگر تعجب ہے کہ دنیا اس سے بے خبر ہے۔"

(چشمۂ مسیحی صفحہ 22)

اپنی کتاب "تریاق قلوب" میں فرماتے ہیں:

"ایک وہ زمانہ تھا کہ انجیل کے واعظ بازاروں اور گلیوں اور کوچوں میں نہایت دریدہ دہنی سے اور سراسر افتراء سے ہمارے سید و مولیٰ خاتم الانبیاء اور فضل الرسل والاصفیاء اور سید المعصومین والاتقیاء حضرت محبوب جناب احدیت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نسبت یہ قابلِ شرم جھوٹ بولا کرتے تھے کہ گویا آنجناب سے کوئی پیشگوئی یا معجزہ ظہور میں نہیں آیا اور اب یہ زمانہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے علاوہ ان ہزارہا معجزات کے جو ہمارے سرور و مولیٰ شفیع المذنبین ﷺ سے قرآن شریف اور احادیث سے اس کثرت سے مذکور ہیں جو اعلیٰ درجہ کے تواتر پر ہیں' تازہ بتازہ صدہا نشان ایسے ظاہر فرمائے ہیں کہ کسی مخالف اور منکر کو ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ سو ہم اپنے خدائے پاک ذوالجلال کا شکریہ ادا کریں کہ اپنے پیارے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت اور پیروی کی توفیق دے کر اور پھر اس محبت اور پیروی کے رُوحانی فیضوں سے جو سچے تقویٰ اور سچے آسمانی نشان ہیں کامل حصہ عطا فرما کر ہم پر یہ ثابت کر دیا کہ وہ ہمارا برگزیدہ نبی فوت نہیں ہوا بلکہ وہ بلندتر آسمان پر اپنے ملیک مقتدر کے دائیں طرف بزرگی اور جلال کے تخت پر بیٹھا ہے۔

اللھم صل علیہ و بارك وسلم۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

(تریاق القلوب صفحہ 5 سن 1902ء)

بدقسمتی سے مخالفین احمدیت ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے نشانات کی تعداد تو تین لاکھ بتائی ہے اور آنحضرت ﷺ کے معجزات کی تعداد تین ہزار بتائی ہے اس طرح وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ گویا اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ سے افضل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک ایک معجزہ ہزارہا نشانات پر مشتمل ہو سکتا ہے اس لحاظ سے آنحضرت ﷺ کے نشانات تو کروڑوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ صرف قرآن کریم معجزہ کو ہی لے لیں تو وہ بھی لاانتہا نشانات پر مشتمل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"آنحضرت ﷺ کے معجزات تو چاروں طرف سے چمک رہے ہیں وہ کیونکر چھپ سکتے ہیں۔ صرف وہ معجزات جو صحابہ کی شہادتوں سے ثابت ہیں وہ تین ہزار معجزات ہیں اور پیشگوئیاں تو دس ہزار سے بھی زیادہ ہوں گی جو اپنے وقتوں پر پوری ہو گئیں اور ہوتی جاتی ہیں۔"

"ماسوا اس کے بعض معجزات اور پیشگوئیاں قرآن شریف کی ایسی ہیں کہ ہمارے لئے بھی اس زمانہ میں محسوس و مشہود کا حکم رکھتی ہیں اور کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔"

(تصدیق النبیؐ صفحہ 20 شائع کردہ فخر الدین ملتانی)

پھر جو شخص اپنے وجود کو اور اپنی تمام کرامات اور تائیدات الٰہیہ کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بحرِ اعجاز کا ایک قطرہ قرار دے رہا ہو اس کے متعلق اس قسم کے الزامات عائد کرنا حد درجہ کا ظلم ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے ایک فارسی شعر میں فرماتے ہیں ؎

ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم
یک قطرۂ زبحرِ کمالِ محمدؐ است

ترجمہ: معارف و حقائق کا جو چشمہ میں خدا کی مخلوق میں تقسیم کر رہا ہوں یہ میرا مال نہیں بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے کمالات کے سمندر کا ایک قطرہ ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

"کسی نبی سے اس قدر معجزات ظاہر نہیں ہوئے جس قدر ہمارے نبی ﷺ سے کیونکہ پہلے نبیوں کے معجزات ان کے مرنے کے ساتھ ہی مر گئے مگر ہمارے نبی ﷺ کے معجزات اب تک ظہور میں آرہے ہیں اور قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے۔ اور جو کچھ میری تائید میں ظاہر ہو رہا ہے دراصل وہ

سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں۔“
(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ 35 روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 468)

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں:

”میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کا نام لے کر جھوٹ بولنا سخت بدذاتی ہے کہ خدا نے مجھے میرے بزرگ واجب الاطاعت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی دائمی زندگی اور پورے جلال وکمال کا یہ ثبوت دیا ہے کہ میں نے اس کی پیروی اور اس کی محبت سے آسمانی نشانوں کو اپنے اُوپر اترتے ہوئے اور دل کو یقین کے نور سے پُر ہوتے ہوئے پایا۔

اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو! اور اے تمام وہ انسانی رُوحو! جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو! میں پورے زور کے ساتھ آپ کو اِس طرف دعوت دیتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اِسلام ہے اور سچّا خدا بھی وہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدّس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جس کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے کہ اس کی پیروی اور محبت سے ہم روح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے انعام پاتے ہیں۔“
(تریاق القلوب صفحہ 5 تا 7۔ 1902ء)

اسی طرح ایک اور مقام پر آپؑ فرماتے ہیں:

”تمام آدم زادوں کے لئے اَب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ وجلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دُنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے کہ خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم رُتبہ کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔ اور اس کے ہمیشہ رہنے کے لئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اس کے افاضہ تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا۔“
(کشتی نوح صفحہ

نیز فرماتے ہیں:

”وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا یعنی انسانِ کامل کو وہ ملائک میں نہیں تھا، نجوم میں نہیں تھا، قمر میں نہیں تھا، آفتاب میں بھی نہیں تھا۔ وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں بھی نہیں تھا۔ وہ لعل اور یاقوت اور زمرد اور الماس اور موتی میں بھی نہیں تھا۔ غرض وہ کسی چیز ارضی اور سماوی میں نہیں تھا صرف انسان میں تھا یعنی انسانِ کامل میں جس کا اتم اور اکمل اور اعلیٰ اور ارفع فرد ہمارے سید و مولیٰ سید الانبیاء سید الاحیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔“
(آئینہ کمالاتِ اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 160)

اپنے اردو اشعار میں حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں ؎

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دِلبر مِرا یہی ہے
اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے
سب ہم نے اس سے پایا شاہد ہے تو خدایا
وہ جس نے دن دکھایا وہ مہ لقا یہی ہے

(قادیان کے آریہ اور ہم روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 456)

آخر پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اُمت محمدیہ کی اصلاح کے لئے مانگی گئی ایک دُعا پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کیونکہ مسلمانوں کی طرف سے ہر طرح کی مخالفتوں اور دکھوں اور ایذاء رسانیوں کے باوجود محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی خاطر آپ اپنے دل کو یوں سمجھاتے ہیں ؎

اے دل تو نیز خاطر ایناں نگاہ دار
کآخر کنند دعویٰ حُبِّ پیمبرم

ترجمہ: کہ اے دل تو ان مسلمان کہلانے والوں کا بہر حال لحاظ کر کیونکہ خواہ کچھ بھی ہو آخر یہ لوگ ہمارے محبوب رسول کا دعویٰ کرتے ہیں۔

ایک موقع پر اللہ تعالیٰ کے حضور امت محمدیہ کے لئے دعا کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

”اکثر دلوں پر حُبّ دنیا کا گرد بیٹھا ہوا ہے خدا اس گرد کو اٹھا دے۔ خدا اس ظلمت کو دور کردے۔ دنیا بہت ہی بے وفا اور انسان بہت ہی بے بنیاد ہے۔ مگر

غفلت کی سخت تاریکیوں نے اکثر لوگوں کو اصلیت کے سمجھنے سے محروم رکھا ہے ...... خداوند کریم سے یہی تمنا ہے کہ اپنے عاجز بندوں کی کامل طور پر دستگیری کرے اور جیسے انہوں نے اپنے گزشتہ زمانہ میں طرح طرح کے زخم اُٹھائے ہیں ویسا ہی ان کو مرہم عطا فرمائے اور ان کو ذلیل ورسوا کرے جنہوں نے نور کو تاریکی اور تاریکی کو نور سمجھ لیا ہے اور جن کی شوخی حد سے زیادہ بڑھ گئی اور نیز ان لوگوں کو بھی نادم اور منفعل کرے جنہوں نے حضرت احدیت کی توجہ کو جوعین اپنے وقت پر ہوئی غنیمت نہیں سمجھا اور اس کا شکر ادا نہیں کیا۔ بلکہ جاہلوں کی طرح شک میں پڑے۔ سو اگر اس عاجز کی فریادیں رب العرش تک پہنچ گئی ہیں تو وہ زمانہ کچھ دور نہیں جو نورِ محمدی اس زمانہ کے اندھوں پر ظاہر ہو اور الٰہی طاقتیں اپنے عجائبات دکھلا دیں۔"

(مکتوبات احمدیہ جلد اول مکتوب نمبر 4 محررہ 9؍فروری 1883ء)

اللهم اصلح امة محمد اللهم ارحم امة محمد اللهم انزل علينا بركات محمد وصل علىٰ محمد وبارك وسلم۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

(کلام میر اللہ بخش تسنیم)

عطا کر لذّتِ سوزِ جگر یا رَبّ جوانوں کو
یقیں دے بے یقینوں کو تواں دے ناتوانوں کو

جہاں میں اِن کی تکبیروں سے ہو رنگیں سحر پیدا
بِلالی رُوح سے آباد کر اِن کی اذانوں کو

یہ ذرّے روندتی ہے آج پاؤں سے جنہیں دُنیا
اُڑا دیں گے یہی اِک دِن پہاڑوں کو چٹانوں کو

مری کشتی کو خود طوفاں سلامت لے کے نکلیں گے
سہارا آپ دے گا لُطفِ باری بادبانوں کو

لکھے جائیں گے عُنواں اَب لہو سے ہر کہانی کے
یہ خُونی عہد ہے چھیڑو نہ رنگیں داستانوں کو

تیرے ہی نام لیوا ہیں وہ ظالم یا رسولؐ اللہ
کُچلتے ہیں جو تیری آبرُو کے پاسبانوں کو

اِنہیں سے کامرانی کے گُل و رَیحاں نکلتے ہیں
نہ دیکھو دیدہِ تحقیر سے اَشکوں کے دانوں کو

بشارت دی تھی ہم کو سرورِ کونینؐ نے جس کی
وہی بدرُ الدُّجیٰ روشن کرے گا آسمانوں کو

حدی خوانی ہے ضامن کارواں کی گرم سیری کی
یہ نسخہ آج کیوں بھُولا ہوا ہے ساربانوں کو

خدا کے فضل سے وہ کارواں سالار آپہنچا
جو لے نکلے گا صحرا سے سلامت کاروانوں کو

وہ آئیں جھُومتی شاداب مُستَقبِل کی اُمیدیں
مِٹا دو راہ سے مایوس ماضی کے نشانوں کو

نہیں کوئی خریدار آج بازارِ محبت میں
نگاہیں ڈھونڈتی ہیں دلبری کے رازدانوں کو

گدا گر تیرے کُوچے کے شہنشاہوں سے کیا دَبتے
جھُکایا ہے زمینوں نے ہمیشہ آسمانوں کو

ہے جنّت کی بزرگی ساری تیری جلوہ گاہی سے
شَرَف ہوتا ہے سب حاصِل مکینوں سے مکانوں کو

مِلا ہے ہم کو وہ نورِ بصیرت فیضِ مہدی سے
اُڑا دیتا ہے جو تسنیمؔ دَم بھر میں گمانوں کو

☆☆☆☆☆☆☆☆

مسیح ابن مریم کے نزول کی علامات اور ان کی تشریح

(ادارہ)

آنے والے مسیح موعود کے آنے کے بارہ میں بعض علامات احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود ومہدی معہود علیہ السلام پر یہ علامات کیسے پوری ہوئیں؟

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب رضی اللہ عنہ جو جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ تھے،فرماتے ہیں:۔

مسیح کیلئے جو نشان آپ لوگوں نے مقرر کئے ہیں وہ زیادہ تر یہی مشہور ہیں ۔

1۔دو زرد چادروں کے ساتھ اترے گا۔ 2۔دو فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اترے گا۔ 3۔کافر اس کے دم سے مریں گے۔ 4۔ایسا معلوم ہوگا کہ ابھی ابھی حمام سے نکلا ہے اور پانی کے قطرے اس کے سر کے بالوں سے موتیوں کی طرح ٹپک رہے ہوں گے۔5۔دجال کے بالمقابل خانہ کعبہ کا طواف کریگا۔ 6۔صلیب کو توڑے گا۔ 7۔خنزیر کو قتل کریگا۔ 8۔ایک بیوی کریگا اس سے اولاد اس کیلئے ہوگی۔ 9۔دجال کو قتل کریگا۔ 10۔مسیح موعودؑ طبعی موت مرے گا اور آنحضرت کے مقبرہ میں دفن ہوگا۔

اس کی تشریح میں حضرت مسیح موعودؑ ہی کی تحریر سے پیش کرتا ہوں۔

1۔ دو زرد چادریں وہ دو بیماریاں ہیں (دیکھو کتب تعبیر الرؤیا) جو بطور علامت کے مسیح موعودؑ کے جسم کو ان کا روزِ ازل سے لاحق ہونا مقدر کیا گیا تھا تا کہ اس کی غیر معمولی صحت بھی ایک نشان ہو۔

2۔دو فرشتوں سے مراد اس کیلئے دو قسم کے غیبی سہارے ہیں جن پر اس کی اتمام حجت موقوف ہے ایک وہبی علم متعلق عقل اور نقل کے ساتھ اتمام حجت جو بغیر کسب اور اکتساب کے اس کو عطا کیا جائے گا۔دوسری اتمام حجت نشانوں کے ساتھ جو بغیر انسانی دخل کے خدا کی طرف سے نازل ہوں گے۔

3۔کافروں کو دم سے مارنا اس سے یہ مطلب ہے کہ مسیح موعودؑ کے نفس یعنی اس کی توجہ سے کافر ہلاک ہوں گے۔

4۔اور سر کے بالوں سے موتیوں کی طرح قطرے ٹپکنا اس کشف کے یہ معنی ہیں کہ مسیح موعودؑ اپنی بار بار توبہ اور تضرّع سے اپنے اس تعلق کو جو اس کو خدا کے ساتھ ہے تازہ کرتا رہیگا۔گویا وہ ہر وقت غسل کرتا ہے۔ورنہ جسمانی غسل میں کونسی خاص خوبی ہے اس طرح تو ہندو بھی ہر روز صبح کو غسل کرتے ہیں اور غسل کے قطرے بھی ٹپکتے ہیں۔

5۔اور طواف خانہ کعبہ وہ یہ ہے کہ آخری زمانہ میں ایک گروہ پیدا ہوگا جس کا نام دجال ہے وہ اسلام کا سخت دشمن ہوگا۔اور وہ اسلام کو نابود کرنے کیلئے جس کا مرکز خانہ کعبہ ہے چور کی طرح اس کے گرد طواف کریگا تا اسلام کی عمارت کو بیخ و بُن سے اکھاڑ دے۔اس کے مقابل پر مسیح موعودؑ بھی مرکز اسلام کا طواف کریگا جس کی تمثیلی صورت خانہ کعبہ ہے اور اس طواف سے مسیح موعودؑ کی غرض یہ ہوگی کہ اس چور کو پکڑے جس کا نام دجال ہے اور اس کی دست درازیوں سے مرکز اسلام کو محفوظ رکھے۔

6۔اور صلیب توڑنے سے یہ سمجھنا کہ صلیب کی لکڑی یا سونے چاندی کی صلیبیں توڑ دی جائیں گی یہ سخت غلطی ہے۔اس قسم کی صلیبیں تو ہمیشہ اسلامی جنگوں میں ٹوٹتی رہی ہیں۔ بلکہ اس سے مطلب یہ ہے کہ مسیح موعودؑ صلیبی عقیدہ کو توڑ دیگا۔اور بعد اس کے دنیا میں صلیبی عقیدہ کا نشوونما نہ ہوگا۔۔۔اس کا اقبال صلیب کے زوال کا موجب ہوگا۔اور صلیبی عقیدہ کی عمر اس کے ظہور سے پوری ہو جائے گی۔اور خود بخود لوگوں کے خیالات صلیبی عقیدہ سے بیزار ہوتے چلے جائیں گے۔جیسا کہ آج کل یورپ میں ہو رہا ہے۔

7۔اور یہ پیشگوئی کہ خنزیر کو قتل کریگا۔یہ ایک نجس اور بدزبان دشمن کو مغلوب کرنے کی طرف اشارہ ہے اور اس کی طرف اشارہ ہے کہ ایسا دشمن مسیح موعودؑ کی دعا سے ہلاک کیا جاوے گا۔

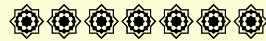
8۔مسیح کی اولاد ہوگی یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا اس کی نسل سے

ایک ایسے شخص کو پیدا کریگا جو اس کا جانشین ہوگا اور دین اسلام کی حمایت کریگا۔

9۔ دجال کو قتل کریگا اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے ظہور سے دجالی فتنہ روبزوال ہو جائے گا اور خود بخود کم ہوتا جائے گا۔ اور دانشمندوں کے دل توحید کی طرف پلٹا کھا جائیں گے۔

10۔ مسیح موعودؑ بعد وفات کے آنحضرت ﷺ کی قبر میں داخل ہوگا۔ اس کے یہ معنی کرنا کہ نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کی قبر کھودی جائے گی۔ یہ جسمانی خیال کے لوگوں کی غلطیاں ہیں جو گستاخی اور بے ادبی سے بھری ہوئی ہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ مسیح موعودؑ مقام قرب میں آنحضرت ﷺ سے اس قدر قریب ہوگا کہ موت کے بعد آنحضرت ﷺ کے قرب کا رُتبہ اس کو ملے گا۔ اور اس کی روح آنحضرت ﷺ کی روح سے جا ملے گی گویا ایک ہی قبر میں ہیں۔

(خدا کے فرستادہ پر ایمان لاؤ۔ انوار العلوم جلد 1 ص 409-410)



نام نہاد علماء کی علمی موت کا ثبوت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم کے ساتھ آسمان پر جانا اور واپس آنا ایک ایسا عقیدہ ہے جس پر کوئی دلیل قرآن اور حدیث سے نہیں ملتی اور یہی مصیبت آج کے علماء کو پریشان کرتی ہے چاہے وہ مقلد ہوں یا غیر مقلد، دیوبندی ہوں یا بریلوی، اہل حدیث ہوں یا شیعہ، جب بھی کوئی شخص ان سے اس بارے میں قرآن یا حدیث سے دلیل مانگتا ہے تو یہ پریشان ہو جاتے ہیں اور بات کو بدل دیتے ہیں، ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا جب ایک شخص بریلوی مسلک کے بانی مولانا احمد رضا خان کے بیٹے مولانا حامد رضا خان کے پاس آیا اور سوال کیا کہ

”کوئی حدیث مرفوع متصل اس مضمون کی عنایت فرمائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بجسدہ العنصری و بحیات جسمانی آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور کسی وقت میں بعد حضرت خاتم النبیین ﷺ آسمان سے رجوع کریں گے اور اس دوبارہ رجوع میں وہ نبی نہ رہیں گے اور وہ نبوت یا رسالت سے خود مستعفی ہوں گے یا ان کو خدا تعالیٰ اس عہدہ جلالیہ سے معزول کر کے امتی بنا دے گا تو پہلے تو کوئی آیت بشروط متذکرہ بالا ہونی چاہیے اور بعد اس کے کوئی حدیث تا کہ ہم اس حالت تذبذب سے بچیں اور جو آیت ہو اس میں لفظ حیات ہو خواہ کسی صیغے سے ہو۔ یہاں کئی صاحب ایسے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر گفتگو کرتے ہیں اور **متوفيك** و **فلما توفيتني** دو آیت پیش کرتے ہیں اور ان دونوں آیتوں کا ترجمہ حضرت رسول خدا ﷺ و ابن عباسؓ سے پیش کرتے ہیں اور سند میں صحیح بخاری اور اجتہاد بخاری موجود کرتے ہیں، اب آپ ان آیتوں کے ترجمے جو کسی صحابی یا رسول اللہ ﷺ سے منقول ہوں اور صحیح بخاری میں موجود ہوں عنایت فرمائیے اور دونوں طرف روایتیں ہر قسم کی موجود ہیں ہم کو صرف قرآن شریف سے ثبوت چاہیے جس کے تواتر کے برابر کوئی تواتر نہیں ہے۔“

(جامع الفتاویٰ جلد دوم صفحہ ۱۹، مرتبہ مولانا محمد اسلم علوی قادری رضوی)



بسم اللہ الرحمن الرحیم
لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة
(ہزاروں مسائل کی معلومات کا خزینہ)
جامع الفتاویٰ
حصہ اول — تا — ہشتم
از
افادات مجدد اسلام شاہ احمد رضا خانصاحب بریلوی قدس سرہ
حجۃ الاسلام حضرت شاہ حامد رضا خانصاحب بریلوی قدس سرہ
صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین صاحب مرادآبادی قدس سرہ
مناظر اسلام حضرت مولانا نظام الدین صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ
مرتبہ
مولانا محمد اسلم علوی قادری رضوی
الناشر
سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ ڈجکوٹ روڈ لائلپور

بس پھر کیا تھا مولانا حامد رضا خان بریلوی تو پریشان ہو گئے اور بات کو کیسے بدل گئے وہ بھی دیکھنے کے لائق ہے۔



تفسیر حضرت مسیح موعودؑ کے مطالعہ کی تحریک

حضرت مسیح موعودؑ کی تفسیر کتابی شکل میں یکجا نہیں تھی اس لئے 1969ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اپنی براہ راست نگرانی میں حضرت مسیح موعودؑ کی کتب، ملفوظات، مکتوبات اور اشتہارات وغیرہ میں بیان فرمودہ تفسیری نکات اور آپ کے ارشادات کو قرآن مجید کی ترتیب کے مطابق یکجا کروا کر شائع کرنے کا انتظام فرمایا۔ چنانچہ آپؒ کی زندگی میں سورۃ فاتحہ سے لے کر سورۃ کہف تک یعنی 15 پاروں سے زائد کی تفسیر پانچ جلدوں میں نہایت اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر شائع ہوئی اور اب سارے قرآن کی تفسیر شدہ آیات کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہیں۔

تفسیر مسیح موعود کی پہلی جلد جو تفسیر سورۃ فاتحہ پر مشتمل تھی جون 1969ء میں شائع ہوئی۔ حضور نے احباب کو اس سے مستفیض ہونے کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ ہر احمدی کو غور کے ساتھ اس پہلی جلد کو پڑھ لینا چاہئے اور اس نیت سے پڑھنا چاہئے کہ قرآن کریم سارے کا سارا اس اجمال کی تفصیل ہے۔ اگر کسی شخص کی عقل اور سمجھ اور اس کی محبت ان علوم پر حاوی ہو جائے جو سورۃ فاتحہ میں بیان ہوئے ہیں تو قرآن کریم کے بہت سے مطالب اس کے لئے آسان ہو جائیں گے...... اسے بار بار پڑھیں جو شخص چار پانچ دفعہ اس کو غور سے پڑھ جائے اس کے لئے مضمون سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

(خطبات ناصر جلد 2 صفحہ 693)

تفسیر حضرت مسیح موعودؑ بھی پڑھنی ضروری ہے

حضور نے مجلس مشاورت 1980ء میں فرمایا:

''آئندہ دس برس کے اندر ہر احمدی قرآن کریم کی تعلیم اپنی عمر کے مطابق سیکھے۔ یہ کام خدام الاحمدیہ، انصار اللہ، لجنہ اماء اللہ کے ذمہ ہے۔ خدام نے کام شروع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو احسن انجام تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ لجنہ کی رپورٹ آ چکی ہے۔ کراچی میں مَیں نے 7 مارچ کے خطبہ جمعہ میں یہ اعلان کیا تھا کہ پہلے مرحلہ میں ہر احمدی گھرانے میں ایک تفسیر صغیر کا ہونا ضروری ہے۔ دوسرے حضرت مسیح موعودؑ کی بیان فرمودہ تفسیر قرآن بھی پڑھنی ضروری ہے۔ سورۃ کہف تک پانچ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں انصار اللہ اور لجنہ اماء اللہ کو یہ ہدایت دی تھی کہ وہ ان کے خریدنے کے لئے اپنی اپنی کلب بنائیں اور جماعت ایک کمیٹی بنائے جو ان ہر سہ تنظیموں میں Co-ordination پیدا کرے اور یہ دیکھے کہ ایک کتاب ایک گھر میں چار راستوں سے داخل نہ ہو۔ خدام الاحمدیہ کی تنظیم اگر اپنے خادم کو دے تو پھر لجنہ کو یا انصار کو یا جماعتی لحاظ سے اس گھر میں اس کتاب کو پہنچانے کی اس مرحلہ میں ضرورت نہیں۔ یہ جو سکیم میں نے کراچی سے شروع کی تھی۔ آج اس میں وسعت پیدا کر رہا ہوں اور اس سے ساری جماعت کے لئے دینی تعلیم سکھانے کی بنیاد بنا رہا ہوں۔ یہ سکیم اس سال مکمل ہو جانی چاہئے۔''

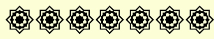
(الفضل 18 / اکتوبر 1980ء صفحہ 1)

غزل



منور احمد کنڈے

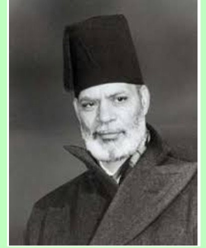
سینے میں اُلفتوں کا خزانہ پڑا ہے بند
اشکوں کا چشم عبد میں دریا پڑا ہے بند
مفلس نے خط جو لکھا تھا اک التجا بھرا
حاکم کی میز پر وہ لفافہ پڑا ہے بند
نورِ یقین کس طرح اُترے گا میرے چاند
دل کے مکان کا تو دریچہ پڑا ہے بند
سارے ہی راز درد کے مدفون ہیں جہاں
کیونکر وہ فکر و جذب کا کمرہ پڑا ہے بند
سجدوں سے اس کے ماتھے پہ محراب ہے بنی
دیتی نہیں دکھائی وہ چہرہ پڑا ہے بند
اک بے خطا کے خواب منورؔ میں شب بہ شب
قیدی ہے اک ضمیر کا تنہا پڑا ہے بند



کوئی چارہ نہیں اب دعا کے سوا۔(رجل خوشاب)

پہلی جنگ عظیم میں 1918ء میں جرمنی نے اپنی تمام طاقت جمع کر کے اتحادی فوجوں پر حملہ کر دیا۔تو اس وقت انگریز فوجوں پر یا اتحادی فوجوں پر ایک ایسا وقت آیا کہ کوئی صورت ان کے بچاؤ کی نہیں تھی۔سات میل لمبی دفاعی لائن ختم ہوگئی۔فوج کا کچھ حصہ ایک طرف سمٹ گیا، کچھ حصہ دوسری طرف سمٹ گیا۔اور اس میں اتنا خلاء پیدا ہو گیا کہ جرمن فوجیں بیچ میں سے آسانی سے گزر کر پچھلی طرف سے آ کے حملہ کر سکتی تھیں اور انگریز فوج کو تباہ کر سکتی تھیں۔اس وقت محاذ پر جو جرنل تھا اس نے کمانڈر اِنچیف کو اطلاع دی کہ میرے پاس اتنی فوج نہیں ہے۔یہ صورتحال پیدا ہو چکی ہے۔اس ٹوٹی ہوئی صف کو درست کرنا اب میرے بس میں نہیں رہا۔یہ ایسا وقت تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ آج ہماری فوج تباہ ہو جائے گی اور انگلستان اور فرانس کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ایسے وقت میں جب وہاں کمانڈر کی تار پہنچی ہے، انتہائی بے بسی کی حالت کی تار کہ بس اب تباہی آئی کہ آئی۔تو جب کمانڈر کی یہ تار پہنچی تو اس وقت وزیر اعظم وزراء کے ساتھ میٹنگ میں بیٹھا تھا۔کوئی اہم مشورہ ہو رہا تھا۔اس وقت جب اطلاع پہنچی تو وزیر اعظم کر ہی کیا سکتا تھا۔ایک تو کوئی زائد فوج موجود نہیں تھی اور اگر ہوتی بھی تو اتنی جلدی اس جگہ فوج بھیجی نہیں جا سکتی تھی۔یورپ کا مذہب بیشک عیسائیت ہے لیکن اگر اسے اندر سے دیکھا جائے، چھان بین کی جائے تو بالکل کھوکھلا ہے اور عملاً لوگوں کی اکثریت مادہ پرست اور دہریہ ہیں۔اور اِس زمانہ میں تو اسّی فیصد عملاً دہریہ ہونے کا اعلان بھی کرتے ہیں۔لیکن بہرحال اس وقت وہ مادہ پرست یورپ جس کی نگاہ عموماً خدا تعالیٰ کی طرف نہیں اٹھتی تھی، اپنے وسائل پر ان کو بڑا گھمنڈ اور مان تھا اور ایسا طبقہ جو حکومت کر رہا ہو اسے تو ویسے بھی اپنی طاقت اور قوت پر بڑا گھمنڈ ہوتا ہے۔ان میں خدا تعالیٰ کا خانہ صرف نام کا ہی ہوتا ہے۔تو ان کے اس وقت سب سے بڑے لیڈر، سردار نے جو اپنی طاقت اور قوت اور شان وشوکت کے فخر میں مست رہتا تھا اور ان کو یقین تھا کہ ہماری اتحادی فوجیں ہیں اب ہم جیت جائیں گے، اس نے بھی محسوس کیا کہ اس وقت کوئی ظاہری مدد نہیں ہو سکتی جو ہمیں اس مصیبت سے نجات دلا سکے۔اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا کہ آؤ ہم خدا تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہماری مدد کرے۔چنانچہ سب گھٹنوں کے بل جھک کر دعا کرنے لگے۔ کیا تعجب ہے کہ وہ اس دعا کے نتیجہ میں ہی اس تباہی سے بچ گئے ہوں۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مشکل وقت میں ہر دوسری ذات تمہارا ساتھ چھوڑ جاتی ہے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے جو ساتھ رہتی ہے، جو کام آتی ہے۔بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اضطرار میں کی گئی جو دعائیں ہیں وہ قبول ہوتی ہیں چاہے دہریہ بھی دعا مانگ رہا ہو۔اللہ تعالیٰ دہریوں کو بھی اپنی ہستی کا ثبوت دینے کے لئے بعض دفعہ نشان دکھاتا ہے۔اگر اس کی قسمت میں ہو تو وہ نشان ہی اس کی عاقبت سنوارنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور آجکل بھی ایسے کئی واقعات ہوتے ہیں کہ دہریہ کسی نشان کو دیکھ کر خدا تعالیٰ پر یقین لے آتے ہیں۔ہاں اگر کوئی کسی نبی یا اس کی جماعت کا مقابلہ کرے اور پھر چاہے وہ جتنی بھی اضطرار کی حالت میں دعائیں کر رہا ہو پھر وہ قبول نہیں ہوتیں کیونکہ یہ دعا اللہ تعالیٰ کی اس تقدیر کے خلاف ہے جس نے ہو کر رہنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اس کے انبیاء نے کامیاب ہونا ہے۔بہرحال جرمنی اور انگلستان کی لڑائی میں تو دونوں فریق ایک ہی جیسے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک کی عاجزی سے کی گئی دعا کو سن لیا اور ایسے سامان پیدا ہوئے کہ جرمن فوج کو خبر نہ ہوسکی کہ ان کے سامنے کی صف ٹوٹ چکی ہے۔اس وجہ سے انہوں نے اس صف کے ٹوٹے ہوئے ہونے سے فائدہ نہیں اٹھایا۔اس کا مزید یہ بھی واقعہ ہے کہ اس وقت صرف یہ نہیں ہوا تھا کہ جرمنوں کو پتا نہیں چلا اس لئے جنگ کا پانسا ان کے حق میں نہیں پلٹا بلکہ کمانڈر اِنچیف نے ایک افسر کو بلا کر کہا جس پر اس کو یقین تھا کہ یہ بڑے کام کا آدمی ہے اور کوئی نہ کوئی تدبیر نکال لے گا کہ مجھ سے زیادہ سوال نہ کرنا۔میدان جنگ کی یہ صورتحال ہے۔وہاں فوج کوئی نہیں ہے۔صف ٹوٹ چکی ہے۔راستہ خالی ہے۔اب جاؤ اور کوئی انتظام کرو کہ عارضی طور پر کسی طرح کوئی صف بندی ہو جائے۔وہ افسر بجائے اس کے کہ کمانڈر اِنچیف سے یہ سوال کرتا کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ یہ صف جوڑی جا سکے جب کہ فوجیں اِدھر اُدھر ہو چکی ہیں اور کوئی ذریعہ نہیں، اپنی گاڑی میں بیٹھا۔سیدھا اس جگہ گیا جہاں غیر فوجی کارکن فوج کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کام کر رہے ہوتے ہیں۔وہ وہاں گیا اور اس نے ان کو جمع کیا اور کہنے لگا کہ تمہیں ملک کی خدمت کا بڑا شوق ہوتا تھا اور فوج کو لڑتا دیکھ کر تمہارے جذبات بھی بھڑکتے تھے، دل میں تمنا پیدا ہوتی تھی کہ ہم بھی ملک اور قوم کے کام آسکیں تو آؤ آج موقع ہے۔آگے بڑھو اور صف بندی کرو۔جو تھوڑا بہت اسلحہ تھا انہیں دیا۔وہ ہزاروں کی تعداد میں جو کارکن تھے ان کو لے گیا اور وہاں کھڑا کر دیا۔اور بہرحال اس طرح چوبیس گھنٹے گزر گئے اور اس عرصہ میں دوسرے علاقے سے فوج سمٹ کر وہاں پہنچ گئی۔

(ماخوذ از خطبات محمود جلد 12 صفحہ 120 تا 122)



قاضی محمد یوسف صاحب علوی عباسی کے سوال کا جواب

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے قلم سے

تلخیص وترتیب: شہزادہ قمرالدین مبشر۔گلاسگو سکاٹ لینڈ



حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے ایک تاریخی انٹرویو کے بارے میں محترم شیخ مبارک احمد صاحب سابق امام فضل مسجد لندن 7 نومبر 1981ء کو اس انٹرویو کا پس منظر بیان کرتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں۔

''ہفت روزہ راوی میں جو بریڈ فورڈ سے شائع ہوتا ہے۔مخدومی ومحترمی حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا انٹرویو جولائی اور اگست 1981ء کے پرچوں میں بالاقساط چھپتا رہا۔ 24 جولائی 1981ء کے پرچہ میں ابوالامام محمدؐ یوسف قاضی علوی عباسی صاحب کا ایک خط مخدومی حضرت چوہدری صاحب کے نام چھپا جس کے دوران انہوں نے لکھا:

''خدا کیلئے تنہائی میں سوچیں، اور فرصت کے لحات میں غور فرمائیں۔قبل اس کے کہ موت آجائے۔کیا آپ کا عقیدہ صحیح ہے۔کس طرح صحیح ہے؟ کیا سند ہے آپ کے پاس؟۔''

اِس خط کے جواب میں حضرت چوہدری صاحب نے 20 جولائی 1981ء کو ایڈیٹر صاحب راوی کے نام ایک خط لکھا جسے راوی نے 6 نومبر 1981ء کے پرچہ میں شائع کیا گیا لیکن اس میں سے وہ حصہ جو معترض صاحب کے اس مطالبہ کے جواب میں تھا کہ:

''چوہدری صاحب! خدا کے لئے تنہائی میں سوچیں اور فرصت کے لحات میں غور فرماویں۔قبل اس کے کہ موت آجائے۔کیا آپ کا عقیدہ صحیح ہے؟ کیا سند ہے آپ کے پاس؟' حذف کردیا گیا چونکہ ایڈیٹر صاحب راوی نے معترض صاحب کا مطالبہ شائع کیا تھا۔ان کا فرض تھا کہ اس مطالبہ کا جواب بھی شائع کرتے تاکہ پڑھنے والوں کی طبیعت پر یہ اثر باقی نہ رہے کہ چوہدری صاحب کے پاس اپنے عقیدہ کی تائید میں کوئی معقول دلیل یا پختہ سند نہیں۔''

ایڈیٹر صاحب راوی کی اس منصبی فروگذاشت کے اثر کو رفع کرنے کی خاطر ہم مخدومی حضرت چوہدری صاحب کا ایڈیٹر صاحب''راوی'' کے نام 20 جولائی 1981ء کا لکھا ہوا خط پورے کا پورا ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

راوی کے پرچوں پر تاریخ کے ساتھ ایڈیٹر صاحب کی کسی مصلحت کی وجہ سے اصل تاریخ سے ایک ہفتہ پیشتر کی تاریخ چھپتی ہے۔اسی وجہ سے 24 جولائی 1981ء کے پرچہ میں معترض صاحب کا خط 17 جولائی 1981ء کو چھپا اور اس کا جواب مخدومی چوہدری صاحب نے 20 جولائی 1981ء کو لکھا:

شیخ مبارک۔امام مسجد لندن

16 گریسن ہال روڈ ایس ڈبلیو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب''راوی''

ہفت روزہ راوی کے 24 جولائی 1981ء کے پرچہ میں صفحہ 6 کے چوتھے اور پانچویں کالم میں جناب ابو الامام محمدؐ یوسفؔ قاضی علوی عباسی صاحب کا ایک خط خاکسار کے نام چھپا ہے۔صاحب موصوف کے اس والا نامہ کے جواب میں چند معروضات ارسالِ خدمت ہیں۔گذارش ہے کہ آپ ازراہِ نوازش''راوی'' کی قریب ترین اشاعت میں انہیں شائع کرکے خاکسار کو ممنون فرمائیں:

مکرمی جناب ابوالامام محمدؐ یوسف قاضی علوی عباسی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا والا نامہ خاکسار کے نام جو ہفت روزہ''راوی'' بریڈفورڈ کی 24 جولائی 1981ء کی اشاعت میں چھپا ہے خاکسار نے پوری توجہ سے پڑھا ہے اور اس پر غور کیا ہے۔

خاکسار اپنے تئیں کسی تعریف کا مستحق شمار نہیں کرتا۔آپ نے جو تعریفی کلمات اس عاجز کی نسبت رقم فرمائے ہیں خاکسار ان کیلئے آپ کا ممنون ہے۔ جزاکم اللہ خیراً۔

اگر یہ عاجز کوئی خدمت ملک یا قوم یا دین یا بنی نوع انسان کی بجائے لا سکا تو یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق اور اس کے فضل کا نتیجہ تھا۔

یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ جیسے آپ نے لکھا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک جھونپڑی میں رہا کرتے تھے، البتہ قرآن کریم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت نے اُن کی پرورش فرعون کے محلّات میں کی تھی۔ لیکن میں یہ ہرگز نہیں بھولتا اور یہ حقیقت میری نظر سے کبھی اوجھل نہیں ہوتی کہ افضل الرسل خاتم النبیین محبوب رب العالمین محمد مصطفیٰ ﷺ مدینہ شریف میں جھونپڑیوں میں ہی اپنی طیب زندگی بسر فرمایا کرتے تھے۔

حضور ﷺ ہی شفیع المذنبین ہیں ۔ نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شفاعت ہی اللہ تعالیٰ کے حضور مقبول ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ آپ کو افسوس ہے کہ اس ناچیز کو عمر بھر یہ سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملی کہ آپ کس عقیدہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیا میں بادب درخواست کر سکتا ہوں کہ آپ نے کیسے فرض کر لیا کہ مجھے عمر بھر یہ سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملی کہ میں کس عقیدہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ یہ بات واقعہ میں بالکل غلط ہے کیونکہ آپ کو میرے عقیدہ سے اختلاف ہے۔ اس لئے آپ نے فرض کر لیا کہ میں نے اپنے عقیدہ پر کبھی سوچا نہیں۔ یہ فقرہ خود ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا مقصد حق کی تائید نہیں صرف یہ ظاہر کرنا مقصد ہے کہ جس عقیدہ پر آپ قائم ہیں اس کے علاوہ سب کچھ غلط ہے اور جن لوگوں کو آپ کے عقیدہ سے اختلاف ہے وہ بے سمجھ ہیں اور سوچتے نہیں۔ میں بفضلِ اللہ اپنے عقیدہ پر علی وجہ بصیرت قائم ہوں جس کا کچھ اندازہ آپ اس عریضہ کے مطالعہ سے کر سکیں گے۔

پھر میرے عقیدہ کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ اس کی کڑیاں مکڑی کے جالے سے بھی کمزور اور بودا ہیں۔ ایک بے معنی اور ناپائیدار عملوں کا مجسمہ ہے ۔حقیقت سے بہت دُور۔ آپ کا یہ اندازہ بھی محض اختلافِ عقیدہ کا نتیجہ ہے۔ کسی سوچ اور فکر کا نتیجہ نہیں۔ جیسے آگے چل کر ظاہر ہو جائے گا۔

پھر آپ رقم طراز ہیں: ”اب آپ ماشاء اللہ بقیدِ حیات ہیں اور ہمارے بزرگ سیاست دان ہیں۔ خدا کے لئے تنہائی میں سوچیں اور فرصت کے لمحات میں غور فرماویں کہ قبل اس کے کہ موت آجائے۔ کیا آپ کا عقیدہ صحیح ہے؟ کس طرح صحیح ہے؟ کیا سند ہے آپ کے پاس؟

جیسے میں عرض کر چکا ہوں میں بفضلِ اللہ اپنے عقیدہ پر علیٰ وجہ البصیرت قائم ہوں اور میرا عقیدہ یہ ہے:

اول: اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اپنی ذات میں بھی اور صفات میں بھی۔

دوم: محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول محبوب، افضل الرسل خاتم الانبیاء ہیں جن کی کامل تابعداری سے اللہ تعالیٰ کی محبت عطا ہوتی ہے۔

سوم: قرآن کریم کا ہر لفظ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے۔ جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔ یہ کتاب اللہ کامل ہدایت پر مشتمل ہے نہ اس میں کوئی کمی ہے نہ اس میں کوئی زیادتی ہے۔ نہ کچھ اس سے کم کیا جا سکتا ہے۔ نہ کچھ اس پر بڑھایا جا سکتا ہے۔

چہارم: مجھے جملہ انبیاء پر ایمان ہے کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تھے۔ وہ بھی جن کے اسمائے مبارکہ قرآن کریم میں درج ہیں اور وہ بھی جن کے نام درج نہیں۔ جن پر بحیثیت مجموعی ایمان لانا ضروری ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں اللہ تعالیٰ کے فرشتوں، موت کے بعد جی اُٹھنے اور حیاتِ آخرت پر ایمان ہے۔ میرا ایمان ہے کہ نیکی اور بدی کی تمام قدر اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ آپ نے کس وجہ سے میرے عقیدے کے متعلق لکھ دیا کہ:

اس کی ”کڑیاں مکڑی کے جالے سے بھی کمزور ہیں اور یہ ایک بے معنی اور ناپائیدار عملوں کا مجسمہ ہے اور حقیقت سے بہت دور“

میں قیاس کرتا ہوں کہ آپ نے میرے عقیدہ پر یہ الفاظ اس لئے چسپاں کر دیئے ہیں کہ مجھے حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے دعوے پر ایمان ہے۔ اگر اسی وجہ سے آپ نے یہ الفاظ میرے عقیدہ پر چسپاں کئے ہیں تو اس کی وضاحت پر غور فرمائیں اور سوچیں اور اللہ تعالیٰ سے ہدائت کے طالب ہوں کیونکہ وہی حقیقی ہادی اور راہ نما ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام کا کیا دعویٰ تھا؟ آپ کا بنیادی دعویٰ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ کلام کرتا ہے۔ اگر آپ اس دعوے میں سچے تھے اور یقیناً سچے تھے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں جو ان پر

نازل ہوا جو مقام ان کا بیان کیا گیا ہے اُسے صحیح تسلیم کیا جائے۔ اگر نعوذ باللہ آپ اپنے اس دعویٰ میں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ کلام کرتا ہے سچے نہیں تھے تو پھر کسی اور امر کی نسبت تحقیق اور غور وخوض کی حاجت نہیں رہتی۔

اب آپ کے اس دعویٰ کی سچائی کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ کلام کرتا تھا، کس قطعی معیار کے ساتھ متحقق ہو سکتی ہے یہ معیار بڑے واضح اور زوردار الفاظ میں قرآن کریم میں بیان شدہ ہے۔ اس میں آپ کی رائے یا میری رائے یا کسی اور کی رائے کا دخل نہیں اور اس معیار کے مقابلہ پر سب آراء غیر متعلق ہیں۔ آپ کو قرآن کریم پر ایمان ہے اور جو کچھ قرآن کریم میں فرمایا گیا اس کے آپ اور ساری اُمتِ محمدیہ پابند ہیں اور وہ معیار یہ ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ○ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ○ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ○ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ○ (سورۃ الحاقہ آیت 45-48)

یہ اللہ تعالیٰ کا واضح اور قاطع فرمان ہے اور الٰہی قانون ہے کہ مفتری اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکتا۔

اب یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کا دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ کلام کرتا ہے اور کثرت سے کلام کرتا ہے اور اس دعویٰ پر آپ بتیس سال سے زیادہ عرصہ تک قائم رہے اور یہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر فضل کیا۔ عنائت پر عنائت کی اور جس سلسلہ کی آپ نے بنیاد رکھی وہ آپ کے فرد واحد سے شروع ہو کر آج ایک کروڑ سے زائد مخلص مومنین کو اپنی لڑیوں میں پروئے ہوئے ہے۔ اور یہ تعداد ہر روز بڑھ رہی ہے۔

اگر نعوذ باللہ آپ اپنے دعویٰ میں مفتری تھے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کیونکر بچے۔ یہاں مسائل کی بحث کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فعل واضح ہے اور ناقابل تردید شہادت ہے۔ آپ کی سچائی کی اور یہ ہے محکم سند۔ میرے آپ پر ایمان لانے کی۔

پھر اس پر بس نہیں اگر نعوذ باللہ آپ مفتری تھے تو بڑے دلیر اور جرأتمند مفتری تھے۔ آپ کا دعویٰ صرف یہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کثرت سے آپ پر نازل ہوتا ہے۔ اس کلام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ بڑے بڑے وعدے کئے اور وہ کلام عظیم الشان پیشگوئیوں کا حامل تھا۔ جو اپنے اپنے وقت پر روز روشن کی طرح پوری ہوتی گئیں اور اب تک پوری ہوتی چلی جارہی ہیں۔ اُن میں سے میں دو تین کی طرف آپ کو توجہ دلاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے رسولِ ﷺ کی حفاظت کا ذمہ ان الفاظ میں لیا تھا۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ آیت 8)

انہیں الفاظ میں اپنی وحی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی حفاظت کا وعدہ بھی فرمایا۔ اگر آپ اپنے اس دعوے میں سچے نہیں تھے تو یقیناً آپ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مورد ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ نے حیرت انگیز طریق پر آپ کی حفاظت فرمائی۔ اور ہر خطرہ اور ہر معاندانہ کوشش کے مقابلہ پر اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ یہ دو زبردست ثبوت ہوئے۔

تیسرے: رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ آپ اپنے مخالفین کو اس حقیقت کی طرف توجہ دلائیں۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ (یونس: 17)

یعنی رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی ایک قوی دلیل یہ تھی کہ نزول وحی سے پہلے آپ کی تمام زندگی نہایت پاکیزہ اور طیبہ تھی اور یہ ایک خلاف عقل بات ہے کہ وہ شخص جس کی زندگی چالیس برس تک نیکی اور صداقت کی اعلیٰ درجہ کی مثال رہی ہو اور جس نے تمام عمر کبھی انسانوں کے متعلق جھوٹ نہ بولا ہو وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچنے پر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کا مجرم ہوگا؟ یہ دلیل رسول کریم ﷺ کی صداقت کا ناقابل تردید ثبوت پیش کرتی ہے۔ یہی ارشاد اللہ تعالیٰ کا حضرت مرزا صاحب کو ہوا کہ آپ اپنے دعوے سے پہلے کی زندگی کو اپنی صداقت کے ثبوت کے طور پر پیش کریں۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔

(یونس: 17)

ارشاد خداوندی کی تعمیل میں آپ نے یہ دلیل پیش کی اور گو آپ کو گالیاں دی گئیں اور بُرا بھلا کہا گیا اور صریح طور پر جھوٹے الزام عائد کئے گئے۔ لیکن آپ کی قبل از دعویٰ زندگی میں سے کوئی شہادت ایسی نہیں پیش کی گئی جس سے یہ ثابت ہو کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے امر کی خفیف سے خفیف نافرمانی کی ہو۔ یا کبھی جھوٹ بولا ہو۔ یہ بھی آپ کے دعوے کی سچائی کا

ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

چوتھے: آپ کے دعوے کے ابتدائی ایام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچادوں گا۔'' اللہ تعالیٰ نے جس وقت یہ بشارت آپ کو دی آپ اکیلے تھے اور ہندوستان کے سب سے غیر معروف صوبے کے ایک غیر معروف قصبہ میں آپ کی رہائش تھی اور آپ کی طرز زندگی ایسی سادہ تھی کہ سوائے چند افراد کے جنہیں آپ کی صحبت کا موقعہ میسر آتا تھا قصبہ کے باقی اہالیان کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ کوئی شخص بنام مرزا غلام احمد قصبہ میں بستا ہے۔ اس قصبہ میں ایک دیہاتی ڈاکخانہ تو تھا لیکن قریب ترین تار گھر اور ریلوے سٹیشن گیارہ میل دُور تھے۔ نزدیک ترین مطبع 35 میل دور امرتسر میں تھا۔ قادیان سے بٹالہ جانے والی سڑک کچی تھی، جس میں جابجا گڑھے تھے، جس پر سفر یا پیدل ہوتا تھا یا پرانے قسم کے یکوں پر کیا جاتا تھا۔ اکثر بار یکہ اُلٹ جاتا تھا اور سواریوں کو ضربات پہنچتی تھیں۔ خود میں نے جب قادیان آنا جانا شروع کیا۔ اُس وقت بھی سڑک کی یہی کیفیت تھی۔ سردیوں کے موسم میں بٹالہ سے قادیان کا پیدل سفر زیادہ محفوظ اور کم تکلیف دہ تھا۔ اور یکے کے سفر سے وقت کا زیادہ طالب نہیں تھا ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی اس بشارت کو آپ کے مخالفین نے ایک دیوانے کی بڑ قرار دیا۔ اس پر ہنسی کی اور اسے نظرِ تحقیر سے دیکھا۔ آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ احمدیہ کی شاخیں زمین کے کناروں تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اور آئے دن ان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ مثال کے طور پر جزائر فیجی جو یہاں سے انتہائی بعید نصف کرّہ ارض کے فاصلہ پر واقع ہیں سلسلہ احمدیہ کی متعدد شاخوں سے متمتع ہیں۔ براعظم امریکہ کے شمالی اور جنوبی دونوں حصوں میں سلسلہ احمدیہ کی کثیر شاخیں ہیں مثلاً کیوبک، مانٹریال، ٹورانٹو، کالگری، سسکاٹون، وینکوور اور سان فرانسسکو، لاس اینجلز، شکاگو، ڈیٹن، بوسٹن، نیویارک اور واشنگٹن، یوسٹن، ٹرینیڈاڈ، جارج ٹاؤن، برازیل اور چند دیگر مقامات پر جماعتیں موجود ہیں جن کی تعداد بڑھتی چلی جارہی ہے۔ افریقہ اور ایشیاء کے اکثر ممالک میں سلسلہ احمدیہ کی شاخیں اور مراکز قائم ہوچکے ہیں یہ تمام وسعت محض انسانی کوشش کا نتیجہ نہیں تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی تائید کے نشانات اور ثبوت ہیں۔

بے شک مخالفت ہے اور شدید مخالفت ہے۔ افراد جماعت کو دُکھ دیا جاتا ہے۔ جائیدادیں برباد کی جاتی ہیں۔ قتل کئے جاتے ہیں۔ فتوؤں کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ پاکستان کی پارلیمنٹ کے ریزولیوشن میں ہمیں ''ناٹ مسلم'' قرار دے دیا گیا ہے۔ طرح طرح کی پابندیاں ہم پر عائد کی گئی ہیں۔ حال ہی میں ہمارے شائع کردہ اُردو ترجمہ قرآن کریم کو بلا وجہ ضبط کرلیا گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کی ترقی روکی نہیں جاسکتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اس کی تائید اونصرت کا ثبوت ہے۔

پاکستان کی پارلیمنٹ نے ہمیں ''ناٹ مسلم'' قرار دینے کا ریزولیوشن 7 ستمبر 1974ء کے دن پاس کیا۔ جس سے غیر از جماعت لوگوں میں ایک زبردست جستجو پیدا ہوئی۔ کثیر تعداد میں تحقیق حق کیلئے ربوہ وفود آنے شروع ہوئے آنے والوں میں بہت سے لوگ جماعت میں شامل ہونے لگے۔ نئے شامل ہونے والے احباب نے پورے طور پر مسائل کی تحقیق بھی کی لیکن اُن میں سے ایک بڑی تعداد نے جماعت میں شامل ہونے کا فیصلہ خوابوں اور رویاء کی بناء پر کیا۔ یہ کیفیت اب تک بڑے زور سے جاری ہے اور جس کثرت سے متلاشیان حق اس وقت جماعت میں شامل ہورہے ہیں۔ ایسی کیفیت پہلے کبھی ظہور میں نہیں آئی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے جس عقیدہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی توفیق آج سے 77 سال قبل ملی۔ اُس کی کڑیاں نہایت مضبوط، اُس کی بنیاد نہایت محکم، اُس کی شاخیں آسمان تک بلند اور اُس کے رُوحانی پھل ہر وقت میسر ہیں۔

پھر آپ نے مجھے دعوت دی ہے کہ میں سوچوں کیا اِسی پنجابی طرز کی پگڑی والے شخص پر رسول اللہ ﷺ کے مبعد فرشتہ اُترتا تھا۔ آپ کے یہ الفاظ قرآن کریم کی یہ آیت یاد دلاتے ہیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف:32)

مکہ کے مخالفین نے بھی یہی طعنہ دیا تھا۔ کیا یہ قرآن ایک بیکس یتیم پر ہی نازل ہونا تھا۔ کیوں نہ مکہ یا طائف کے کسی بڑے رئیس پر نازل ہوا؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا یہی دشمنانِ حق میری رحمت کی حد بندی کا دعویٰ کرتے

ہیں اور ارشاد ہوا۔ اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ ؕ (الانعام125) اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے چُن لیتا ہے۔ عرب یا عجم کی شرط نہیں۔ نہ پنجابی طرز کی پگڑی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے رستہ میں روک ہے۔ جب صحابہ کرام میں سے بعض نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا کہ:

وَّاٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۝

(الجمعہ:4) سے کون لوگ مراد ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک حضرت سلمان فارسی کے بازو پر رکھا اور فرمایا: لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ معلقاً عِنْدَ الثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رَجُلٌ مِنْ ھٰؤُلَاءِ (بخاری کتاب التفسیر سورہ جمعہ صفحہ 727) جس میں صاف بشارت اس امر کی تھی کہ حضورؐ کی رُوحانی بعثت ثانیہ عجمیوں میں سے ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ۝ (الجمعہ:5)

یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ کفار مکہ نے یہ تمسخر کیا تھا کہ یہ کیسا رسُول ہے کہ ہماری طرح کھاتا پیتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے۔'' (فرقان آیت 8) یہ اس صنف کا اعتراض تھا۔ جیسے آپ کا پنجابی طرز کی پگڑی کا اعتراض ہے۔

میرا بھی یہی عقیدہ ہے کہ باعثِ تخلیق کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین پر ایمان لانا ذریعہ نجات ہے۔ آپ کے اس جُملہ سے یہ ترشح ہوتا ہے کہ آپ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جماعت احمدیہ کے افراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم نہیں کرتے۔ قرآن کریم نے حضور ﷺ کو خاتم النبیین قرار دیا ہے اور ہم دل و جان سے حضور ﷺ کو خاتم النبیین یقین کرتے ہیں اور اس وجہ سے جو ہمارے مخالفین حضورؐ کا درجہ سمجھتے ہیں بہت بلند درجہ پر حضورؐ کو خاتم النبیین یقین کرتے ہیں۔

بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے حضور ﷺ کی شان میں وہ کچھ لکھا اور کہا جس کا ہزارواں حصہ بھی کسی اور کو لکھنے یا کہنے کی توفیق نہیں ملی۔ آپ کی تحریروں اور تقریروں میں جہاں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے اس کو پڑھنے یا سننے والے کی طبیعت پر بشرطیکہ تعصب سے خالی ہو یا تاثر ضرور پیدا ہوتا ہے کہ ان الفاظ کا استعمال کرنے والا سب سے بڑھ کر عاشقِ رسول اکرم تھا۔ ان مثالوں سے سینکڑوں صفحات پُر کئے جاسکتے ہیں۔ ختم نبوت کے متعلق بھی آپ نے بہت کچھ لکھا اور فرمایا جس سے ختم کی شان واضح ہوتی ہے مثال کے طور پر آپ توجہ فرماویں۔

ختم شُد بر نفسِ پاکش ہر کمال   لاجُرم شُد ختم ہر پیغمبرے
ہشت او خیر الرُسل خیر الانام   ہر نبوت را بروشد اختتامِ

حضور ﷺ کے سوا سب نبیوں کی نبوتیں ختم ہوگئیں، صرف اَور، صرف حضور ﷺ کی نبوت جاری ہے۔ یہ مقام صرف حضور کو عطا ہوا۔ اور یہ انعام صرف حضورؐ کے کامل ظِل اور مُتبع کو ہی بہ حیثیت ظِل عطا ہوسکتا ہے۔ نہ اس کی کسی ذاتی خُوبی کی وجہ سے بلکہ صرف حضور ﷺ کی ظلّیت کے باعث۔

آپ نے فرمایا ہے کہ آخرت میں سب سے بھاری عمل یہی ہوگا جو سب پر حاوی ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی ماننا۔ قرآن پر یقین رکھنا اور اس میں ردوبدل نہ کرنا۔'' میں محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے رسولِ اکرم ﷺ کو صدق دل سے خاتم النبیین یقین کرتا ہوں۔ قرآن کریم کے ہر لفظ پر میرا پختہ ایمان ہے اور قرآن کریم میں ردوبدل کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب کا موجب یقین کرتا ہوں۔

قرآن کریم میں ردوبدل کے مجرم وہ لوگ ہیں جو اس امر کے قائل ہیں کہ قرآن کریم کی کئی آیات منسوخ ہیں۔ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہدایت کے ماتحت یہ یقین رکھتا ہوں کہ قرآن کریم کی کوئی آیت، کوئی لفظ، کوئی حرف ہرگز ہرگز منسوخ نہیں۔ یہ خیال کرنا کہ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ ہے کم فہمی سے پیدا ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں ردوبدل کرنے کے مُجرم وہ علما ہیں جنہوں نے آج بھی پاکستان میں شور مچایا ہوا ہے کہ شادی شدہ مجرم زنا کی سزا وہ نہیں جو سورہ نُور کے ابتداء میں بطور فرض کے بیان کی گئی ہے بلکہ سنگ ساری ہے جس کے متعلق بزعم ان کے ایک آیت نازل ہوئی تھی لیکن وہ قرآن کریم میں درج نہیں۔

آپ نے میرے لئے دُعا کی ہے جس کی وجہ سے میں آپ کا نہایت ممنون ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ''صحیح مسلمان، صاحب قرآن کی آغوشِ محبت میں سرشار

کرتے۔ میں صدق دل سے آپ کی دُعا پر آمین کہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کمال فضل اور رحم سے ایسا ہی کرے۔

آپ نے لکھا ہے ''میرے اور آپ کے درمیان خدا گواہ ہے۔''

اس سے بڑھ کر اور شہادت کیا ہو سکتی ہے۔ بموجب فرمان قرآن کریم اللہ تعالیٰ ہی آپ کے اور میرے اور سب کے درمیان گواہ ہے۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۟ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۫

(انعام آیت 20)

آپ نے اپنے آپ کو میدانِ حشر میں اس عاجز سے ملنے کا متمنی ظاہر کیا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہرگز بعید نہیں کہ وہ اپنے فضل و رحمت سے ہم دونوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے اور رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے رضا کی جنتوں کا وارث بنائے۔ جیسے اُس نے فرمایا:

عَذَابِیْۤ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ

(الاعراف آیت 157)

خط بند کرنے کے بعد آپ نے دو امور کا ذکر کیا ہے۔ ایک یہ کہ آپ کے ذہن میں یہ فقرہ ہے کہ ہمیں قادیان سے بھاگنا نہ چاہئے تھا۔ وہیں قادیان کی خدمت پر ہی ہم کٹ مرجاتے تو بہتر تھا۔ اگر تو اس فقرہ سے آپ کی غرض محض اس تمنا کا اظہار ہے کہ ہم کسی نہ کسی طرح کٹ مرجائیں تو بہتر ہے۔ تب تو میں اس پر کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا۔ آپ کی خواہش آپ کو مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے کرتا ہے لیکن اگر آپ نے یہ فقرہ کسی دینی اصول یا قرآن کریم کے کسی فرمان کی بناء پر لکھا ہے تو آپ اگر اس کی وضاحت کر دیں تو میں اس کے جواب میں مناسب گزارش کروں گا۔

دوسرے امر کا آپ نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

''ایک دوسری اہم بات جس سے میرا کلیجہ غم کی چھری کے ساتھ ہر وقت کٹتا رہتا ہے کہ آپ کا ہیڈ آفس تل ابیب میں کیوں ہے؟ اور آپ کے جوان ستر ہزار کی تعداد میں یہودی فورس کے ساتھ مل کر لڑتے ہیں۔ اُس اسرائیل کے ساتھ جس کے گھناؤنے ارادے یہ ہیں کہ وہ مقاماتِ مقدسہ کو اپنی تحویل میں لے لے گا۔ جس طرح اُس نے مسجد اقصیٰ کو لے رکھا ہے۔''

میں آپ پر یہ بدظنی تو نہیں کرتا آپ نے عمداً یہ ''اہم بات'' افتراء کی ہے لیکن یہ ایک ایسا سراسر جھوٹ ہے جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ آپ پر چسپاں ہوتے ہیں۔۔۔ کفی بالمرء کذبًا ان یحدث بکل ما سمع۔ جس سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص کو جھوٹا قرار دینے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ جو بات سُنے اُسے آگے چلا دے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ نے یہ ''اہم بات'' کس سے سُنی لیکن آپ نے بلا تحقیق نہ صرف اسے دو چار لوگوں سے بیان کر دیا بلکہ اخبار میں شائع کر کے ہمارے دلوں کو دُکھ پہنچایا ہے اور ایک کثیر تعداد کے دلوں میں جو آپ کی اس ''اہم بات'' کو ''راوی' میں پڑھیں گے ہمارے متعلق شدید بدظنی میں مبتلا کر دیا۔

اول: کہ اگر واقعہ میں آپ کا کلیجہ غم کی چھری کے ساتھ ایک سراسر جھوٹی بات کو فرض کر لینے سے ہر وقت کٹتا رہتا ہے تو یہ شدید عذاب آپ نے اپنے اُوپر خود وارد کیا ہوا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس جُرم کی یہ سزا آپ اپنے ہاتھوں بھگت رہے ہیں۔

دوم: ہمارا کوئی ہیڈ آفس کوئی برانچ کسی قسم کا کوئی آفس تل ابیب میں نہیں ہے۔ آپ کا یہ ادعا سراسر جھوٹ ہے۔

سوم: سارے اسرائیل میں سلسلہ احمدیہ کے افراد کی تعداد نہ ستر ہزار نہ سات ہزار بنتی ہے۔ چند سینکڑوں سے تجاوز نہیں کرتی۔ یہ تیسرا جھوٹ ہے۔

چہارم: اسرائیل کے احمدیوں میں سے ایک بھی جوان یہودی فورس میں شامل نہیں۔ نہ یہودی فورس کے ساتھ مل کر لڑتا ہے۔ یہ بات کہ کوئی احمدی بھی یہودی فورس کے ساتھ مل کر لڑتا ہے سراسر جھوٹ ہے۔ چوتھا جھوٹ۔

اب یہ فرمائے کہ آپ نے اس سراسر جھوٹ کو فروغ دینے کا جو جُرم کیا ہے اُس کا ازالہ آپ کس طور پر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ کم سے کم شرافت کا یہ تقاضا تو ضرور ہے کہ آپ ''راوی'' میں اپنا بیان شائع کریں کہ یہ ''اہم بات'' بالکل غلط تھی اور اس کے شائع کرنے پر آپ سخت نادم ہیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی کے خواستگار ہیں۔ اس طور پر ایک تو آپ کا کلیجہ جو غم کی چھری کے ساتھ ہر وقت کٹتا رہتا ہے۔ اس غم سے رہا ہو جائے گا اور اس عذاب سے آپ کا چھٹکارا ہو جائے گا، اور دوسرے یہ ثابت ہو جائے گا کہ ایک غلطی جو آپ سے سرزد ہو گئی تھی اس کے کھل جانے پر آپ نادم ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے عفو کے اُمیدوار بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے۔

آخر میں آپ کو نہایت ادب سے اللہ تعالیٰ کی اس شہادت کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ (الانبیاء 45)

والسلام خاکسار

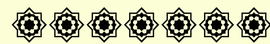
ظفراللہ خاں



غزل

پروفیسر مبارک عابد

راکھ اور خوں سے ہیں تر بتر راستے۔
جانے اب جائیں گے کس کے گھر راستے
استعارہ محبت کا ہے آگرہ
اور تشبیہِ محبّت کھنڈر راستے
کس نے سوچو! سجائے ہیں کس کے لئے
کہکشائیں، ستارے، قمر، راستے
عمر بھر کی مسافت کا پایا صلہ
ڈھونڈ تے رہ گئے عمر بھر راستے
کس کے نقشِ قدم سے میں باتیں کروں
تجھ کو کیا یہ پتہ کیا خبر راستے
دیر تک دور تک اس کو جاتے ہوئے
ہم نے دیکھے بدیدہء تر راستے
گر نہیں آدمی تو ہیں سب بے چراغ
بام ودر، گلیاں، کوچے، نگر، راستے
تم جو آئے چمن میں تو سب کِھل اُٹھے
پھول، اثمار، کلیاں، شجر، راستے
مرکزِ دید عابدؔ ہے جب سے وہ چاند
میرے روشن ہیں ہر گام پر راستے



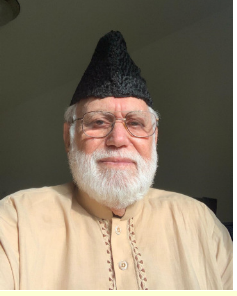
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ذات کے عاشق زار اور دیوانہ ہوئے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

’’......قرآن کریم کو پڑھ کر دیکھ لو۔ اور تو اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر دنیا میں کسی کامل انسان کا نمونہ موجود نہیں اور نہ آئندہ قیامت تک ہوسکتا ہے۔ پھر دیکھو کہ اقتداری معجزات کے ملنے پر بھی حضور کے شامل حال ہمیشہ عبودیت ہی رہی۔ اور بار بار اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الکہف: 111) ہی فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ کلمہ توحید میں اپنی عبودیت کے اقرار کا ایک جزو لازم قرار دیا۔ جس کے بدوں مسلمان مسلمان ہی نہیں ہوسکتا۔ سوچو! اور پھر سوچو! پس جس حال میں ہادیٔ اکمل کی طرزِ زندگی ہم کو یہ سبق دے رہی ہے کہ اعلیٰ ترین مقام قرب پر بھی پہنچ کر عبودیت کے اعتراف کو ہاتھ سے نہیں دیا تو اور کسی کا تو ایسا خیال کرنا اور ایسی باتوں کا دل میں لانا ہی فضول اور عبث ہے۔‘‘ (ملفوظات جلد اول صفحہ 74 ایڈیشن 1988ء)

’’......پس میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اُس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہوسکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی۔ اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام انبیاء اور تمام اولین و آخرین پر فضلیت بخشی اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں۔‘‘

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 118۔119)



”رمضان المبارک عظمت وشان کا مہینہ“

خواجہ محمد افضل بٹ امریکہ

رمضان المبارک کے ایام اور بابرکت مہینہ اپنی عظمت اور شان اور برکتوں کے ساتھ شروع ہو چکا ہے۔خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ان دنوں سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے اور اللہ تعالیٰ کا قرب اور اُس کی خوشنودی اور برکتیں تلاش کریں گے۔

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (البقرہ : 184)

ترجمہ : اَے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزے اسی طرح فرض کردیئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

ہمارے سیّد و مولیٰ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

سنو سنو! تمہارے پاس رمضان کا مہینہ چلا آتا ہے۔یہ مہینہ مبارک مہینہ ہے جس کے روزے اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کردیئے ہیں اس میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں۔اور سرکش شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے، اور اس میں ایک رات ایسی مبارک ہے جو ہزار راتوں سے بہتر ہے، جو اس کی برکت سے محروم رہا تو سمجھو کہ وہ نامُراد رہا۔ (نسائی کتاب الصوم)

ماہِ رمضان کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ شعبان کے آخری روز خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ :

اَے لوگو! تم پر ایک عظیم اور برکتوں والا مہینہ سایہ فگن ہوا چاہتا ہے۔اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے رکھنے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں کو قیام کرنا نفل ٹھہرایا ہے۔

اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَآخِرُهٗ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ

وہ ایک ایسا مہینہ ہے جس کا ابتدائی عشرہ رحمت اور درمیانی عشرہ مغفرت کا موجب ہے۔اور آخری عشرہ جہنم سے نجات دلانے والا ہے۔اور جس نے اس میں کسی روزہ دار کو سیر کیا اسے اللہ تعالیٰ میرے حوض سے ایسا مشروب پلائے گا کہ اسے جنت میں داخل ہونے سے پہلے کبھی پیاس نہ لگے گی۔

(صحیح ابن خزیمہ کتاب الصیام)

”ماہِ رمضان کی فضیلت وعظمت اور اس کے روحانی اثرات“

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرۃ: 186) سے ماہِ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔صوفیا نے لکھا ہے کہ یہ ماہ تنویر قلب کے لئے عمدہ مہینہ ہے۔کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں۔صلوٰۃ تزکیہ نفس کرتی ہے اور صوم تجلی قلب کرتا ہے۔تزکیہ نفس سے مُراد یہ ہے کہ نفس امارہ کی شہوات سے بعد حاصل ہو جائے اور تجلی قلب سے مُراد یہ ہے کہ کشف کا دروازہ اُس پر کھلے کہ خدا کو دیکھ لے۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 561،562 ایڈیشن 1988)

”استغفار کی ضرورت“

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :

”بہت لوگ ہیں کہ خدا پر شکوہ کرتے ہیں اور اپنے نفس کو نہیں دیکھتے انسان کے اپنے نفس کے ظلم ہی ہوتے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ رحیم وکریم ہے۔

بعض آدمی ایسے ہیں کہ ان کو گناہ کی خبر ہوتی ہے اور بعض ایسے کہ ان کو گناہ کی خبر بھی نہیں ہوتی۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے استغفار کا التزام کرایا ہے کہ انسان ہر ایک گناہ کے لئے خواہ وہ ظاہر کا ہو خواہ باطن کا ہو، اسے علم ہو یا نہ ہو اور ہاتھ اور پاؤں اور زبان اور ناک اور کان اور آنکھ اور سب قسم کے گناہوں سے استغفار کرتا رہے۔آج کل آدم علیہ السلام کی دعا پڑھنی چاہئے :

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ○ (الاعراف : 24)

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 577 ایڈیشن 1988)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان کے ان ایام کے متعلق فرماتے ہیں :

''میری تو یہ حالت ہے کہ مرنے کے قریب ہوجاؤں تب روزہ چھوڑتا ہوں، طبیعت روزہ چھوڑنے کو نہیں چاہتی۔ یہ مبارک دن ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت کے نزول کے دن ہیں۔''

(الحکم 24 جنوری 1901ء صفحہ 5)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

روزہ جیسے تقویٰ سیکھنے کا ایک ذریعہ ہے ویسے ہی قرب الٰہی حاصل کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ماہِ رمضان کا ذکر فرماتے ہوئے ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا ہے :

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ○ (البقرہ : 187)

یعنی جب میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں کہ وہ کہاں ہے پس جواب یہ ہے کہ ایسا نزدیک ہوں کہ مجھ سے زیادہ کوئی نزدیک نہیں۔ جو شخص مجھ پر ایمان لاکر مجھے پکارتا ہے تو مَیں اس کا جواب دیتا ہوں۔

(نوردین صفحہ 43)

وَاِذَا سَاَلَكَ: اگر لوگ یہ سوال کریں کہ روزوں سے کیا فائدہ ہوتا ہے تو ایک تو یہاں لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرۃ : 184) دوم یہ کہ انسان کو خدا کا قُرب حاصل ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''مَیں بہت قریب ہوجاتا ہوں اور دعائیں قبول کرتا ہوں۔''

اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ اس کے یہ معنے نہیں کہ جو مانگو وہی ملے۔ کیونکہ دوسرے مقام پر فرمادیا جواب سورہ انعام (آیت 42) میں ہے بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ یعنی اگر چاہے تو اس مُصیبت کو ہٹادیتا ہے۔ یہاں بھی اَلْ کے ساتھ اس طرف اشارہ کردیا ہے۔

فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ : فرمایا ہے یعنی جس قدر تم میرے فرمانبردار ہوتے جاؤ گے ایمان میں ترقی کرتے جاؤ گے اُسی قدر مَیں دعائیں قبول کرتا ہوں۔

(ضمیمہ اخبار بدر قادیان 8 اپریل 1909ء) (حقائق الفرقان جلد اوّل صفحہ 307، 308)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نوراللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ :

''روزے خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنے والی چیزیں ہیں اور روزے رکھنے والا خدا تعالیٰ کو اپنی ڈھال بنالیتا ہے جو اُسے ہر قسم کے دُکھوں اور شرور سے محفوظ رکھتا ہے۔''

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 375)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ ایک ایسا مہینہ ہے کہ میرے بندوں کو چاہئے کہ وہ راتوں کے تیروں (دعاؤں) کو تیز کریں۔ اور جنونی شکاری کے جنون سے بھی زیادہ جنون رکھتے ہوئے میری رحمت کی تلاش میں نکل پڑیں۔ تب میری رحمت کی تسکین بخش بارش ان پر نازل ہوگی اور میرے قرب کی راہیں ان پر کھولی جائیں گے۔''

(خطبہ جمعہ 24 دسمبر 1965ء/خطبات ناصر جلد اوّل صفحہ 56)

''رمضان برکتوں والا مہینہ''

سیّدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ہماری رہنمائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

رمضان برکتوں والا مہینہ ہے ان لوگوں کے لئے جو خالص ہوکر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں۔ یہ برکتوں والا مہینہ ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے ہر اس نیکی کو بجا لانے کی کوشش کرتے ہیں اور بجالا رہے ہوتے ہیں جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اور ہر اس برائی کو چھوڑ رہے ہوتے ہیں جس کو چھوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ بلکہ بعض جائز چیزوں کو بھی ایک خاص وقت کے لئے اس لئے چھوڑ رہے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔

''تقویٰ کیا ہے''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ روزوں کی فرضیت اور بعض چیزوں سے بھی پرہیز اس لئے ہے تاکہ تم تقویٰ میں ترقی کرو۔ اور تقویٰ کیا ہے؟ تقویٰ یہ ہے کہ گناہوں سے بچو، گناہوں سے بچنے کی کوشش کرو اور اس طرح بچو جس طرح کسی ڈھال کے پیچھے چھپ کے بچا جاتا ہے۔ اور انسان جب کسی چیز کے پیچھے چھپ کر بچنے کی کوشش کرتا ہے تو اس میں ایک خوف بھی ہوتا ہے۔ جس حملے سے بچ رہا ہوتا ہے اس کے خوف کی وجہ سے وہ پیچھے چھپتا ہے۔ تو فرمایا کہ روزے رکھو اور روزے رکھنے کا جو حق ہے اس کو ادا کرتے ہوئے رکھو تو تقویٰ میں ترقی کرو گے۔

''خدا تعالیٰ کو تمہیں بھوکا رکھنے کا کوئی شوق نہیں''

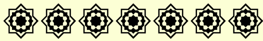
ایک روایت میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ کو تمہیں بھوکا رکھنے کا کوئی شوق نہیں ہے، کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو کہتا ہے کہ تم نے جو غلطیاں اور گناہ کئے ہیں ان کے بدنتائج سے بچنے کے لئے میں نے ایک راستہ تمہارے لئے بنایا ہے تاکہ تم خالص ہو کر دوبارہ میری طرف آؤ۔ اور ان روزوں میں، رمضان میں روزہ رکھنے کا حق ادا کرتے ہوئے میری خاطر تم جائز باتوں سے بھی پرہیز کر رہے ہوتے ہو اور تمہاری اس کوشش کی وجہ سے میں بھی تم پر رحمت کی نظر ڈالتا ہوں اور شیطان کو جکڑ دیتا ہوں۔ تاکہ تم جس خوف کی وجہ سے روزہ رکھتے ہو اور روزہ رکھتے ہوئے اس ڈھال کے پیچھے آتے ہو، تقویٰ اختیار کرتے ہو تاکہ اس میں تم محفوظ رہو، اور تمہیں شیطان کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ تو فرمایا کہ یہ تقویٰ جو ہے، یہ ڈھال جو ہے، یہ شیطان کے حملوں سے اور گناہوں سے بچنے کی کوشش جو ہے، یہ تمہارے روزے رکھنے کی وجہ سے تمہاری حفاظت کر رہی ہے۔ اس لئے ایک مجاہدہ کر کے جب تم اس حفاظت کے حصار میں آ گئے ہو تو اب اس میں رہنے کی کوشش بھی کرنی ہے۔ اب اس حصار کو، اس تقویٰ کو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے مضبوط سے مضبوط تر کرنا ہے۔ اور جو پہلے ہی نیکیوں پر قائم ہوتے ہیں وہ روزوں کی وجہ سے تقویٰ کے اور بھی اعلیٰ معیار حاصل کرتے چلے جاتے ہیں اور ترقی کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کے انتہائی قرب پانے والے بنتے چلے جاتے ہیں۔

(خطبات مسرور جلد دوم صفحات 739، 740، 741) روزنامہ الفضل ربوہ، 18 ستمبر 2008)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں کیسی نماز پڑھتے تھے؟

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے انہوں نے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ رمضان میں کیسی نماز پڑھتے تھے۔ آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ (رات میں) گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ خواہ رمضان کا مہینہ ہوتا یا کوئی اور۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت پڑھتے۔ ان کی خوبی اور لمبائی کا کیا پوچھنا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت اور پڑھتے ان کی خوبی اور لمبائی کا کیا پوچھنا۔ پھر تین رکعتیں پڑھتے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے ہی سو جاتے ہیں؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔

(بخاری کتاب التھجد باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان وغیرہ)



پس رمضان میں خدا تعالیٰ کا رنگ اختیار کریں۔ سچا، پکا اور زندہ تعلق قائم کریں اور مخلوق خدا کے ساتھ خالص ہمدردی بجا لائیں۔ نمازیں باجماعت ادا کرنے، ذکر الٰہی اور دعاؤں میں اپنا وقت گزارنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین اللھم آمین۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ دُعا سکھاتے:

اَللّٰھُمَّ سَلِّمْنِیْ لِرَمَضَانَ وَسَلِّمْ رَمَضَانَ لِیْ وَتَسَلَّمْہُ مِنِّیْ مُتَقَبَّلًا

اَے اللہ مجھے رمضان کے لئے سلامتی عطا فرما اور رمضان کو میرے لئے سلامتی والا بنا اور اس (مہینے) کو میرے لئے قبولیت والا بنا۔

(الدعاء للطبرانی باب: اَلْقَوْلُ عِنْدَ دُخُوْلِ رَمَضَانَ)

......☆......☆......☆......



میرے مطابق

طارق بلوچ

چند روز قبل جب انیق ناجی جو ملک کے مایہ ناز صحافی اور میرے ممدوح جناب نذیر ناجی صاحب کے فرزند ہیں کا وی لاگ نظر سے گزرا تو سچی بات ہے اُن کا تجزیہ محض ترجمان حال ہی نہیں، ترجمانِ دِل بھی لگا۔ فی الواقعی پاکستان میں اور بطور خاص گزشتہ نصف صدی سے ہمارے (جماعتی) حالات بالکل ایسے ہی ہیں، جیسی مؤصوف نے منظرکشی کی۔ حالاتِ حاضرہ پر نظر رکھنے والا کوئی بھی حقیقت پسند، غیر متعصب اور باشعور شخص ان زمینی حقائق سے منہ مُوڑ سکتا اور نہ ہی اُنہیں جھٹلا سکتا ہے۔ یہ وہ سچائی ہے جو سر چڑھ کے بولی اور اُس شخص کے ہاں جس کا ہمارے ملک سے دُور دُور تک کوئی تعلق نہیں۔ میں اس جرات مندی پر انیق کا معترف ہوں۔ تاہم ان حالات سے نکلنے کے لئے جو حل اُنہوں نے تجویز کیا ہے، اُس سے برملا اختلاف کی بھی جسارت کرتا ہوں۔ اور ایسا کسی مخصوص سوچ کے زیر اثر نہیں کہ سچی بات ہے اپنا تو آنحضورﷺ کے اس فرمانِ مبارک کے مطابق یہ عقیدہ ہے کہ

حکمت اور دانائی کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے۔ جہاں کہیں وہ اسے پاتا ہے، وہ اس کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ:4169)

نیز یہ کہ ہر شخص اپنے اعمال کا آپ جوابدہ اور کوئی دوسری جان کسی کا بوُجھ نہیں اُٹھائے گی!!! سو میرا یہ اختلاف رائے اپنے مناسب حال، کچھ نہ کچھ غور و فکر سے علاقہ رکھنے والے شخص کے طور پر ہے۔ دریں چہ شک کہ بقول انیق ناجی صاحب (خلاصہ کلام) پاکستان میں ہمارے لئے کوئی عدل و انصاف نہیں۔ ہم جس اجتماعی ضمیر کو مخاطب کرتے ہیں وہ ہے ہی نہیں۔ جماعتی نفرت اور مخالفت لوگوں کے ذہنوں میں پک چکی ہے۔ پاکستانی اسلام، اسلام کے بنیادی تصوّر سے ہی مختلف ہے۔ وہ کسی اپیل دلیل لا جک کو نہیں مانتا۔ وہ مذہبی باتوں پر نہیں، مار دھاڑ پر یقین رکھتا ہے۔ کوئی کتنا ہی سیاہ کار کیوں نہ ہو وہ اگر کسی احمدی کو مار دے تو اُس کے باقی سب گناہ چھُپ بلکہ دُھل جاتے ہیں۔ پاکستانی مسلمانوں کو بھی طالبان کے ہاتھوں مرنا پڑا۔ سو آپ کے مسئلے کا کوئی روائتی حل نہیں اور نہ ہی مستقبل قریب میں ایسا ہوتا نظر آتا ہے۔ خصوصاً جب پاکستان کی سیاسی قیادت بھی آپ کے ساتھ نہیں۔ یہاں اُنہوں نے نواز شریف کی مثال دیتے ہوئے یاد دلایا کہ ایک بار فقط احمدیوں کو اپنا بھائی بہن قرار دینے کی پاداش میں ہی میاں صاحب پر گھر اور گھر سے باہر بہت دباؤ آ گیا تھا۔ ایسی سب باتوں کے بعد بھلے خلوص نیت سے ہی سہی، موصوف نے جماعت کو مشورہ دیا کہ اپنی ضد، اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد سے دستبرداری کا اعلان کریں۔ خون خرابے سے بچیں اور اس بات کا اقرار کرلیں کہ ہم مسلمان نہیں، احمدی ہیں اور بطور اقلیت اپنے حقوق کی ڈیمانڈ کریں۔ پاپولر مؤقف کے سامنے کھڑا ہونا مشکل ہوتا ہے۔ لہٰذا بحالاتِ مؤجودہ اپنے مسائل کا حل آوٹ آف دی باکس (Out of the Box) تلاش کریں۔ یہ مشورے سُن کر خیال آیا، انیق ناجی جیسا رقیق القلب شخص جو صرف ہماری کہانی ہی پڑھ پڑھ اور سُن سُن کر تھکن کا شکار اور روہانسا ہو گیا ہے، اگر خود اُس پر یہ سارے حالات گزرتے تو کیا ہوتا؟ دفعتاً دِل میں اِک لہر سی اُٹھی، ہر دُور کی وُہ اقلیت، وُہ لوگ بھی کیا غضب تھے جو اپنے نظریات کے دفاع میں اکثریت کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو جاتے۔ ڈٹ جاتے۔ اور آج بھی اُسی روایت کے امین چلے آ رہے ہیں۔ ایسا مشورہ کہ زمانے کے لات و منات کے آگے جھک جاؤ، اُنہیں پُوجنا شروع کر دو اور اُنہی کی طرح کھاؤ پیو عیش کرو حتیٰ کہ ہجوم میں گم ہو کر آخرت تک کو بھی بھول جاؤ، بھلا اس سے بڑی کور ذوقی، تمنائے خام اور کیا ہو سکتی ہے؟ یہ مشورہ کسی بے خبر، بے عقل اور واعظ کی باریک چالوں سے

ناواقف شخص کی طرف سے آیا ہوتا تو کوئی بات بھی تھی ،مگر یہ تو ایک ایسے روشن خیال شخص کی طرف سے آیا ہے جو نہ صرف حالاتِ حاضرہ بلکہ رُوحِ عصر سے بھی خوب آگاہ ہے۔آہ صد آہ!

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے جب کوئی شخص یا گروہ اپنا موقف بدلتا، اپنا رستہ چھوڑتا ہے تو اُس کے پاس متبادل رستہ لینے کیلئے کوئی عقلی جواز کوئی علمی دلیل ضرور ہوتی اور وہ تب ہی ایسا کرتا ہے۔دل کی گواہی اور دِل کے فتویٰ کے ساتھ ۔مگر یہ کیا بات ہوئی کہ صرف دوسروں کی دیکھا دیکھی اور بلا سوچے سمجھے انسان اندھا مُقلد بن جائے۔صرف اس ایک دلیل کے سہارے کہ چونکہ اکثریت کی یہ راہ اور اُس کا یہ فیصلہ ہے لہٰذا چلو تم اُدھر کو، ہوا ہو جدھر کی ۔ یہ تو بے اصولی ہی اصُول ہمارا والی بات ہوئی۔مذہبی عقائد کا معاملہ تو دُور کی بات، ایسا کوئی مطالبہ فی ذاتہ بنیادی انسانی حقوق ، بلکہ عام اخلاقیات کے بھی خلاف اور اس سے صریح متصادم ہے۔پھر کیونکر اس کی تعمیل کی جاسکتی ہے؟ مقامِ ماتم ہے یہاں بڑے بڑے لوگوں کو جب عدالتیں اُن کی بدعنوانیوں کی وجہ سے سزائیں سناتی ہیں تو وہ ایسے فیصلوں کو اپنے جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں، باریش، اہلِ جبہ و دستار کو طلب کرتی ہیں تو وہ "اللہ والے" اپنی صفائی پیش کرنے کی بجائے جتھوں کا سہارا لیکر 1973ء کے معرُوف آئین (جو اپنی دوسری آئینی ترمیم (1974,ACT) بسلسلہ فیصلہ مذہبی عقائد، قادرِ مُطلق سے براہ راست ٹکرانے کے بعد اپنی اسلامی اساس کھو چکا ہے) کے تحت کام کرنے والی عدالتوں کو دھمکانے لگتے ہیں کہ خبردار اگر ہمیں دُوبارہ بُلانے کی حماقت کی۔وہ باقاعدہ ججوں کو بلیک میل کرتے، اُنہیں ڈراتے اور سرِعام گالیاں تک دینے لگتے ہیں کہ آئندہ (خلافِ مرضی) ایسا کوئی فیصلہ سُنانا اور نہ ہی "عزت مآب" کی شان میں گستاخی کرنا، اور مزے کی بات ہے عدالتیں بھی اُن کا اشارہ، اُن کی زبان فوراً سمجھ جاتی ہیں۔گویا!

لگی ہوئی ہیں ضمیرِ حیات پر مہریں
کسی میں جرأتِ اظہار بھی نہیں باقی

لیکن اِدھر بطورِ خاص اور متفقہ طور پر جماعت سے یہ "آئینی" تقاضہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے مذہبی نقطۂ نظر سے ہی دستبرداری اختیار کر لے ورنہ سر تن سے جدا کی سزا۔اور یہ محض خالی نعرہ نہیں، ایسا عملاً کیا بھی جاتا ہے۔اب مذہبی اور سیاسی جماعتوں بلکہ ہر گھر میں بھی ہر طرح کی سوچ رکھنے والے لوگ موجود ہوتے ہیں تو کیا اُن میں جو اچھے اور (حسبِ روایت) یقیناً تعداد میں تھوڑے ہوتے ہیں، اُنہیں بھی یہی مشورہ دیا جائے جو ہمیں مِلا اور ملتا ہے؟ اور اُن سے بھی یہی سلوک روا رکھا جائے جو ہم ایسوں سے کیا جاتا ہے؟ کیا میری یہ سوچ اور میرا یہ فہمِ اسلام بھی قابلِ سزا ہے جو میں ایسے سوچتا ہوں کہ مایۂ ناز پاکستانی کرکٹر یوسف یوحنا، اگر محمد یوسف بننے تک کا اپنا سفر شرحِ صدر سے طے کرتا ہے تو مُجھ سے زیادہ خوش اور کون ہوگا، اور اگر وہ ہر وقت کے سماجی دباؤ، خوف اور بہتر مستقبل کی خاطر اپنے آبائی مذہب عیسائیت کو خیر باد کہہ کر اسلام قبول کرتا ہے تو میں اُس کے قبولِ اسلام کے واقعہ کو اپنے اجتماعی گناہوں میں ایک اور گناہ کا اضافہ، اپنے دین اور ملک کی توہین سمجھتا ہوں ۔ کہ ہماری عدمِ رواداری اور اکثریت کے جبر نے اُسے یہ دن دِکھایا کہ وہ اپنی روائتی مذہبی فکر پر قائم نہ رہ سکا۔اپنے عقائد کے مطابق پاکستان میں زندگی بسر کرنا اُس کے لئے مشکل ہوگیا۔حالانکہ نہ اُس کے آنے سے پہلے "مسلمانوں" کا کوئی کام رُکا ہوا تھا اور نہ اُس کے آنے کے بعد چل پڑا ہے۔وہی ہے چال بے ڈھنگی !!! اَب میری اس سوچ سے تو اختلاف کیا جاسکتا ہے، مگر مجھے اس "جُرم" کی سزا کے طور پر قابلِ گردن زدنی قرار دے دینا کہاں کا انصاف اور کہاں کا اسلام ہوگا؟

جماعتی تعلیم اور عقائد کیا ہیں؟ اب پہلے مختصراً اُن پر بات کر لیتے ہیں ۔ باوجودیکہ یہ کہانی گزشتہ سوڈیڑھ سو سال میں لاکھوں نہیں، کروڑوں مرتبہ دُہرائی جا چکی ہے۔میرے سلسلہ کے بانی خالق ارض وسماء کے بارہ میں فرماتے ہیں:

انسان کے وجُود کی اصل غرض معرفتِ باری تعالیٰ ہے ----- یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے۔

اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دینکے بارہ میں فرمایا:

سچا اور زندہ مذہب اسلام ہے۔

اس سلسلہ میں آپؑ کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

اسلام چیز کیا ہے خدا کیلئے فنا

ترکِ رضائے خویش پئے مرضیٔ خدا

اللہ تعالیٰ کی آخری الہامی کتاب کے بارہ میں فرمایا:

قرآن جواہرات کی تھیلی ہے اور لوگ اس سے بے خبر ہیں۔

یہ بھی آپؑ کا شعر ہے

دِل میں یہی ہے ہر دَم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گِرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے

اللہ تعالیٰ کے آخری نبی، مُخبر صادق آنحضرت محمد ﷺ کے ساتھ اپنی انتہا درجے کی محبّت کے بارہ میں فرمایا:

"مجھے اللہ جل شانہ کی قسم ہے کہ میں کافر نہیں۔ لا الٰہ الاّ محمد رسول اللہ میرا عقیدہ ہے۔ اورلکن رسول اللہ وخاتم النبیّن پر آنحضرت ﷺ کی نسبت میرا ایمان ہے۔ میں اپنے اس بیان کی صحت پر اس قدر قسمیں کھاتا ہوں جسقدر خدا تعالیٰ کے پاک نام ہیں اور جس قدر قرآن کریم کے حرف ہیں۔ اور جسقدر آنحضرت ﷺ کے خدا تعالیٰ کے نزدیک کمالات ہیں۔ کوئی عقیدہ میرا اللہ اور رسول کے فرمودہ کے برخلاف نہیں۔ اور جو کوئی ایسا خیال کرتا ہے خود اس کی غلط فہمی ہے۔ اور جو شخص مجھے اب بھی کافر سمجھتا ہے اور تکفیر سے باز نہیں آتا وہ یقیناً یاد رکھے کہ مرنے کے بعد اس کو پُوچھا جائیگا۔ میں اللہ جلّ شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا خدا اور رسول پر وہ یقین ہے کہ اگر اس زمانہ کے تمام ایمانوں کو ترازو کے ایک پلہ میں رکھا جائے اور میرا ایمان دوسرے پلہ میں تو بفضلہٖ تعالیٰ یہی پلہ بھاری ہوگا۔"

(کرامات الصادقین صفحہ 25)

سو یہی جماعت احمدیہ اور اُس کے بانی کا مؤقف، یہی ہماری تعلیم اور عقائد ہیں۔ باقی ساری تاریخ اور تفصیل ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی ہمیں حد سے بڑھتے ہوئے کافر کہتا یا سمجھتا ہے تو ظاہر ہے وہ اپنے اس "عقیدے" کے اقرار اور اظہار میں مکمل آزاد اور بقول بانیٔ سلسلہ مرنے کے بعد اُس سے پُوچھا جائے گا۔ وہ جانے اور اللہ جانے! مگر ہائے افسوس اپنے ہم وطنوں کی اس ذہنی علمی، فکری، اخلاقی اور عملی حالت پر کہ وہ "بیمار" ہوئے جس کے سبب، بدستور دوا بھی اُنہی سے لینے پر بضد ہیں۔ حالانکہ یہ اُسی "دوا" کا ہی شاخسانہ ہے کے عمر بھر سُنتے تو یہ رہے کہ شاہِ مدینہ، یثرب کے والی۔ سارے نبی تیرے دَر کے سوالی! مگر جب کبھی مدینہ منورہ پہنچ کر بیمار پڑ جائیں تو ایسی صورت میں گھر یہی پیغام بھجوائیں گے کہ میری بحالی صحّت کے لئے فلاں دَربار پر جا کر دُعا کریں!!! ہاں اگر (قطع نظر بنیادی اختلاف کے) یہ سوال اُٹھایا جاتا یا ایسا کوئی مشورہ دیا جاتا کہ آپ کے اندر بھی فلاں فلاں حوالے سے اِفراط و تفریط ایسی صورتحال سر اُٹھائے نظر آتی ہے تو یقیناً جماعت کے اندر واقفانِ حال لوگوں کی ایک بڑی تعداد زبان سے نہ سہی، دِل سے ضرور ایسے کسی مشورے کو لائقِ توجہ جانتی۔ کہ ہمارا دعویٰ صراطِ مستقیم پر تو ہونے کا ہے، فرشتوں کا ہرگز نہیں!

"اندریں حالات" اَب مجھ بے علم و ہنر کو یہ سمجھ نہیں لگ رہی کہ اس مسئلے کا آؤٹ آف دی باکس حل کیا ہے؟ اللہ کی بات مانتے ہیں تو مولوی حضرات مارتے ہیں، مولویوں کی مانتے ہیں تو اللہ مارتا ہے۔ ایک طرف فقط وعدۂ حور ہے تو دوسری طرف حُور و قصور۔ ایک طرف کانٹوں بھرا رستہ تو دوسری طرف پاپولر مؤقف جو سراسر جھوٹ، منافقت اور سطحی جذباتیت کا پلندہ ہے۔ اے غمِ زندگی کچھ تو دِے مشورہ۔ دُور کہیں اندر سے آواز آئی، اُن لوگوں کی پیروی سے کیا حاصل جو رسول مقبول ﷺ کے اس ارشاد اِس فتویٰ کے نیچے آئے ہوئے ہیں۔ فرمایا: (مفہوم) "اندیشہ ہے کہ میری اُمت پر ایک زمانہ ایسا بھی آجائے گا کہ اسلام میں اس کے نام کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔ قرآن میں اس کی رسم الخط، الفاظ کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔ اُن کی مسجدیں آباد تو بہت ہوں گی مگر ہدایت سے خالی۔ اور اُن کے علماء آسمان کی چھت کے نیچے کی بدترین مخلوق ہوں گے۔ فتنے اُنہی کے اندر سے اُٹھیں گے اور اُنہی میں واپس لوٹ جائیں گے۔"

کیا یہ ویسا ہی زمانہ نہیں؟ آخر الذکر بات سے یاد آیا، 1984ء میں اُس وقت کی جماعتی قیادت کو اس جھوٹے الزام کے تحت ملک چھوڑنا پڑا کہ ایک سال قبل منظر سے غائب ہوجانے والے اسلم قریشی نامی ایک مولوی کو اُنہوں نے قتل کروادیا ہے۔ اُن دنوں یہ خبر خوب مشہور ہوئی۔ ایک معروف اخبار نے

سُرخی جمائی۔ اسلم قریشی کی تفتیش کا دائرہ وسیع ہوتے ہی مرزا طاہر نے پاکستان چھوڑ دیا۔ تب سے آج تک جماعتی قیادت تو ملک سے باہر ہے مگر قدرت خدا کی، بعد از خرابی بسیار وہی گمشدہ اور مقتول مولوی پانچ سال بعد، جولائی 1988ء میں اچانک زندہ ہو کر دوبارہ منظر عام پر آ گیا۔ اور بیان دیا، میں بسلسلہ روزگار ایران گیا ہوا تھا۔ مولویوں نے جب کاٹھ کی ہنڈیا یوں بیچ چوراہے میں پھوٹتی دیکھی تو اُسے پھر پس منظر میں دھکیل دیا اور وہ آج تک غائب ہے۔ گویا فتنہ جہاں سے اُٹھا تھا، وہیں لوٹ گیا۔

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے؟

ہوئے تم دوست جس کے، دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو؟

آج کا پاکستان اِس دوستی کا "زندہ" اور مُنہ بولتا ثبوت ہے!! جہاں اہلِ ایمان تو خال خال، جبکہ "مسلمانوں" کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے۔ ناصح بُہت، چارہ ساز اور غمگسار ندارد۔ کردار کے غازی نایاب، گفتار کے ٹکے ٹوکری دستیاب۔ خدا پرست چھپتے اور فرقہ پرست اپنا اپنا علَم اُٹھائے دندناتے پھرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں، ہر فرقے کا مولوی دوسرے فرقے سے تعلق رکھنے والوں کو کم از کم ایکبار تو ضرور ہی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دے چکا ہے۔ سو اب ہمارے پاس گودام میں ہر قسم کی جماعتیں گروہ لشکر سپاہ اور جیش اور تحاریک وغیرہ تو اپنے اپنے برانڈ کے تحفظ اور دفاع کیلئے ہمہ وقت تیار حالت میں موجود ہیں، مگر "اسلام"؟ وہ غریب، "وقتِ دُعا" کے مرحلے میں ہے!!! ہماری اس لخت لخت داستانِ خونچکاں کا آغاز اُس پہلے خودکش حملے سے ہوتا ہے جو نو آزاد ملک میں 12 مارچ 1949ء کو بنام "قرارداد مقاصد" ہوا۔ مذکورہ قرارداد بظاہر تو بہت خوبصورت لفظوں میں لپٹی ہوئی تھی مگر اُس کے باطن میں دھماکہ خیز مواد موجود تھا۔ حیرت ہے مسلم لیگ کی قیادت اور اُس کے ہمنوا تب اِس بات کا ادراک کیوں نہ کر سکے کہ وہ جو شریکِ سفر ہی نہ تھے، جو پاکستان کو پلیدستان اور قائداعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کافراعظم کہتے اور ہمیشہ اس بات پر نازاں رہے کہ وہ پاکستان بنانے کے گناہ میں شامل نہیں تھے، اب اُن کا کندھا اور مذہب کا کارڈ استعمال کر کے ملکی سیاست میں اپنی انٹری ڈال رہے تھے۔ کسی کی نیت پر شک مقصود نہیں، مگر کیا کیجیئے "بے غرض" عمل کے بارہ میں درویشِ صفت اقبال علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خیال ہے کہ "اُس کی جزا کچھ اور ہے"! وہ داغ داغ نہیں ہوتی۔ قیام پاکستان کے ساتھ ہی ان لوگوں نے انتہا پسندی پر مبنی اپنی مذموم سرگرمیاں شروع کر دیں۔ ابھی پاکستان کو بنے ایک سال بھی پُورا نہیں ہوا تھا کہ 11 اگست 1948ء کو حاضر سروس احمدی فوجی ڈاکٹر میجر محمود احمد کو کوئٹہ میں سڑک کنارے انتہائی بے دردی کے ساتھ ایک مشتعل ہجوم نے شہید کر دیا۔ مسیحا اور محافظ کا قتلِ ناحق۔ ملک میں ایسی "تبلیغی سرگرمیوں" کی باقاعدہ بنیاد رکھ دی گئی۔ یہ ایک اعلانِ عام بھی تھا کہ ایسا ہو گا مستقبل کا پاکستان۔ جو سو فی صد سچ ثابت ہوا۔



جماعت احمدیہ میں خلافت کی اطاعت اور نظام

جماعت کی اطاعت

جماعت احمدیہ میں خلافت کی اطاعت اور نظام

جماعت کی اطاعت پر جو اس قدر زور دیا جاتا ہے یہ اس لئے ہے کہ جماعتی نظام کو چلانے کے لئے یک رنگی پیدا ہونی ضروری ہے اور اس زمانے کے لئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان ہے کہ مسیح موعودؑ کے آنے کے بعد جو خلافت قائم ہونی ہے وہ عَلٰی مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ہونی ہے وہ دائمی خلافت ہے اور جس کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی فرمایا ہے کہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا دیکھنا بھی ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ: ''خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ مَیں اپنی جماعت کو اطلاع دوں کہ جو لوگ ایمان لائے ایسا ایمان جو اس کے ساتھ دنیا کی ملونی نہیں اور وہ ایمان نفاق یا بزدلی سے آلودہ نہیں اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہیں۔ ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں''

(رسالہ الوصیت، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 309)

(خطبہ جمعہ 9 رجون 2006ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)



ظُلم رہے اور اَمن بھی ہو۔کیا ممکن ہے تم ہی کہو؟

اس دلخراش واقعہ کے اگلے سال جب بھارت اپنا آئین بنا اور وسیع البنیاد طرزِ حیات اور طرزِ حکومت کی طرف بڑھ رہا تھا، ہم یہاں عین اُسی سال قرارداد قرارداد (مقاصد) کھیل رہے تھے۔ جو بالآخر منظور ہو کر اگلے سات سال تک سرزمین بے آئین میں آئین (1956) کا قائمقام بننے کے ساتھ ساتھ مغربی اور مشرقی پاکستان کے بے شمار غیر مسلم پاکستانیوں کے گلے کی ہڈی بھی بنی رہی کہ وہ آغازِ سفر میں ہی یہ سوچنے لگے کہ ہمارا کیا بنے گا؟ کیونکہ اس قرارداد نے حضرت قائداعظم کی 11 اگست 1947ء والی اُس تاریخی تقریر کو پسِ پُشت ڈال دیا تھا جس میں امورِ مملکت کے خدوخال واضح کرتے ہوئے مذہب کو ریاستی معاملات سے الگ اور اقلیتوں کو مساوی حقوق دینے کی بات کی گئی تھی۔ اس بدلتے منظر نامے میں اب اُنہیں سیکولر بھارت زیادہ اپیل کرنے لگا۔ اور اُن کی ایک بڑی تعداد اِدھر سے اُدھر منتقل ہونے لگی۔ اور تو اور خود قائداعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقرر کردہ پہلے پاکستانی وزیر قانون جوگندر ناتھ منڈل جو ایک ہندو تھے، وہ بھی اسی عالم مایوسی میں یہاں سے چلے گئے۔ اُن کا خیال تھا کہ اس قرارداد کے ذریعے اقلیتوں کے حقوق پامال ہوئے ہیں۔ اور پھر اُنہوں نے وہاں سے 08 اکتوبر 1950ء کو اپنا استعفیٰ بھجوا دیا۔ جوگندر نے اپنی باقی زندگی کلکتہ میں گزاری اور 05 اکتوبر 1968ء کو وفات پائی۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ وزیر قانون کی روانگی سے کوئی تین ماہ قبل ڈی آئی جی انور علی کی طرف سے حکومتِ پنجاب کو ان مولویوں، احراریوں کی بڑھتی ہوئی شر انگیزیوں اور اُن کے احوال وشب و روز کے بارہ میں ایک مفصل اور چشم کشا رپورٹ بھی پیش کی گئی تھی جسے نظر انداز کر دیا گیا۔ (قصوروار کون؟ صفحہ 19)۔ سوسانحہ کوئٹہ سے لے کر حالیہ سانحہ سیالکوٹ (جس میں ایک غریب الوطن سری لنکن مارا گیا) تک پھیلے جتھوں کے ہاتھوں صادر ہوتے فیصلوں نے ثابت کیا کہ انکے خدشات درست اور اُن کی فکرمندی بجا تھی۔ مذکورہ قرارداد کے صرف چار سال بعد 1953ء میں، اسلام کو ملک بھر میں ختم نبوت کے نام سے اُٹھی ایک منظم اور متشدد تحریک کے ذریعہ متعارف کروایا گیا۔ مگر تب کی دانا اور دور اندیش قیادت نے ملکی اور قومی مفاد میں اُس تحریک (جس کے پیچھے ممتاز دولتانہ کا دستِ سیاست کارفرما تھا) کو "گربہ کشتن روزِ اوّل" کے مصداق سختی سے کچل دیا۔ اور یوں اگلے اکیس سال تک ملک فرقہ واریت کی لاحاصل جنگ میں جلنے سے بچا رہا۔ اس کے بعد 1974ء میں اُس تحریک نے دوبارہ سر اُٹھایا۔ اور بدقسمتی سے اس دفعہ دانش اور دُور اندیشی پر جُز وقتی سیاسی مصلحت اور اقتدار کی محبت غالب آ گئی۔ تحریک اپنی انتہاء کو پہنچ گئی۔ چشمِ فلک نے دیکھا کہ اپنے ہاتھوں کی اس کمائی (دین میں تجاوز) نے پھر کیا کیا گُل کھلائے۔ بھٹو رہا نہ اُس کا اقتدار۔ جنرل ضیاء نے اُسی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے 1984ء میں ایک خلافِ اسلام آرڈیننس جاری کر کے اُس انتہاء کی بھی انتہاء کر دی۔ اُس جبرِ ناروا کے موسم میں ظلم وستم کے نئے نئے باب رقم ہونے لگے۔ خدا بنے تھے یگانہ مگر بنا نہ گیا۔

تقدیر نے پھر وہی بھٹو والی المناک کہانی دہرائی۔ ضیاء رہا نہ اُس کا اقتدار۔ دونوں تاریخ میں عبرت کا نشان بن گئے۔ بھٹو ایک مکورک مقدمے میں دار کی خشک ٹہنی پہ وارا گیا۔ اور ضیاء جل مرا۔ آگے راوی بیان کرتا ہے کہ پھر چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ شادو آباد گھروں سے جنازے اُٹھتے اور وہ ماتم کدوں میں تبدیل ہوتے گئے۔ شہر میدان جنگ کا منظر پیش کرنے لگے۔ کہیں گولیاں، کہیں ناکے، کہیں دھماکے پاک سرزمین کا مقدر ٹھہرے۔ نیتجتاً ملک بھر میں مختلف ناموں اور عنوانوں کے ساتھ فوجی اپریشنوں کا ایک لامتناہی سلسلہ چل نکلا۔ اپریشن "رَدالفساد" تو گزشتہ پانچ سالوں سے جاری ہے مگر بہت سارے اگر مگر کے ساتھ کہ فتنہ خوب مُنہ زور ہو چکا۔ اس خوفناک صورتحال کو وزیر اعظم پاکستان عمران خان کے اس اعترافی بیان کہ "پاکستان میں اسلام کے نام پر فساد پھیلایا گیا" کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو منظر اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔ اور المیہ یہ کہ مذکورہ قرارداد سے شروع ہونے والے تباہ کن سفر کے نتیجہ میں اہلِ وطن کے بھی کچھ ہاتھ نہیں لگا۔ ہمارے روایت پسند سماج کی سب خوبصورتیاں جذباتی نعروں کی نذر ہو گئیں۔ اُن کی جگہ نفرت اور بیگانگی نے لے لی۔ خدا ہی مِلا نہ وصال صنم۔

ستم بالائے ستم یہ کہ ہماری ان عاقبت نا اندیشانہ حرکتوں کا اثر لامحالہ ہمسائیوں خصوصاً بھارت پر بھی پڑا۔ ہم نے مارچ میں قراردادِ مقاصد پاس کی، اُسی سال دسمبر میں اس کا جواب بابری مسجد میں بُت رکھ کر دیا گیا۔ پیغام بڑا واضح تھا۔ یہ تو اُس ملک اور قوم کی خوش قسمتی تھی کہ کانگریس اپنے سیکولر ایجنڈے پر ڈٹی اور اپنی سب اقلیتوں کو ساتھ لیکر چلتی رہی۔ ڈاکٹر من موہن سنگھ کی وزارتِ عظمٰی اس کی شاندار مثال ہے۔ مودی کے بھارت میں آج وہاں کے بیس بائیس کروڑ مسلمانوں کی زندگی اجیرن ہوچکی ہے۔ اور اس کا سہرا یقیناً ہمارے سر جاتا ہے جنھوں نے وہاں انتہا پسندی برآمد (Export) کی۔ سیاست میں مذہب کے استعمال کی راہ دکھائی۔ اور اب بھارت بھی تباہی کے رستہ پر چل پڑا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے جس زور شور سے ہم نے اسلام اسلام کا نعرہ لگایا، مذہب کی بات کی اگر اُسی نسبت سے ہم امن وسلامتی والے اس رستہ پر گامزن ہوتے تو کیا پاکستانی معاشرہ یوُں تقسیم در تقسیم اور نفرتوں کا شکار ہوتا؟ ہم اِس حال (بے حال) میں ہوتے؟ یہاں بدقسمتی سے ایک جھوٹ کو چھُپانے کیلئے سوسو جھوٹ بولنے کا چلن عام کیا گیا۔ اور آج ہم پوری طرح اُس نجس کے زیر تسلط ہیں۔ اُس سے باہر نکلنا، سچ بولنا اور اُس پر قائم رہنا، موت کو دعوت دینے کے مترادف ہو چکا ہے۔ اگر کسی کے منُہ سے جانے انجانے میں کلمۂ حق نکل جائے تو وہ اگلے ہی روز (بوجوہ) تپلی گلی سے باہر نکل جاتا ہے۔ کہ میں کس عذاب میں پڑ گیا! آج ہمیں ملک کے، زندگی کے ہر شعبۂ حیات میں جو زوال ہی زوال اور وہ بھی اپنے پورے کمال کے ساتھ نظر آتا ہے، یہ بے سبب نہیں۔ بے برکتی ایسی کہ اور تو اور یارانِ وطن کو صاف ہوا مُیسر ہے اور نہ ہی صاف پانی۔ ہمارے سب بڑے شہر شدید قسم کی فضائی آلودگی کا شکار ہیں اور پینے کا پانی بھی انتہائی مضرِ صحّت۔ گویا زہر مِلا۔ ہمارا واٹر ٹیبل روز بروز نیچے جارہا ہے۔ ایک سروے رپورٹ کے مطابق پاکستان کی زرعی مٹی بھی تیزی سے اپنی تاثیر کھو رہی اور باوجود کوشش کے زرعی پیداوار نہیں بڑھ رہی۔ نصف ایمان صفائی کا یہ عالم کے ہمارے دیہات شہر گلی کوچے گندگی سے اٹے پڑے بلکہ اس میں ڈوب رہے ہیں۔ مقاماتِ آہ وفغاں اور بھی ہیں جیسے ہماری اقتصادی، اخلاقی اور تعلیمی حالت تینوں ہی تباہ و برباد۔ ملک مقروض اور شہرت بھکاری کی۔ کرپشن میں دنیا کے ٹاپ ممالک میں شامل بلکہ شاید نمبر وَن۔ ہمارے پاسپورٹ کی اوقات صفر۔ جدید مغربی ممالک تو کُجا، برادر اسلامی ممالک میں بھی ہماری یہ عزت کہ پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں۔ پُوچھے بھی کیسے؟ چند سال پہلے پاکستان کے ایک سابق چیف جسٹس انور ظہیر جمالی صاحب کا بیان تھا جس ادارے پر ہاتھ ڈالیں نئی داستان نکلتی ہے۔ کس کس کو سمجھائیں۔ دعا ہے قوم سدھر جائے۔ خود جسٹس صاحب کے اپنے ادارے یا ہمارے "نظامِ عدل" کی کہانی بھی کچھ مختلف نہیں۔ یہ بھی سُن لیں۔ ایک غریب لائین مین پر تین سو روپے رشوت لینے کا الزام لگا۔ سترہ سال کیس چلا۔ وقت کے طویل ضیاع اور لاکھوں روپیہ برباد کرنے کے باوجود بھی استغاثہ الزام ثابت نہ کرسکا تو جج صاحب نے ملزم کو "باعزت" بری کر دیا۔ لطیفہ یہ کہ اس دوران مال خانے پر پڑا تین سو روپیہ بھی کوئی (مسلمان) لے اُڑا۔

(جنگ آن لائن 27 مئی 2018ء)

الغرض ہماری حیاتِ اجتماعی کا ہر باب ہی المناک ہے کوئی کہاں تک سُنائے اور کہاں تک سُنے؟ یوں لگتا ہے جیسے ہماری سرزمین اللہ کی نظر سے ہی گر گئی ہے۔ ایسے میں کوئی کیا ہے اور کیا نہیں۔ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے یہ ایک یُوں بے مقصد بحث معلوم ہوتی ہے کہ جنہیں خصوصیت کے ساتھ ایسا مشورہ دیا جاتا ہے، وہ تو کب کے دکان اپنی بڑھا گئے۔ اب ہمیں خود کو ایسے کسی تنگنائے تک محدود اور مقید رکھنے کی بجائے آگے بڑھکر ڈوبتے جہاز کی، ملک وقوم کی فکر کرنی چاہیئے۔ مژگاں تو کھول شہر کو سیلاب لے گیا۔

پس چہ باید کرد؟ روزِ اوّل تا امروز اَز سرِ نو دُہرائی گئی اس کہانی کے پس منظر میں انیق ناجی (اور اُن جیسے دیگر اصحابِ فکر) کیلئے یہی مناسب مشورہ ہے کہ وہ ملک اور بیرون ملک مقیم اپنے وطن دوست فکری اتحادیوں، ہم خیالوں کو کمزور کرنے کی بجائے پہلے سے بھی زیادہ استقامت کے ساتھ اُن کی آواز میں آواز ملائیں۔ منافقت میں لتھڑے اس "مائینڈ سیٹ" کے خلاف کھڑے ہوجائیں۔ جو طالبان کو تو دعوتِ مناظرہ دیتے وقت "بندوق کی جگہ دلیل" کا ماٹو آگے رکھتا جبکہ دلیل کی بات کرنے والے غیر مسلح طبقوں پر چڑھ دوڑتا ہے۔ یہ وقت، مُنتشر ہونے کا نہیں، متحد ہو کر اس "مخلوق" کو مار بھگانے اور ان سے ملکی قبضہ

چھڑانے کا ہے۔ ہمت کرنے اور ڈٹ جانے کا ہے۔قومی بقاء کا ہے۔سچ کہتا ہوں اس سارے افسانے میں اسلام کہیں بھی نہیں۔ ہوتا تو اُس کا جلوہ ضرور نظر آتا۔ یہ خوامخواہ کا فساد فی الارض ہے جواللہ اور اختلافی امور کے سلسلہ میں اُسکی بار بار کی یاددہانیوں پر عدم اعتماد کی وجہ سے پھیلا۔ اقبال نے شاید ہمتوں کی پستی کا ایسا ہی نظارہ، ایسا ہی تجاہلِ عارفانہ دیکھتے ہوئے کہا تھا

یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقتِ قیام آیا!

اب آخر میں انیق کی ایک یونیق بات کا غیر جانبدارانہ جواب۔ مؤصوف نے جماعتی قیادت کی "فائیو اسٹار" زندگی اور اُس سے جُڑی "لائف لائین" کو اپنا ہدف بناتے ہوئے اس تاثر کو اُبھارنے کی کوشش کی ہے کہ

ہم کو تو مُیسر نہیں مٹی کا دیا بھی

گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن!

تو اس ضمن میں صرف یہی کہنے پر اکتفا کروں گا کہ بھلے آپ جتنے مرضی ایسے سوال اُٹھائیں ، حکایاتِ سعدی و رومی سے ماخوذ قصّے کہانیاں از قسم "طوطے کا پیغام" پڑھ پڑھ کر سنائیں، پھونکیں ماریں ہم پر انشاء اللہ کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اثر کیا ہم سے ایسی کوئی توقع وابستہ کرنا ہی عبث ہے۔ ہم اور باغی مرید؟ اَیں خیال اَست ومحال است وجنوں! کہ شاید ہم بھی کسی روز اُس بدو کے نقش قدم پر چل نکلیں گے جس نے بھری مجلس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے یہ سوال اُٹھا دیا تھا کہ تھوڑے کپڑے میں ہماری قمیص تو نہیں بنی، آپ کی کیسے بن گئی؟ جماعت احمدیہ، جیسا کہ ہمیں بتایا اور پڑھایا گیا، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے۔ سو ہمارا مالہ وماعلیہ بھی اُسی قادر خدا کے ذمے ہے۔ جماعت کے لوگ ایک نظام کے پابند اور اطاعت کا مخمور کن مادہ اُن کی گھُٹی میں پڑا ہے۔ یہاں نجانے مجھے کیوں سرد جنگ کے دنوں کی ایک بات یاد آ گئی اور وہ یہ کہ کمبخت امریکیوں نے روسیوں (جنہیں سابق سوویت صدر میخائل گورباچوف (روسی مصلح) نے اسی کی دہائی کے وسط میں اپنی پالیسیوں گلاسنوسٹ اور پرسٹرائیکا کے ذریعے کشادگی، شفافیت اور معاشرتی مسائل پر آزادنہ گفتگو کی راہ دکھائی تھی) اور اُن کے نظام کو بدنام کرنے کے لئے طرح طرح کے لطیفے گھڑ رکھے تھے جیسے یہ کہ ایک دفعہ روسی اور امریکی شہری کی مڈبھیڑ ہوگئی، امریکی اتراتے ہوئے کہنے لگا مجھے میرے ملک میں اتنی آزادی حاصل ہے کہ میں وائٹ ہاؤس کے سامنے کھڑا ہو کر امریکی صدر کو گالیاں دے سکتا ہوں۔ یہ سُنکر روسی نے تُرکی بہ تُرکی جواب دیا کہ یہ آزادی تو ہمیں بھی حاصل ہے اور میں بھی کریملن کے سامنے کھڑا ہو کر امریکی صدر کو گالیاں دے سکتا ہوں!!

سوانیق ناجی صاحب ہمارے بارے میں زیادہ متفکر نہ ہوں کہ ہم روسیوں سے بھی تین سال سینئر یعنی 1914ء سے تخلیق پاتے اپنے اس نظام عقیدت کے تابع فرماں چلے آرہے اور مسلسل اپنا یہ "اعزاز" برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ اگر اب بھی آپ کو سمجھ نہیں لگی تو پھر قرآن وحدیث کی روشنی میں کچھ عرض کئے دیتا ہوں۔ سورۃ البقرہ آیت 125 میں اللہ تعالیٰ اور ابوالانبیاء کے درمیان ایک مختصر سا مکالمہ بیان ہوا ہے فرمایا:

"اور جب ابراہیم کو اس کے ربّ نے بعض کلمات سے آزمایا اور اس نے ان سب کو پورا کر دیا تو اُس نے کہا میں یقیناً تجھے لوگوں کے لئے ایک عظیم امام بنانے والا ہوں۔ اُس نے عرض کیا اور میری ذرّیت میں سے بھی۔ اس نے کہا (ہاں مگر) ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچے گا۔"

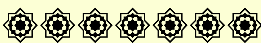
جماعت کے لوگ جو خود کو بجا طور پر مکہ مکرمہ کے رستہ پر خیال کرتے ہیں، لازم نہیں کہ اُن سب یا اُس کے ظالموں تک بھی اللہ کا وعدہ پہنچے۔ "مسلمان" ہونے کا کوئی مدعی شریعت کی قید سے باہر نہیں۔ مذکورہ آیت شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عہد اور اُس کی مدد مشروط ہے۔ اُس کا کوئی چہیتا اور چنیدہ نہیں۔

خاتم النبین سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بسلسلہ راعی جب یہ فرمایا (بخاری شریف:1504)

کہ تم میں سے ہر فرد اپنے دائرہ ذمے داری میں نگران اور جوابدہ ہے جیسے ہر انسان اپنے گھر کا عورت خاوند کے گھر کی اور خادم اپنے آقا کے مال کا۔ تو اس حدیثِ مبارکہ کا آغاز ہی امام سے کیا اور اُسے سب سے اوپر اور مقدم رکھا۔

"پس امام نگران ہے اور اس کی رعیت کے بارہ میں اس سے سوال ہوگا۔"

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِين





میڈیا کی پروپیگنڈا جنگ

وجاہت علی خان

روس یوکرین کے مابین حالیہ جنگ کی شدت کے بعد عالمی معاملات پر عمیق نگاہ اور کھلے دماغ رکھنے والے لوگ اس حقیقت سے کماحقہ آگاہ ہیں کہ بنیادی طور پر اس وقت امریکہ، یورپی یونین، برطانیہ، نیٹو اتحاد ایک طرف اور روس اکیلا ایک طرف یہ جنگ لڑ رہا ہے لیکن صورتحال یوں ہے کہ دُنیا بھر کے ذہن بنانے والے سرکردہ میڈیا ہاؤسز اور نیوز ایجنسیاں یکطرفہ تصویر دنیا کو دکھا اور پڑھا رہے ہیں اور یہ پروپیگنڈا مشینری اس دفعہ تو قانون و اخلاقیات کی سبھی حدود و قیود پار کر چکی ہے۔ آج روس کیخلاف یہ پروپیگنڈا مہم اس قدر منظم ہے کہ نقل پر اصل کا گمان ہوتا ہے لیکن اصل صورتحال جاننے کے لیے روس، چین اور الجزیرہ جیسے ٹی وی چینلز دیکھنے بھی ضروری ہیں۔ اگرچہ rtnews جو روس کا چینل ہے، برطانیہ میں پچھلے ہفتہ سے اس پر پابندی لگا دی گئی ہے تاکہ اُن کا نقطہ نظر سامنے نہ آ سکے۔

امریکہ کی بے پناہ بڑھتی ہوئی طاقت اور اثر انداز ہونے کی صلاحیت کا اندازہ اس حقیقت کو دیکھتے ہوئے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ پچھلے کوئی 50 سال کے دوران امریکہ نے جتنی جنگیں جیتی ہیں ان کے پس پردہ فوج سے زیادہ ان کے میڈیا کا کردار تھا، جو انتہائی اہم بھی تھا اور بھرپور بھی۔ مغربی میڈیا اپنی اشاعت و نشریات کے ذریعے وہ تصویر ہی دنیا کو دکھاتا ہے جو اس کے عسکری ادارے تقاضا کرتے ہیں۔ امریکہ اور دیگر مغربی طاقتوں کے دُنیا کے کمزور اور بے ترتیب ملکوں پر پے در پے تہذیبی، فکری اور جنگی حملے اس بات کے غماز ہیں کہ میڈیا یقیناً توپ و تفنگ سے زیادہ مہلک اور پُراثر ہتھیار ہے۔ دُنیا بھر میں پھیلا ہوا امریکی و برطانوی میڈیا اپنی حکومتوں کے مفاداتی ایجنڈے کو اس خوبصورتی سے پھیلاتا ہے کہ صریحاً غلط بھی درست معلوم ہوتا ہے۔ اس دور میں تو اخبارات کے روایتی میڈیا میں 24 گھنٹے سیٹلائٹ ٹیلی ویژن اور اس سے بھی زیادہ مہلک ترین، فیس بک، یوٹیوب اور ٹویٹر کی شکل میں سوشل میڈیا بھی شامل ہو چکا ہے جو گولی کی رفتار سے زیادہ تیز اور بعض صورتوں میں انتہائی خطرناک بھی ہے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ دنیا بھر میں چل رہے ہر قسم کے میڈیا کا اسٹیئرنگ امریکہ اور برطانیہ کے ہاتھ میں ہے۔ انتہائی سرعت سے نت نئی اشکال میں آنے والے میڈیا کو دیکھتے ہوئے بعید القیاس نہیں کہ مستقبل کی جنگیں فوج نہیں بلکہ میڈیا کے بل پر لڑی اور جیتی جائیں گی۔ لہٰذا پاکستان کو بھی اپنے ملکی میڈیا کو کم از کم عالمی میڈیا کے معیار کے قریب تر لانے کیلئے جنگی بنیادوں پر اقدامات کرنا ہوں گے۔ برٹش براڈ کاسٹنگ کارپوریشن (بی بی سی) کو ہی لیں تو یہ انگریزی کے ساتھ ساتھ ہندی، فارسی، عربی، پشتو اور اردو زبان میں بھی پروگرام پیش کرتا ہے۔ اسی طرح اسکائی نیوز، وائس آف امریکہ، فاکس ٹی وی چینل، اے بی سی، سی این این، رائٹر نیوز ایجنسی جیسے ادارے پروپیگنڈا مشینری کے ذریعے اپنی حکومتوں اور ملکی مفادات کے حق میں معلومات برصغیر، افریقہ اور دیگر ملکوں کے عوام تک پہنچاتے ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ پاکستان میں بھی بی بی سی کی خبر کو 100 فیصد سچ سمجھا جاتا ہے اور لوگ اس کے پروپیگنڈے کا شکار بھی ہوتے ہیں۔ سامراجی ممالک اپنے ذرائع ابلاغ سے مکمل طور پر اپنے حق میں پروپیگنڈے کا کام لیتے اور اس کے ذریعے انسانی اذہان کو تسخیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ براڈ کاسٹنگ کو انسانی فلاح اور امن و آشتی کیلئے استعمال کرنے کا دعویٰ یوں تو ہر ملک ہی کرتا ہے لیکن اس پر عمل دُنیا کا کوئی ایک ملک بھی نہیں کرتا اور کھلم کھلا اس کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اِس قسم کی مکروہ اور خوفناک صورتحال کو روکنے کیلئے اقوامِ متحدہ کا بھی کوئی قانون موجود نہیں ہے حالانکہ صاف دکھائی دے رہا ہے کہ میڈیا کا اس قسم کا پروپیگنڈا عالمی امن کیلئے سود مند نہیں ہے۔ پاکستان میں بھی گزشتہ دو دہائیوں کے دوران میڈیا نے خاطر خواہ ترقی کی ہے لیکن ہمارا میڈیا عالمی رائے عامہ کو تبدیل کرنے یا اس پر اثر انداز ہونے کے مقام کو ابھی چھونے کے قابل بھی نہیں ہوا کیونکہ پاکستان کا پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا آج تک ملکی سیاست کے معاملات سے ہی باہر نکل نہیں سکا۔ ایک اندازے کے مطابق ہمارے

میڈیا پر 80 فیصد وقت ملکی سیاست یا جُرم وسزا کی خبروں میں اور باقی وقت مذہبی واعتقادی موشگافیاں ڈسکس ہوتی ہیں۔ پاکستانی میڈیا میں سے کسی کی کوئی شاخ بیرون ملک ہے بھی تو اس کی مثال گھڑے کی مچھلی جیسی ہے، عالمی مسائل ومعاملات سے انہیں دور کا بھی معانقہ نہیں، ہمارے میڈیا پر سماجی اور روزمرہ کے انسانی معاملات ومسائل کیلئے بھی جگہ نہیں ہے۔ ہمارے ٹیلی ویژن چینلز پر 24 گھنٹے ملکی سیاست پر گفتگو ہوتی ہے حتیٰ کہ طنز ومزاح کے پروگرامز میں بھی سیاست اور ٹاک شوز میں بھی سیاسی اکھاڑ بچھاڑ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ دُنیا میں کیا ہورہا ہے اور پاکستان ترقی یافتہ ملکوں میں ہونے والے واقعات میں کس طرح حصہ بن کے خود کو منوا سکتا ہے؟ ہمارا میڈیا اس قسم کی سوچ و رجحان سے کوسوں دور ہے جبکہ ترقی یافتہ ملکوں سمیت بہت سے ترقی پذیر ملکوں کا میڈیا بھی خود کو اس صورتحال کیلئے تیار کررہا ہے کہ آئندہ برسوں میں ملکوں کے درمیان ہونے والی ہر قسم کی جنگیں فوجیں نہیں میڈیا لڑے گا۔ ہمسایہ ملک بھارت بھی عالمی سطح پر مذکورہ میڈیا وار کیلئے خود کو تیار کررہا ہے، میری اس سوچ کی تصدیق کیلئے چند چوٹی کے بھارتی میڈیا چینلز واخبارات ملاحظہ کریں۔ لندن جیسے شہر میں بھی پاکستانی میڈیا کا کردار موثر ہے اور نہ ہی عالمی معیار کے مطابق۔

صد افسوس کہ پورے پاکستانی میڈیا میں ایک بھی ایسا نہیں جو کسی ترقی یافتہ میڈیا کے ساتھ کھڑا ہو سکے۔ حیرت ناک صورتحال یہ ہے کہ گلوبل ورلڈ اور سیٹلائٹ کے اس تیز تر دور میں پاکستان کا کوئی ٹی وی چینل عالمی زبان انگریزی میں نہیں ہے جسے استعمال کر کے براہِ راست دنیا تک اپنا نقطہ نظر پہنچایا جا سکے۔ اس حقیقت سے بھی مفر ممکن نہیں کہ اگر برطانیہ ودیگر مغربی مما لک میں رہنے والے پاکستانی صحافی ہر وقت اپنی بقا کی تگ ودو اور معاشی تنگدستی کا شکار رہتے ہیں تو پھر ان حالات میں کس طرح ممکن ہے کہ ہم میڈیا وار لڑ سکیں؟ ریاست وحکومت کو اس معاملے پر انتہائی سنجیدگی سے کوئی مربوط پالیسی مرتب کرنا ہوگی کیونکہ بہرحال یہ تو طے ہے کہ آئندہ کی جنگیں افواج اور روایتی ہتھیاروں کی بجائے میڈیا پر لڑی جائیں گی اور بہتر حکمتِ عملی سے جیتی بھی جائیں گی۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ 11 مارچ، 2022)



رگ وریشے میں گوندھی ہے خلافت سے وفاداری

مبارک احمد ظفر

رگ وریشے میں گوندھی ہے خلافت سے وفاداری
اسی کا ہوں غلام ادنیٰ اس کا ایک انصاری

خلافت ہی قیامِ امنِ عالم کی ضمانت ہے
رضا اس کی رضائے حق تعالیٰ کی ہے رہ داری

علی الاعلان کہتا ہوں کہ رُسوائی مقدر ہے
نظامِ آسمانی سے کرے گا جو بھی غداری

مسیح وقت کے ہیں حضرت مسرور اب نائب
خدا نے ہی زمانے کی انہیں سونپی ہے سرداری

یہی مردِ خدا ہے جو بِنا تلوار و نیزے کے
نہتا کر رہا ہے ہر جہت میں دیں کی سالاری

کبھی نصرت نہیں ملتی درمولیٰ سے گندوں کو
' شریروں پر شرارے ہی گرائے ان کی مکّاری

وہی پاتے ہیں در بارِ خداوندی میں ہر عزت
خدا کے پاک بندوں کی جو کرتے ہیں طرف داری

خدا کے برگزیدوں کو ستانا، ان کو دکھ دینا
سنو! زہرِ ہلاہل ہے نہیں ہے عام بیماری

عقیدت کا مرا ناطہ ہے ان سے پانچ پشتوں کا *
*اگر یہ جرم ہے تو یہ ظفر ہے اس کا اقراری *





عالم اسلام کے دس عظیم سائنسدان اور احمدی نوبیل انعام یافتہ عبدالسلام

(انجنیئر محمود مجیب اصغر)

رابطۃ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ(Muslim World League) ایک نان گورنمنٹ آرگنائیزیشن ہے جو 1966ء میں کنگ فیصل بن عبد العزیز السعود کے زیر سرپرستی مکہ مکرمہ میں قائم ہوئی انہوں نے اپنے جریدہ 10 اکتوبر 2021ء

Oct 202110 Vol 50JournalMWL

کے صفحہ 20 تا 24 پر دس عظیم مسلمان سائنسدانوں کے نام مع مختصر تعارف وتصویر دیئے ہیں۔جو کہ درج ذیل ہیں۔

ان دس عظیم مسلمان سائنسدانون میں زمانی اعتبار سے ڈاکٹر عبدالسلام 7 ویں نمبر پر ہیں۔

(1) محمد ابن موسیٰ الخوارزمی (850 780) بابائے الجبرا(Father of Algebra)

(2) جابر ابن حیان (816c 804722) بابائے کیمیا(Father of Chemistry)

3) ابونصر الفارابی(950872) The Second Teacher

4) ابن زہر (11621094)

(بانی سرجری)Zuhr لاطینی نام Avenzoar

5) ابن خلدون(14061332) بانی سماجی سائنسز

6) فریڈرک اکبر محمد(18841849)(Foreunner) پیشرو بلڈ پریشر

7) محمد عبدالسلام (19961926) پاکستان کا بابائے سائنس

8) احمد زویل(20161946) بابائے فیمٹو کیمسٹری

9) عزیز سنکار(b 1946)

پہلا ترکش مسلمان نوبیل انعام حاصل کرنے والا سائنس دان (مالیکیولر بیالوجسٹ)

10) شیخ مسظافر شکور(1972) پہلا ملائشین خلاباز

(Astronaut The First Malaysian)

MOHAMMAD ABDUS SALAM

(1926_ 1996)

Scientific Father from Pakistan

Salam was a world_renowned physicist and the only Pakistani Scientist awarded the Nobel Prize. Salam served as a scientific advisor to the Ministry of Science and Technology in Pakistan and played a significant role in developing science in the country. He was the founding director of the Space and Upper Atmosphere and established the Theoretical Physics Group. For these contributions, he earned the nickname "Scientific Father." In 1979, Salam wss awarded the Nobel Prize in Physics in recognition of his work on the electroweak theory, an important of discovery in particle physics. Salam 's other outstanding achievements iinclude the Pati_Salam model, magnetic photon, vector menson, Grand Unified Theory, and work of supersymmetry.

یعنی" سلام عالمی سطح پر شہرت رکھنے والا معروف ماہر طبیعات اور واحد پاکستانی سائنس دان تھا جنہیں پارٹیکل فزکس نوبیل انعام دیا گیا سلام نے پاکستان کی وزارت سائنس اور ٹیکنالوجی میں سائنسی مشیر کے طور پر کام کیا اور پاکستان میں سائنس کی ترقی کے لئے غیر معمولی خدمات سرانجام دیں وہ سسپارکو کے بانی ڈائریکٹر تھے اور انہوں نے تھیوریٹیکل فزکس گروپ قائم کیا ان خدمات کی بدولت انہیں ’’پاکستان کا بابائے سائنس‘‘ کا عرفی نام دیا گیا۔

سن 1979ء میں انہیں اپنی تحقیق الکٹرو ویک تھیوری (جو کہ پارٹیکل فزکس میں ایک اہم دریافت ہے) کی بنیاد پر فزکس کا نوبیل پرائیز دیا گیا ان کی دیگر اہم خدمات میں پیٹی سلام ماڈل، مقناطیسی فوٹان کی دریافت، وکٹر میسن، گرینڈ یونیفائڈ تھیوری اور سپر سائیمٹری پر ریسرچ شامل ہیں۔

یہ خدا کی عجیب شان ہے کہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ میں پاکستان کے پہلے احمدی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام کو عالم اسلام کے دس عظیم سائنسدانوں میں شمار کرتی ہے جسے پاکستان کے تناظر میں تضادات کا مظہر کہا جاسکتا ہے۔

ظالمو اپنی قسمت پہ نازاں نہ ہو		دور بدلے گا یہ وقت کی بات ہے
وہ یقیناً سنیں گے صدائیں میری		کیا تمہارا خدا ہے ہمارا نہیں

ڈاکٹر عبدالسلام کا مجسمہ

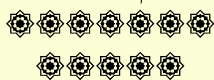
انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی IAEA ہیڈ کورٹر Vienna کے باہر کئی نامور سائنسدانوں کے مجسمے آویزاں ہیں پاکستان کے ایک مجسمہ ساز جمال شاہ نے ڈاکٹر سلام کا نہایت خوبصورت bronze bust تیار کیا جس کی نقاب کشائی IAEA کے ڈائریکٹر جنزل yukiya amano نے 61ویں کانفرنس کے موقع پر کی۔ یہ مجسمہ دوسرے notable figures کے ساتھ IAEA کے ہیڈ کوارٹر وی آنا میں آویزاں کیا گیا ہے جنہون نے نیوکلئر سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کی ترقی میں کلیدی کردار ادا کیا ان میں ایک نامور ڈاکٹر سلام تھے جو 1962 یا 1963 کے لئے IAEA بورڈ آف گورنرز کے ممبر منتخب ہوئے تھے IAEA آپ کے قائم کردہ عبدالسلام انٹرنیشنل سنٹر برائے تھوریٹیکل فزکس ٹرسٹے اٹلی کا حصہ دار ہے ڈاکٹر عبدالسلام 29 جنوری 1926ء کو پاکستان میں پیدا ہوئے تھے 1979ء میں انہیں فزکس میں نوبیل انعام ملا 21 نومبر 1996ء کو ان کی انگلستان میں وفات ہوئی اور بہشتی مقبرہ ربوہ پاکستان میں ان کی تدفین ہوئی ان کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی اس پیشگوئی کا مظہر اول قرار دیا جو کہ درج ذیل ہے

"میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے لہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے" (تجلیات الٰہیہ)

غزل

ڈاکٹر فرزانہ فرحت۔لندن

بہت روئے در و دیوار میرے
گھروندے جب ہوئے مسمار میرے
مرے رَنج و اَلم کا ہر فسانہ
بیاں کرتے رہے اشعار میرے
ابھی ہے تیرگی کچھ کچھ یہاں پر
ابھی آئے نہیں سرکار میرے
دُکھوں کی آگ میں جب سے جلی ہوں
خزانے سب گئے بیکار میرے
وہی اب جان لینے پر تلے ہیں
کہ جو تھے مالک و مختار میرے
کہاں ہیں خوشنما منظر کہاں ہیں
کہاں ہیں اب گل و گلزار میرے
ابھی تک منزلوں سے دور ہوں میں
کہ رَستے ہیں بہت پر خار میرے
مجھے سونے نہیں دیتے ہیں شب بھر
مری اک عمر کے آزار میرے
اَذیت کب تلک یہ ختم ہوگی
بتا دے آج پالن ہار میرے
بہت تنہائیاں ویرانیاں ہیں
بہت سنسان ہیں بازار میرے
مرے کس کام کے ہیں آج فرحتؔ
سبھی یہ درہم و دینار میرے





سیالکوٹ واقعہ ہماری اجتماعی غلطیوں اور پالیسیوں کا تسلسل ہے

یونس خان، پیرس

جمعے کے روز سیالکوٹ میں ایک مشتعل ہجوم نے توہین مذہب کے الزام میں ایک غیر ملکی شہری کو تشدد کر کے ہلاک کرنے کے بعد اس کی لاش کو آگ لگا دی تھی۔ ہلاک ہونے والے شہری کی شناخت پریانتھا کمارا کے نام سے ہوئی ہے۔ پریانتھا کمارا سری لنکن شہری تھے۔ یہ سیالکوٹ کے وزیرآباد روڈ پر واقع ایک نجی فیکٹری میں بحیثیت جنرل مینیجر کے خدمات انجام دے رہے تھے۔ سوشل میڈیا پر بھی اس واقعے کی کئی ویڈیوز گردش کر رہی ہیں جن میں دیکھا جا سکتا ہے کہ ہجوم ایک انتہائی تشدد زدہ لاش کو سڑک پر گھسیٹ کر لاتا ہے اور پھر سینکڑوں افراد کی موجودگی میں اسے آگ لگا دی جاتی ہے۔

وہاں موجود سینکڑوں افراد پریانتھا دیاوادانا کو قتل کرنے والے افراد کی ستائش کرتے بھی دکھائی دے رہے ہیں۔ سوشل میڈیا پر موجود ویڈیوز میں یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ مشتعل ہجوم اور واقعے کے وقت موجود دیگر سینکڑوں افراد ویسے ہی نعرے لگا رہے تھے جیسے نعرے تحریک لبیک پاکستان کے کارکن اپنے دھرنوں اور جلسوں میں بلند کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ پاکستان میں توہین مذہب کے الزامات عائد کر کے ہجوم کے ہاتھوں قتل کر دیے جانے کے واقعات تواتر سے سامنے آتے ہیں تاہم ایسا کم ہی ہوا ہے کہ یوں کسی غیر ملکی شہری کو قتل کیا گیا ہو۔

سیالکوٹ میں ہسپتال ذرائع کا کہنا تھا کہ ان کے پاس ایک انتہائی بری طرح جلی ہوئی لاش لائی گئی تھی۔ ہسپتال انتظامیہ کے مطابق 'لاش تقریباً راکھ ہی بن چکی ہے۔ پولیس ترجمان کا کہنا ہے کہ انھوں نے 100 سے زائد افراد کو حراست میں لے لیا ہے، جن کے کردار کا تعین سی سی ٹی وی فوٹیج سے کیا جا رہا ہے۔ پولیس کا کہنا ہے کہ دیگر ملزمان کی گرفتاری کے لیے چھاپے مارے جا رہے ہیں۔ سیالکوٹ واقعہ ہماری قومی پالیسیوں کا تسلسل ہے۔

یورپی یونین کی پاکستان میں سفیر اینڈرولا کمینارا نے اسے ایک خوفناک حملہ قرار دیا ہے۔ یورپین یونین میں اس واقعہ کے حوالے سے انتہائی تشویش کا اظہار کیا گیا ہے۔ دنیا بھر میں پاکستان کے حوالے سے انتہائی منفی تاثر گیا اور اس خبر کو دنیا بھر کے اخبارات نے نمایاں کر کے شائع کیا۔ پرتشدد اور انتہا پسندی پر مبنی واقعات سے ہماری داخلی اور خارجی دونوں سطحوں پر نہ صرف ساکھ متاثر ہوتی ہے بلکہ دنیا ہمیں منفی انداز میں اجاگر کر کے تنقیدی سوالات بھی اٹھاتی ہے۔

اس واقعہ کے بعد حکمرانوں اور سیاستدانوں کی جانب سے روایتی مذمتی بیانات سامنے آئے۔ ہمارے حکمران اور ریاست گزشتہ کئی دہائیوں سے مذہبی شدت پسندوں کے ساتھ قریبی تعلقات ہیں۔ شدت پسندی کی اس فضا کو پروان چڑھانے اور پاکستانی معاشرے کو انتہا پسندی کو پروان چڑھانے میں سیاسی جماعتوں نے بھی اپنا پورا پورا حصہ ڈالا ہے۔ شدت پسند عناصر کے خلاف کارروائی میں ہماری سیاسی اور نام نہاد جمہوری حکومتیں ہمیشہ ہی تذبذب کا شکار رہی ہیں کیونکہ کسی نہ کسی طرح ان کے مفادات اس طبقے سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں، مثلاً ووٹ بینک اور اپنی مقبولیت برقرار رکھنا وغیرہ وغیرہ۔

پاکستان میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی کی جڑیں سوویت یونین اور افغانستان کے درمیان جنگ کے دوران جہاد میں پائی جاتی ہیں۔ پاکستانی تاریخ کا انتہائی درد انگیز باب وہ ہے جب پاکستانی سوسائٹی اوندھے منہ شدت پسندی کے اندھے کنویں میں جا گری۔ دو عالمی طاقتوں نے اپنی جنگ لڑنے کے لیے اس خطے کا انتخاب کیا اور دو ہاتھیوں کی لڑائی میں اس خطے کی برداشت اور رواداری روایات کو کچل کے رکھ دیا گیا۔ یہ جنگ یوں تو روس اور امریکا کی تھی، مگر اس جنگ میں ہم سانجھے دار بن گئے اور ہمارے معاشرے میں موجود شدت پسندی کی تمام نمائندہ قوتیں جنرل ضیاء الحق کی قیادت میں متحد ہو گئیں۔

یوں پورا ملک شدت پسندوں کی آماجگاہ بن کر رہ گیا۔ یوں پاکستان میں شدت پسندی کی فصل پکتی رہی اور اس سے وابستہ عناصر کو بڑھاوا ملتا رہا۔ تنگ

نظری، اپنے مذہبی حریفوں سے نفرت، عدم برداشت اور جارحیت ہمارے مزاج کا حصہ بنتی رہی اور ہم دنیا سے کٹتے کٹتے اپنے خول میں بند ہوتے چلے گئے۔ سیالکوٹ کا واقعہ دل خراش اور دل دہلا دینے والا ہے، جب ریاست، حکومت اور سیاسی جماعتیں مسلح مذہبی جنونیوں کے ساتھ سیاسی اتحاد کریں گے، عوام میں مذہبی منافرت پھیلا کر ایک دوسرے کا ووٹ تقسیم کرنے کی خاطر انہیں گلدستے اور مٹھائیاں پیش کریں گے تو سیالکوٹ جیسے واقعات پھر معمول ہی بنیں گے۔

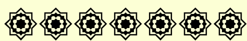
آج تک پاکستان میں اٹھنے والی ہر شدت پسند تحریک اپنے مقاصد کے لیے مذہب کا نام استعمال کرتی آ رہی ہے تا کہ اکثریت کو اپنی جانب راغب کیا جا سکے۔ یہاں تک کہ بیرونی طاقتیں بھی پاکستان میں اپنے مقاصد اور اہداف کے لیے مذہب ہی کو آلے کے طور پر استعمال کرتی ہیں، اور ریاست و عوام کے خلاف برسر پیکار قوتوں کی مالی سرپرستی بھی مذہب کے نام پر ہی کی جاتی ہے، جس کے نتیجے میں ایک پوری معیشت وجود میں آ چکی ہے۔ آج ہمارا ایسا کوئی قومی ادارہ نہیں بچا جہاں شدت پسندی کسی نہ کسی شکل میں موجود نہ ہو۔

اب شدت پسندی کا یہ زہر ہمارے قومی وجود کی رگ رگ میں سرایت کر چکا ہے۔ شدت پسند کم و بیش دنیا کے ہر معاشرے، مذہب اور تہذیب میں پائے جاتے ہیں لیکن ان کی تعداد مٹھی بھر اور پورے معاشرے کے مقابلے میں انتہائی کم ہوتی ہے۔ تشویش ناک صورت حال اس وقت پیدا ہوتی ہے جب یہ شدت پسند عناصر ریاست اور نظام پر اثر انداز ہو کر پورے معاشرے کو یرغمال بنا لیں اور معاشرے میں اپنے وجود سے متعلق ایک خوف اور دہشت پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

پاکستان گزشتہ چند دہائیوں سے اسی طرح کی صورتحال سے دوچار دکھائی دیتا ہے کہ یہاں شدت پسندی نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور وہ ریاست اور اس کے نظام کو چیلنج کر رہی ہے۔ شدت پسندی نے پورے معاشرے اور ملک کو یرغمال بنایا ہوا ہے۔ آج ہماری بقا صرف اس میں ہے کہ ہمیں شدت پسندی کو ختم کرنے کی ہر کوشش کا ساتھ دینا چاہیے تا کہ ہم عالمگیر معاشرے کا حصہ بن سکیں اور جدید دنیا کے شانہ بشانہ چل سکیں۔ بد قسمتی سے اس شدت پسندی کے باعث مسلمان معاشرے عام انسانی معاشروں سے پیچھے جاتے جا رہے ہیں، اس تنہائی کے سبب ہماری اپنی اصل شناخت گم ہوتی چلی جا رہی ہے۔

ہم کو بحیثیت قوم اپنی ترجیحات کا تعین کرنا پڑے گا۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا میں ہماری عزت ہو۔ تو ہم کو اپنی ترجیحات کا از سرِ نو جائزہ لینا پڑے گا۔ مذہبی شدت پسندی کے خاتمے کے لئے بحیثیت قوم ہمیں عملی اقدامات کر کے ہی آگے بڑھ سکتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بدقسمتی سے مذہبی انتہا پسندی اور فرقہ واریت نے ہمیں نا قابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ ماضی میں بحیثیت قوم ہم نے بار بار اس حوالے سے اپنی پالیسیاں تبدیل کی ہے۔

ہر نئی حکومت نے اس حوالے سے قومی مفاد کی بجائے ذاتی مفاد کو ترجیح دی۔ جس کی وجہ سے آج ہم اس مقام پر ہیں۔ ماضی میں ضیاء الحق نے اپنی پالیسیوں کی وجہ سے انتہا پسندی کو پروان چڑھایا۔ مشرف نے اعتدال پسندی کی پالیسی اپنائی اس کے بعد اب موجودہ حکومت کی پالیسیاں اور اقدامات ملک کو مذہبی انتہا پسندی کی جانب دھکیل رہے ہیں۔ ہماری بار بار اس حوالے سے پالیسیاں تبدیل کرنی کی وجہ سے آج ہم اس مقام پر ہیں۔ ہمیں انتہا پسندی یا اعتدال پسندی میں کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا اس سے پہلے کے وقت ہاتھ سے نکل جائے اور بہت دیر ہو جائے۔



تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔

’’اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا۔ تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اسے دیکھے گا اور اس کے منصوبے کو توڑ دے گا۔ .... خدا ایک پیارا خزانہ ہے اس کی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے۔ تم بغیر اس کے کچھ بھی نہیں اور نہ تمہارے اسباب اور تدبیریں کچھ چیز ہیں‘‘۔

(کشتی نوح)

احمدیت کے بارے میں برداشت کی روایت کیوں ختم ہوئی؟

ڈاکٹر سلطان علی

ڈاکٹر صوفی محمد ضیاالحق صاحب گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی کے صدر شعبہ تھے۔ وہ عربی زبان، بالخصوص عباسی عہد کی عربی کے بہت جید عالم تھے۔ اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود صوفی صاحب لکھتے نہیں تھے۔ جب کبھی طالب علم ان سے استفسار کرتے کہ آپ لکھتے کیوں نہیں ہیں تو صوفی صاحب بڑے مزے کا جواب دیا کرتے تھے۔ فرماتے قرآن حکیم میں اللہ نے کہا ہے اقرا۔ اللہ نے پڑھنے کا حکم دیا ہے، لکھنے کا نہیں اور میں پڑھ رہا ہوں۔ ایسے محترم اساتذہ کی باتیں ہم جیسے نالائق شاگردوں کا بہت بڑا سہارا ہوتی ہیں۔ دوست احباب اور شاگرد جب کبھی مجھ سے لکھنے کا تقاضا کرتے تو میں صوفی صاحب کا یہ جواب سنا کر جان چھڑا لیا کرتا تھا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بعض دوستوں کی انگیخت اور وجاہت مسعود صاحب کی عنایت سے کچھ لکھنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہم سب پر میری تحریریں تقریباً پانچ برس سے شائع ہو رہی ہیں۔ اس اشاعت برقی کی ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ قاری کے ردعمل سے فوری طور پر آگاہ ہو جاتے ہیں۔ میں ان تمام قارئین کا شکر گزار ہوں جنھوں نے بہت حوصلہ افزا ردعمل دیا۔ اس کے باوجود بعض اوقات یہ احساس ہوتا ہے کہ بعض قارئین کی نظر سے ردعمل دیتے وقت تحریر کا بنیادی نکتہ نظر انداز ہو جاتا ہے۔ ہم سب پر میری ایک تحریر بعنوان احمدیت: برداشت سے عدم برداشت تک شائع ہوئی تھی۔ اس تحریر میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا کہ باوجودیکہ ختم نبوت اسلام کا اساسی عقیدہ ہے، کیا وجہ تھی کہ مرزا صاحب کی وفات کے تیس برس بعد تک بھی بڑے بڑے علما احمدیوں کو مسلمانوں کا فرقہ تسلیم کرتے رہے۔ یہی وہ بات تھی جو کمنٹس میں نمایاں نہ ہو سکی۔ اس وقت تک احمدیوں کے خلاف جو تحریریں چھپتی تھیں وہ ویسی ہی ہوتی تھیں جیسا کہ باقی مسلمان فرقے آپس میں کافر کافر کھیلتے تھے۔ میں کوئی محقق نہیں بس آوارہ خوانی کی کچھ عادت ہے۔ ایک دن ڈاکٹر اختر النسا کی کتاب اقبال اور زمیندار مل گئی۔ ڈاکٹر صاحبہ کی کتاب کی غرض و غایت علامہ اقبال کے متعلق زمیندار اخبار میں جو کچھ شائع ہوتا رہا، اسے جمع کرنا ہے۔ انھیں احمدیوں یا ان کے عقاید سے کوئی واسطہ نہیں۔ تاہم مطالعہ کرتے وقت مجھے کچھ صفحات پر چونکنا پڑا کیونکہ مجھے پہلی بار یہ معلوم ہو رہا تھا کہ سن 1935 بلکہ اس کے بعد بھی بڑے بڑے علما اور اسلام کے علم بردار صحافی احمدیوں کا شمار مسلمانوں میں ہی کرتے رہے ہیں۔ میں ان کی کتاب سے اس بات کے چند شواہد پیش کرنا چاہتا ہوں۔

18 فروری 1912 کو اسلامیہ کالج کے حبیبیہ ہال میں مسٹر گوکھلے کے مسودہ لازمی تعلیم کی حمایت میں ہونے والے جلسے میں احمدیان لاہور کے مشہور مبلغ خواجہ کمال الدین نے یہ قرارداد پیش کی:

مسلمانوں کا یہ عام جلسہ جبر کے اس عام اصول کی بڑے زور سے تائید کرتا ہے جو مسٹر گوکھلے نے اپنے مسودہ قانون تعلیم ابتدائی میں اختیار کیا ہے، اس لیے کہ یہ اصول، اسلام کے تابع ہونے کے علاوہ اس ملک کے باشندوں کی مادی اور اخلاقی فلاح کا ممد ہے۔ (ص 16)

25 اپریل 1920 کو امریکہ میں مسلمان مبلغین کے داخلے پر پابندی کے خلاف ایک جلسہ کا اعلان کیا گیا۔ اس جلسے کے داعیان میں علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خان کے ساتھ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کا نام بھی درج ہے۔ بلکہ ان کا نام پہلے نمبر پر ہے۔ (ص 99) ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کا تعلق احمدیان قادیان کے ساتھ تھا۔ وہ لاہور میں مسلمانوں کی تمام ثقافتی، سیاسی اور تعلیمی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ اپنی وفات (1936) تک انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کے رکن رہے۔ وفات سے نو دس دن پہلے انجمن کی میٹنگ میں ان کا ختم نبوت کی تشریح پر

کچھ اختلاف ہوا تھا لیکن اس کے باوجود ان کو انجمن سے نکالا نہیں گیا تھا۔ اس واقعے کی تفصیلات ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب زندہ رود جلد سوم کے صفحات 559-60 پر مندرج ہیں۔

22 جنوری 1927 کو بعض آریہ سماجی اخبارات مثلاً پرتاپ اور ملاپ کے مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کا جواب دینے کے لیے ایک جلسہ عام کا اعلان شائع ہوا جس کے داعیان کے اسما کی فہرست میں ماسٹر فقیر اللہ صاحب، سیکریٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا نام بھی موجود ہے۔ (ص 100) جب سوامی شردھانند کا قتل ہوا تو مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے پروپیگنڈے میں بہت تیزی آ گئی جس کا جواب دینے کے لیے 22 جنوری 1927 کو موچی دروازے میں فرزندان توحید کا اجتماع ہوا۔ زمیندار اخبار کی رپورٹ کے مطابق اس جلسے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ تمام فرقوں کے مسلمان اپنے اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کفر کے مقابلے میں اسلام کی عزت کی حمایت کے لیے دوش بدوش اور پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے تھے۔ دیوبندی، حنفی، حزب الاحناف، شیعہ، احمدی، اہل حدیث، جدید تعلیم یافتہ: غرض تمام طبقوں اور فرقوں کے مسلمان موجود تھے۔'' ص 106۔

29 جنوری 1927 کو مسلمانان لاہور کے جلسے کا اعلان شائع ہوا۔ اس جلسے کی صدارت علامہ اقبال نے کرنا تھی اور مقررین میں مولانا غلام مرشد اور مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور کے اسما درج تھے۔ ص 101۔

سماجی آریہ اخبارات مثلاً ملاپ اور پرتاپ نے مسلمانوں کے خلاف جو پروپیگنڈہ شروع کر رکھا تھا اس کا جواب دینے کے لیے 22 مارچ 1927 کو باغ بیرون موچی دروازہ میں ایک جلسہ عام کا اعلان شائع ہوا جس میں امید ظاہر کی گئی تھی کہ اس میں ہر طبقے کے مسلمان شریک ہوں گے۔ اس جلسے کے داعیان میں یہ لوگ شامل تھے: علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خان، مولانا احمد علی وغیرہم کے ساتھ ماسٹر فقیر اللہ، سیکریٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا نام بھی شامل تھا۔ ص 100۔

4 مارچ 1927 کو اسلامیہ کالج کے حبیبیہ ہال میں مرزا بشیر الدین محمود نے سائنس اور مذہب کے موضوع پر تقریر کی۔ صدارت علامہ اقبال نے کی۔ (ص 23)

13 مئی 1927 کو لاہور کے ہندو، سکھ اور مسلمان نمائندوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی، مسلمانوں کے نمائندوں میں ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کا نام بھی درج ہے۔ ص 108۔ انجمن حمایت اسلام کا سالانہ جلسہ تیس مارچ تا یکم اپریل 1923 کو منعقد ہوا۔ اس میں جن علما نے خطاب کرنا تھا ان کے اسمائے گرامی ملاحظہ ہوں: سید سلیمان ندوی، مولوی ابوالوفا ثنا اللہ امرتسری، مولوی اصغر علی صاحب روحی، مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور اور مولوی احمد علی امام مسجد دروازہ شیرانوالہ، لاہور۔ ان ناموں میں سب سے دلچسپ نام مولانا ثنا اللہ امرتسری کا ہے۔ وہ مرزا غلام احمد صاحب کے ساتھ مناظرے کرتے رہے تھے بلکہ مرزا صاحب کی زندگی کا آخری مناظرہ انھی کے ساتھ ہوا تھا۔ اس بنا پر انھیں فاتح قادیان کا لقب دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود مرزا صاحب کی وفات کے پندررہ برس بعد بھی امیر جماعت احمدیہ لاہور کے ساتھ جلسے سے خطاب کرنے میں انھیں کوئی عار نہیں تھا۔ مولانا ظفر علی خان کی 1926 کی نظم کا ایک مصرع ہے: مجھ سے ناراض رضائی بھی ہیں، مرزائی بھی

مرزا صاحب کی وفات کو ایک سو تیرہ برس گزر چکے ہیں۔ ظاہر ہے احمدیوں نے اس عرصے میں کوئی نیا دعویٰ تو نہیں کیا ہوگا۔ چلیے اچھا ہوا کہ قومی اسمبلی نے انھیں غیر مسلم بھی قرار دے دیا۔ اس کے باوجود ہم ان کو گولی کا نشانہ بنا رہے ہیں، ان کی عبادت گاہوں کو مسمار کر رہے ہیں۔ میرا سوال صرف یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب کی وفات کے تیس برس یا اس سے زاید عرصہ تک بھی مسلمان احمدیوں کے ساتھ امن و آشتی سے رہ رہے تھے، بھلے ان کے خلاف فتوے بازی بھی ہوتی رہتی تھی۔ اب ایسا کیا ہو گیا ہے کہ ہم ان کے ساتھ امن سے رہنے بلکہ ان کا وجود بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں۔

(ہم سب)

داڑھی کے بارے میں حضرت مصلح موعودؓ کا لطیف ارشاد

(ادارہ)

داڑھی کے بارے میں آج کل بعض احمدی مسلمان نوجوان بھی لا پرواہی کرتے نظر آتے ہیں ، اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ حضرت مصلح موعود مرزا بشیرالدین محمود احمدؓ کا یہ لطیف بیان آپ کے سامنے پیش کیا جائے۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

'' تیسری بات جس کی میں جماعت کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت کے افراد اپنے عمل میں درستی پیدا کریں۔ چھوٹی چھوٹی باتیں جن کے چھوڑنے میں کوئی دقت نہیں ، میں دیکھتا ہوں کہ ابھی تک انہی باتوں کو ہماری جماعت کے افراد نہیں چھوڑ سکے، مثلاً داڑھی رکھنا ہے۔ میں دیکھتا ہوں ہماری جماعت میں ایسے کئی لوگ موجود ہیں جو داڑھی نہیں رکھتے۔ حالانکہ اس میں کونسی دقت ہے آخر ان کے باپ دادا داڑھی رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر رکھتے تھے تو پھر اگر وہ بھی داڑھی رکھ لیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ پھر باپ دادا کو جانے دو سوال یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر رکھتے تھے تو آپؐ کی طرف منسوب ہونے والے افراد کیوں داڑھی نہیں رکھ سکتے ؟ مجھ سے ایک دفعہ ایک نوجوان نے بحث شروع کر دی کہ داڑھی رکھنے میں کیا فائدہ ہے۔ وہ میرا عزیز تھا اور ہم کھانا کھا کر اس وقت بیٹھے ہوئے تھے۔ اور چونکہ فراغت تھی اس لئے بڑی دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ جب میں نے دیکھا کہ کج بحثی کر رہا ہے تو میں نے اسے کہا میں مان لیتا ہوں کہ داڑھی رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ اس پر وہ خوش ہوا کہ اس کی بات تسلیم کر لی گئی ہے۔ میں نے کہا میں تسلیم کر لیتا ہوں کہ اس میں کوئی بھی خوبی نہیں مگر تم بھی ایک بات مان لو اور وہ یہ کہ محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی بات مان لینے میں ساری خوبی ہے۔ بے شک داڑھی رکھنے میں کوئی خوبی بھی نہ ہو۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لینے میں ساری خوبی ہے۔ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ داڑھی رکھو۔ تم بے شک سمجھو کہ یہ چیز ہر رنگ مضر اور نقصان دہ ہے مگر کیا بیسیوں مضر چیزیں ہم اپنے دوستوں کی خاطر اختیار نہیں کر لیا کرتے ؟ اول تو مجھے داڑھی رکھنے میں کوئی ضرر نظر نہیں لیکن سمجھ لو کہ یہ مضر چیز ہے پھر بھی جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ داڑھی رکھیں۔ آخر ایک شخص کو ہم نے اپنا آقا اور سردار تسلیم کیا ہوا ہے۔ جب ہمارا آقا اور سردار کہتا ہے کہ ایسا کرو تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کے پیچھے چلیں خواہ اس کے حکم کی ہمیں کوئی حکمت نظر نہ آئے۔ صحابہؓ کو دیکھو ان کے دلوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا عشق تھا۔ داڑھی کے متعلق تو ہم دلیلیں دے سکتے ہیں اور داڑھی رکھنے کی معقولیت بھی ثابت کر سکتے ہیں۔ لیکن صحابہ بعض دفعہ اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر اس پر عمل کرنے کے لئے بے تاب ہو جاتے تھے کہ بظاہر اس کی معقولیت کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہوتی تھی۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تقریر فرما رہے تھے کہ آپؐ نے کناروں پر کھڑے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھ کر فرمایا '' بیٹھ جاؤ'' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس وقت گلی میں آ رہے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ ان کے کانوں میں پڑ گئے اور وہیں گلی میں بیٹھ گئے اور بچوں کی طرف گھسٹ گھسٹ کر انہوں نے مسجد کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ ایک دوست ان کے پاس سے گزرے تو انہیں کہنے لگے عبداللہ بن مسعود! تم اتنے معقول آدمی ہو کر یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا۔ ابھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میرے کان میں آئی تھی کہ بیٹھ جاؤ۔ اس پر میں بیٹھ گیا۔ انہوں نے کہا یہ بات ان لوگوں سے کہی تھی جو مسجد میں آپؐ کے سامنے کھڑے تھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو، بے شک آپؐ کا یہی مطلب ہو گا لیکن مجھے یہ خیال آیا کہ اگر میں مسجد میں پہنچنے سے پہلے مر گیا تو ایک بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بغیر عمل کے رہ جائے گی۔ اس لئے میں گلی میں ہی بیٹھ گیا تا کہ آپ کے حکم پر عمل کرنے کا ثواب حاصل کر سکوں۔

یہ ایمان ہے جو صحابہؓ کے اندر پایا جاتا تھا اور یہی ایمان ہے جو انسان کی نجات کا باعث بنتا ہے۔'' (الفضل، ۱۴ اپریل ۱۹۴۸ء)



ایک نازک موضوع پر کچھ محتاط خیالات

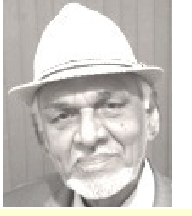
(وجاہت مسعود)

درویش کی معروضات پڑھنے والے جانتے ہیں کہ میں اپنے قلم کو سیاسی، معاشی اور سماجی موضوعات تک محدود رکھتا ہوں۔ خالص مذہبی مباحث کی کرید مجھے پسند نہیں۔ میری رائے میں صحافت کا منصب عقیدوں کی تبلیغ یا تنقیص نہیں۔ قانون نے ہر انسان کو عقیدے کے انتخاب کا انفرادی حق عطا کر رکھا ہے اور صحافی کا کام ہر انسان کی مذہبی آزادی کا غیر مشروط احترام یقینی بنانا ہے۔ تھامس جیفرسن نے کہا تھا کہ عقیدوں کے صحیح یا غلط ہونے کے فیصلے عدالتوں میں نہیں ہو سکتے۔ ایک فرد کا عقیدہ کسی دوسرے فرد یا گروہ پر نافذ نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ عقیدوں کے ناگزیر تنوع کا احترام کرتے ہوئے ریاستی معاملات میں ایسی اجتماعی فراست کو بروئے کار لانا چاہئے جس میں ہر شہری اپنے انفرادی عقیدے سے قطع نظر مساوی بنیادوں پر حصہ لے سکے۔ ہزاروں برس سے عقیدے کے نام پر خون کی ندیاں بہانے کے باوجود مذہبی اختلافات طے نہیں ہو سکے چنانچہ مذہبی رواداری ہی امن اور آشتی کا نسخہ ہے۔ رواداری کے چار زاویے ہیں، حقوق اور رتبے کی مساوات، مختلف ہونے کا حق (تنوع)، باہم احترام اور بلا امتیاز میل جول۔ میری رائے میں ہر مذہب کا منصب اپنے پیروکاروں کا اخلاقی ارتفاع ہے اور کوئی مذہب کسی غیر منصفانہ فعل کی تائید نہیں کرتا۔ چنانچہ زیر نظر تحریر کا مقصد کسی عقیدے کی اہانت یا تائید نہیں بلکہ کچھ ایسے امور پر توجہ دلانا ہے جو بدیہی طور پر مذاہب کے اساسی اصولوں کا حصہ نہیں بلکہ تاریخی ارتقا کے نتیجے میں منصۂ شہود پر آئے ہیں۔ قدیم زمانے میں مذہب ہی علم، قانون اور اقتدار کا منبع تھا۔ چنانچہ تمام منضبط مذاہب میں پیشوائیت کا ادارہ قائم ہوا جو فیصلہ سازی میں اختیار کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ اقتدار کا حصہ تھا۔ کسی مذہب کے قابل صد احترام بانیان نے پیشوائیت کی تعلیم نہیں دی۔ پیشوائیت ریاست اور معاشرے میں مذہبی اختیار کی نمائندگی کیلئے وجود میں آئی اور اختیار کی ناگزیر حرکیات کے عین مطابق اس میں تشریح کے نام پر اختلاف اور تصادم کے زاویے بھی پیدا ہوئے۔ سچائی پر حتمی اجارے کے غیر جوابدہ دعوؤں سے پیشوائی تقدیس اور عوام پر بالادستی نے جنم لیا۔ تقدیس کا تصور سوال کے حق کی نفی ہے۔ پندرہویں صدی میں نشاۃ ثانیہ دراصل قدیم روایات، اقدار اور اداروں پر سوال اٹھانے کی تحریک تھی۔ نشاۃ ثانیہ سے پیدا ہونے والے نئے علمی تصورات نے دریافت اور ایجاد کا راستہ کھولا چنانچہ پیشوائیت کا علم اور اوامر ونواہی پر غلبہ کمزور پڑنے لگا۔ واضح رہے کہ سائنس نے پیشوائیت سے سند جواز کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ سائنسی علوم اور ایجادات نے پیشوائیت کو ترغیب دی کہ اپنی تفہیم اور تشریح کو سائنسی تصورات سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد ایک نئی دنیا وجود میں آ رہی تھی۔ جہاں کوانٹم تھیوری نے حتمیت کے تصور پر ضرب لگائی وہاں غیر مطلوبہ حمل کے خدشے سے نجات نے نجی زندگی کی اقدار بدل دیں۔ فرائیڈ، ڈرخائم، ہیولاک ایلس، رائخ اور کنزے کے خیالات روزمرہ زندگی کا حصہ بننے لگے۔ 1957 میں وولفنڈن رپورٹ نے کسی خاص تصور معاشرت کی ترویج کو قانون کی منشا سے خارج کر دیا۔ 60ء اور 70ء کی دہائیوں میں عورتوں کے حقوق اور جنسی آزادی کی تحریکوں نے انفرادی زندگی کے خدوخال ہی بدل ڈالے۔ یہ وہی عہد تھا جب تیسرے صنعتی انقلاب نے عالمی معیشت میں جوہری تبدیلی پیدا کی اور تقریر، تحریر اور تنظیم کی تین آزادیاں دراصل اظہار کی یک نکاتی آزادی میں ڈھل گئیں۔ صدیوں سے تمام مذاہب کے پیشوائی اداروں میں جنسی ہراسانی کی روایت موجود رہی تھی لیکن بوجوہ اس پر سوال اٹھانا مشکل تھا۔ 80 کی دہائی میں مذہبی اداروں میں جنسی استحصال کی شکایات سامنے آنے لگیں۔ اس میں کسی مذہب کی تخصیص یا بطور ایک گروہ کے تمام پیشواؤں پر الزام تراشی نہیں تھی۔ الزام یہ تھا کہ تمام مذاہب کے پیشوا اپنے عقائد کی نیک نامی پر حرف آنے کے ڈر سے مذہبی اداروں میں بچوں اور بالغوں کے ساتھ جنسی ہراسانی

اور زیادتی سے صرف نظر کرتے آئے ہیں۔ اس میں مذہبی ریاکاری کا پہلو بھی شامل تھا اور اپنے معاشرتی رسوخ کا ناجائز استعمال بھی۔ جنسی استحصال کو صرف مذہبی اداروں سے منسوب کرنا درست نہیں لیکن یہ نکتہ بہرصورت قابل غور تھا کہ یہ ادارے اپنی اساس میں اخلاقیات کے علمبردار تھے اور ان مقامات پر جنسی ہراسانی کے عواقب کہیں زیادہ قابل مذمت تھے۔ تقدیس کی آڑ میں جنسی استحصال کے متاثرہ افراد میں خودالزامی، ذہنی دباؤ، بعد از سانحہ نفسیاتی ٹوٹ پھوٹ، منشیات کا استعمال، معاشرتی بے گانگی، احساس اہانت، جنسی پیچیدگیاں اور خودکشی کے رجحانات سے لے کر بالغ عمری میں دوسرے افراد کے انتقامی جنسی استحصال تک کی علامات دیکھی گئی ہیں۔

2001 میں پوپ جان پال دوم نے چرچ میں جنسی زیادتی کو یسوع مسیح کی تعلیمات سے یکسر انحراف قرار دیتے ہوئے متاثرین سے معافی مانگی۔ 2008ء میں پوپ بینیڈکٹ نے جنسی زیادتی کے متاثرہ افراد سے مل کر اس برائی کی شدید مذمت کی۔ 2018 میں پوپ فرانسس نے اس 'تاریخی المیے' پر گہری ندامت کا اظہار کیا۔ یہ برائی صرف مسیحی چرچ تک محدود نہیں بلکہ دنیا کے قریب تمام مذاہب کے پیشوا اس جرم کا حصہ رہے ہیں۔ ستمبر 2021 میں مذہبی مقامات پر بچوں سے جنسی زیادتی کے خلاف برطانوی تحقیقی ادارے نے 38 اہم مذاہب کے بارے میں رپورٹ کیا کہ اعلیٰ مذہبی رہنماؤں کی اکثریت ایسے واقعات سے چشم پوشی کی مرتکب ہوتی ہے، ان واقعات میں متاثرہ فرد ہی کو الزام دیا جاتا ہے، معاشرتی بدنامی کی دھمکی اور خوف و تحریص کے دیگر ہتھکنڈے آزمائے جاتے ہیں۔ مذہبی اداروں میں جنسی استحصال کی غیر جانبدارانہ تحقیق کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے، ایسے الزامات کو مذہب کی توقیر پر حملوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس قابلِ مذمت روایت کی مزاحمت کیلئے تین اجمالی تجاویز دیکھئے۔ قانونی طور پر جرم قرار دیے گئے فعل کو مذہب سے الگ سمجھا جائے۔ مذہبی پیشواؤں کو مذہب کے اساسی احترام سے الگ مظہر سمجھا جائے۔ مذہبی اداروں تک ریاستی اور معاشرتی رسائی کو زیادہ شفاف بنایا جائے۔





غزل

آدم چغتائی

اندازِ سخن طرزِ بیاں دیکھتے رہنا
الفاظ کا ہوتا ہے زیاں دیکھتے رہنا

احوال چمن وقت خزاں دیکھتے رہنا
گرتے ہوئے پتوں کی فضا دیکھتے رہنا

اس دور کے خدشات بھی ہیں کتنے انوکھے
ساحل کی طرف سیلِ رواں دیکھتے رہنا

خالق کی حکومت ہے کہ دولتِ خدائی
اخبار میں ہر تازہ بیاں دیکھتے رہنا

اب شہر کے ہر موڑ پر چرچا ہے اُسی کا
ہر شخص کا اب حسنِ گماں دیکھتے رہنا

دیکھو کسی صیاد کے قبضے میں نہ آنا
تدبیر و فراست کا نشاں دیکھتے رہنا

وہ تیرِ ستم تیری ہی جانب کھچا ہوا
آدم ذرا دشمن کی کماں دیکھتے رہنا



چند اشعار

(حافظ مستنصر قاہر)

ہے ہم فقیروں پہ فضل اس کا، بیاں کروں ناں تو کیا کروں میں
دیارِ دل میں ہے یار بستا، بیاں کروں ناں تو کیا کروں میں
میں شکر تیرا خدائے محسن ادا کروں بھی تو کیا کروں گا
ہے مجھ سے عاصی پہ رحم اتنا، بیاں کروں ناں تو کیا کروں میں
میں خود کو دیکھوں تو شرم آتی ہے کس قدر ہیں مرے دعاوی
مگر ہے مجھ پر نگاہِ یکتا، بیاں کروں ناں تو کیا کروں میں

مرتد

(ادارہ)

ہم عموماً بلاسفیمی کا ترجمہ توہین کرتے ہیں تاہم یہ ترجمہ اس وسیع المعانی ترکیب کے ساتھ انصاف نہیں ہے۔ بلاسفیمی مذہب کی نگاہ میں جرم اور گناہ کے توافق کی اعلیٰ ترین مثال ہے اس لیے سامی مذاہب کی حد تک اس کی سزا بھی شدید ترین ہے۔ آج کے دن گرچہ عیسائیت اور یہودیت بلاسفیمی کی سزا کو تج چکے ہیں لیکن کچھ مسلمان ممالک میں اب بھی یہ ایک حد اور تعزیر کے طور پر رائج ہے۔ رہے ہندوازم، بدھ ازم اور سکھ ازم جیسے بڑے مذاہب یا فلسفوں کے پیروکار، تو وہ بلاسفیمی کو کبھی بھی قانونی دائرے میں نہیں لائے۔

اکثر مسلمان ممالک میں بلاسفیمی کے حوالے سے کوئی نہ کوئی قانون سازی موجود ہے تاہم پچاس اسلامی ممالک میں صرف چند ملک ایسے ہیں جہاں بلاسفیمی کی سزا موت ہے۔ ان ممالک میں شیعہ فکر کا مرکز ایران اور سنی وہابی فکر کا مرکز سعودی عرب نمایاں ہیں۔ یہاں یہ بات محل نظر ہے کہ یہ دونوں ممالک مذہب کی بالکل جداگانہ تشریح کرتے ہیں لیکن ایک مذہبی ریاست ہونے کے ناتے بلاسفیمی کی شدید ترین سزا پر متفق نظر آتے ہیں۔ اس فہرست میں اور نمایاں ممالک افغانستان، قطر، متحدہ عرب امارات، موریطانیہ، یمن اور پاکستان شامل ہیں۔

بلاسفیمی کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ یہودیت اور عیسائیت میں بلاسفیمی کو خدا کے خلاف جرم قرار دیا گیا ہے اور صدیوں اس کا ارتکاب کرنے والے موت کی سزا کے مستحق ٹھہرے ہیں تاہم وقت کے تقاضوں کے پیش نظر اس کی تعریف بدلتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ سائنس دانوں کی تحقیق اور فلسفیوں کے افکار کو بھی بلاسفیمی کے زمرے میں ڈالا گیا۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ مذہبی پیشواؤں نے بلاسفیمی کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا اور لاکھوں لوگ صدیوں پر محیط ایک کشمکش میں اس کا شکار بنے تاہم اجتماعی معاشرتی شعور کے ارتقاء کا ایک لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ بلاسفیمی کو عیسائی اور یہودی معاشروں میں جرائم کی فہرست سے خارج کر دیا گیا تاہم اب بھی ان مذاہب کے سخت گیر شارح اس کو ایک گناہ کبیرہ گردانتے ہیں۔ اسلامی طرز فکر میں اب بھی بلاسفیمی کو ایک گناہ کے ساتھ ساتھ جرم بھی سمجھا جاتا ہے اگرچہ اس کی قانونی تشریحات میں بہت سے داخلی تضادات موجود ہیں۔ جن ممالک میں بلاسفیمی کے لیے موت کی سزا مقرر ہے وہاں اس کا ناتہ شارحین ارتداد سے جوڑتے ہیں اور اس پر حد جاری کرتے ہیں۔ حدود کے بارے میں یہ اتفاق ہے کہ اس کی نص براہ راست قرآن سے برآمد کی جاتی ہے لیکن اس معاملے میں جمہور علماء کا یہ اتفاق فراموش کر دیا جاتا ہے کیونکہ قرآن میں بلاسفیمی کسی بھی صورت جرم کے طور پر مذکور نہیں۔ اسی طرح قرآن میں ارتداد کی بھی کسی دنیاوی سزا کا ذکر نہیں۔ کن لوگوں کو قتل کیا جا سکتا ہے، اس پر قرآن میں سیر حاصل مواد ہے لیکن اس فہرست میں مرتد یا گستاخ کسی بھی طرح شامل نہیں ہیں۔ اس کے بعد سیرت کے کچھ واقعات، کچھ روایات اور احادیث سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ رسول اللہ کے دور میں توہین اور ارتداد کی سزا موت دی گئی تھی لیکن یہ بات فراموش کر دی جاتی ہے کہ یہ نتائج قرآن کی تعلیم سے براہ راست متصادم ہیں۔ سورۃ بقرہ کی آیت 256 میں یہ واضح ہے کہ دین کے معاملے میں کوئی جبر ممکن نہیں ہے۔ قرآن کے کچھ مفسرین اس مشکل سے نکلنے کے لیے بعض اوقات دور کی کوڑی لانے سے پرہیز نہیں کرتے جیسا کہ مودودی صاحب سورۃ التوبہ کی بارہویں آیت سے یہ استدلال لاتے ہیں کہ مرتد مباح الدم ہے۔ وہ الگ بات ہے کہ اس آیت کو جس طرح مرضی پڑھ لیجیے، اس سے کسی بھی طرح یہ مطلب نکالنا ممکن نہیں ہے۔ روایات کو پڑھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی اسی طرح کی تشریح سے کام چلایا گیا ہے اور تاریخی حقائق سے چشم پوشی کی گئی ہے۔

مثال کے طور پر ابن خطل کا واقعہ اس ضمن میں بار بار پیش کیا جاتا ہے کہ توہین کے جرم میں اسے اس حال میں قتل کر دیا گیا کہ وہ محفوظ رہنے کی خاطر کعبہ کے پردوں میں لپٹا ہوا تھا اور وہ بھی ایسے دن جب مکہ میں فتح کے بعد ہر ایک کے لیے عام معافی کا اعلان تھا۔ اس سے نتیجہ یہ نکالا گیا کہ توہین کا مرتکب ہر حال میں موت کا سزاوار ہے۔

وہ لوگ جنہوں نے یہ واقعہ براہ راست کسی ماخذ سے پڑھا ہے وہ جانتے ہیں کہ ابن خطل کی کہانی تھی کیا۔ عبداللہ ابن خطل کو ٹیکس وصولی مہم پر ایک غلام کے ہمراہ مدینہ سے روانہ کیا گیا تھا۔ راستے میں انہوں نے غلام کو قتل کر دیا اور رقم کے ساتھ فرار ہو کر مکہ پہنچ گئے۔ چونکہ یہ معلوم تھا کہ ان کے خلاف غبن اور قتل کا مقدمہ اسلامی اصول کے مطابق تو صرف موت تھا جس کا اعلان مدنی ریاست میں کر دیا گیا تھا تو ابن خطل مرتد ہو کر مکہ میں پناہ گزین ہو گئے۔ فتح مکہ کے وقت وہ مکہ میں موجود واحد شخص تھے جو باقاعدہ ایک اسلامی عدالت سے سزا یافتہ تھے اور اس سزا کا اطلاق ان کے پکڑے جانے پر کر دیا گیا۔ باقی اہل مکہ جنگی حریف تھے اور جنگ میں کیے گئے قتل خواہ وہ ہندہ اور وحشی کے ہاتھوں حضرت حمزہ کی شہادت ہی کیوں نہ ہو، جنگ کا ناگزیر لازمہ سمجھے گئے اور اس پر کسی سے تعرض نہیں کیا گیا۔ اسی طرح وہ لوگ جو برسوں سے اسلام اور نبوت کا ٹھٹھا اڑاتے تھے،

جس دوران وہ توبہ کر سکتا ہے اور توبہ پر سزا ساقط ہو جائے گی۔ پوچھیے کہ ہمارے توہین کے قانون میں یہ گنجائش کہاں گئی؟ اس سے بھی دل چسپ امر یہ ہے کہ احناف کے نزدیک غیر مسلم پر یہ حد جاری نہیں ہو سکتی۔ کیا ہمارا قانون یہ تفریق کرتا ہے؟

مالکی اور حنبلی فقہ میں ارتداد پر توبہ کی گنجائش نہیں ہے، اسی طرح غیر مسلم مجرم اگر اسلام قبول کر لے تو اس کی سزا موقوف ہو جاتی ہے۔ ویسے ہمارے یہاں مالکی فقہ پر کیا کوئی قانون بنایا گیا ہے؟

شافعی توبہ کا دروازہ کھلا رکھنے کے قائل ہیں یعنی کہ مجرم کی توبہ کی صورت میں سزا معاف کر دی جائے گی۔

فقہ جعفریہ میں بھی موت کی سزا ہے لیکن مسلمان کے لیے، غیر مسلم اسلام قبول کر کے سزا سے بچ سکتا ہے۔

تمام مکتبہ ہائے فکر اس حوالے سے تین باتوں پر متفق ہیں

1۔ مسلم اور غیر مسلم کی سزا یکساں نہیں ہو گی کیونکہ توہین کا بنیادی مقدمہ ارتداد سے جڑے گا اور غیر مسلم مرتد نہیں ہو سکتا

2۔ توہین اپنی نوع میں اس وقت تک جرم نہیں ہے جب تک اسے ارتداد کے درجے میں ثابت نہ کر دیا جائے۔

۔کسی بھی صورت میں یہ فیصلہ کہ جرم ثابت ہوا یا نہیں، صرف عدالت کا دائرہ کار ہے اور ملزم کو صفائی کا موقع دیے بغیر حد جاری کرنا یا تعزیر نافذ کرنا ممکن نہیں ہے

4۔ مباح الدم، یعنی جس کا قتل جائز ہو، صرف ریاست اور عدالت سے مشروط ہے۔ کسی ایک شخص یا گروہ کے پاس کسی کو مباح الدم سمجھ کر قتل کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس معاملے میں یہ توجیہ کہ عدالت یا ریاست یہ سزا نہیں دے رہی، قتل کو جواز نہیں بخش سکتی

ان تمام موشگافیوں میں وہ نکتہ جو ہمارے اکثر احباب نظر انداز کر جاتے ہیں وہ ہے ارتداد کا مقدمہ۔ چلیے ہم یہ بحث نہیں کرتے کہ ارتداد قرآن کی رو سے جرم نہیں ہے اور بر بنائے بحث اس کا جرم ہونا تسلیم کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد ارتداد کی تعریف متعین کرنا ضروری ہے۔ اس لیے ہم نے ایک سخت گیر موقف رکھنے والے ادارے جامعہ بنوریہ کے دارالافتا سے جاری کردہ تعریف آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ مرتد کون ہے؟ اس سوال کا جواب علامہ محمد یوسف یہ دیتے ہیں۔

”مرتد وہ شخص ہے کہ اپنی مرضی اور رضامندی سے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام سے پھر جائے“

ستانوے فی صد آبادی والے مسلم ملک مین کتنے لوگ ہیں جنہوں نے اپنی مرضی اور رضامندی سے اسلام قبول کیا ہے؟ سوائے ایسے بالغ مردوں کے جو کسی دوسرے مذہب سے اسلام میں داخل ہوئے، کوئی بھی شخص اس تعریف پر پورا نہیں اترے گا۔ ہمارا اسلام پیدائش کے اتفاق سے زیادہ کچھ نہیں اس لیے اس ملک میں یوسف یوحنا جیسے پندرہ بیس لوگوں کو چھوڑ کر کسی کا ارتداد ممکن ہی

نہیں۔ ایک قمیض خریدنے جائیں تو۔لوگ پندرہ قمیضوں کو پرکھ کر ایک کا انتخاب کرتے ہیں،اس طرح مذہب کا مرضی اور رضامندی سے انتخاب بھی اس وقت ممکن ہے جب اور کچھ نہیں تو دس بارہ بنیادی مذاہب کا تقابل تو کسی نے کیا ہو۔ یہ کہنا کہ ہم مرضی اور رضامندی سے مسلمان ہوئے ہیں، اتنی ہی حقیقت ہے جتنا یہ کہنا کہ ہم اپنی مرضی اور رضامندی سے پیدا ہوئے ہیں۔

ارتداد کا کوئی مقدمہ کسی ایسے مسلمان پر قائم کرنا ممکن ہی نہیں جو "پیدائشی مسلمان" ہو اس لیے یہ ساری فقہی اور قانونی عمارت جو بڑی محنت سے اس ملک پر قابض آمروں نے کھڑی کی تھی بغیر کسی بنیاد کے ہے اور بغیر بنیاد کے عمارت مکینوں کے لیے تحفظ کا نہیں،موت کا پیغام ہوتی ہے۔

بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔ پاکستان میں ایک اور رجحان جواب فروغ پا رہا ہے، اس میں سکہ بند مذہبی معذرت خواہ اکثر بہت خوشنما لبادے میں لپیٹ کر توہین کے نام پر کیے گئے جرائم کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔

یہ معذرت خواہ اس بات سے تو مکر نہیں پاتے کہ فقہی لحاظ سے بھی توہین کے ملزم سے پوچھے بغیر اس جرم کا فیصلہ ممکن نہیں اور وہ اگر جرم سے انکاری ہو تو خواہ شواہد کتنے ہی مضبوط ہوں اسے مجرم قرار دینا ممکن نہیں۔اور اگر کسی طرح ارتداد ثابت ہو بھی جائے تو عدالت توبہ کے لیے تین دن کی مہلت دینے کی پابند ہے۔اور مجرم صرف اس صورت ٹھہرائے گی جب تین دن بعد بھی ملزم توہین پر مصر رہے۔رہے ذمی تو ان پر یہ حد جاری کرنا ممکن ہی نہیں۔

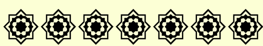
اب اس دلیل کے بعد یہ ظاہر ہے کہ ملزم یا تو مجرم قرار پائے گا یا پھر معصوم۔ اور ریاست کے لیے محض ایک مجرم مباح الدم ہوگا۔اب اس کے بعد مسئلہ رہ گیا ان لوگوں کا جو اپنے ہاتھ میں قانون لیں اور کسی "ملزم" کو قتل کر دیں۔ یہاں چونکہ ہمدردی اور معذرت خواہی آڑے آتی ہے اس لیے تقی عثمانی صاحب جیسے حضرات ایک نیا راستہ ڈھونڈتے ہیں۔ وہ الگ بات ہے کہ یہ راستہ اپنی ہی تراشی گئی دلیل کی کھائی میں گر کر فنا ہو جاتا ہے۔اس دلیل کی رو سے اگر یہ امکان ہو کہ ایک شخص کسی کو گستاخ سمجھ کر قتل کر دے تو وہ ایسا اس لیے کرتا ہے کہ گستاخ ارتداد کے باعث مباح الدم ہے،لہذا قاتل کو قصاصاً سزائے موت نہیں دی جانی چاہیے۔

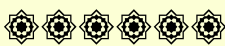
اب کوئی پوچھے کہ اے شیخ الاسلام، پہلے آپ کہتے ہیں کہ ملزم کو صفائی کا موقع دیے بغیر حد جاری کرنا ممکن نہیں اور حد جاری کرنے کے بعد بھی توبہ کا موقع دیے بغیر اسے قتل کرنا ممکن نہیں تو مارے جانے والے کو کوئی مرتد کیسے ثابت کر سکتا ہے۔ نہ وہ قبر سے اٹھ کو صفائی دے سکتا ہے اور نہ ہی اب توبہ کرنا اس کے لیے ممکن ہے۔ ہر حال میں قاتل نے ایک معصوم کو قتل کیا ہے اور اس کی کوئی صفائی دینا ممکن نہیں ہے۔لیکن چھوڑیے جناب، اس ملک میں جبہ اور دستار والوں سے سوال ممکن نہیں ہے۔

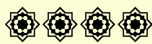
بحث کو یہاں سمیٹتے ہیں۔توہین اور ارتداد کے نام پر قانون سازی کم از کم اسلام کی رو سے ممکن نہیں ہے لیکن کمال یہ ہے کہ اسلام کا کندھا استعمال کر کے شدت پسندی کو فروغ دینے والی یہ بندوق چلائی جاتی ہے۔اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ فقہی لحاظ سے یہ قانون بن گیا ہے تو بھی اس کے تحت مقدمہ کبھی بھی براہ راست توہین کا نہیں ہوگا بلکہ براستہ ارتداد ہوگا اور کسی "پیدائشی مسلمان" کا ارتداد ایک ناممکن امر ہے۔رہے ہمارے خطیب اور علماء دین تو ان کی خلعت احمریں بے گناہوں کے خون سے سرخ ہے اور وہ اسے وجہ افتخار سمجھتے ہیں اس لیے ان سے خیر کی توقع عبث ہے۔ ملک میں اب ان قوانین پر بات کرنا بھی توہین گنا جاتا ہے تو معنی خیز مکالمہ کیسے ہو۔نوجوانوں کو عشق کے نام پر سر اتارنا سکھایا جاتا ہے۔قاتل محترم ٹھہرتے ہیں اور مقتولین کے خاندان بھی در بدر ہو جاتے ہیں۔اور یہ سب روز بروز بدتر ہوا چلا جاتا ہے۔

جدلیاتی مادیت یہ بتاتی ہے کہ فرد کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ معاشرتی ڈھانچہ درست نہ کر دیا جائے اور معاشرتی اصلاح کے لیے جو سیاسی ارادیت درکار ہے وہ موہوم نہیں بلکہ معدوم ہے۔

تو گھوم پھر کر نتیجہ وہی نکلا جو فیض صاحب نے نکالا تھا کہ یہ ملک ایسے ہی چلتا رہے گا۔انسان ایک دن سب فنا ہو جائیں گے اور آخر میں،بس نام رہے گا اللہ کا۔۔۔







حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت مزکی



(لیاقت علی۔وان کینڈا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ نے ایک منظر دیکھا کہ دو باپ بیٹا حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیلؑ اس کے گھر کی تعمیر کر رہے ہیں۔اور اس گھر کی حفاظت کے لئے اس سے دعا بھی کر رہے ہیں کہ:اے ہمارے رب تو اُن میں انہی میں سے ایک عظیم (مزکی) رسول مبعوث کر جواُن پر تیری آیات کی تلاوت کرے۔اور اپنی کتاب کی تعلیم دے اور اس کی حکمت بھی سکھائے اور اُن کا تزکیہ بھی کر دے یقیناً تو ہی کامل غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔پس اس وقت جب شرک نے دنیا پر خوب خوب تسلط جما لیا حتیٰ کہ توحید کے مرکز خدا کے پہلے گھر پر بھی بتوں نے پنجے گاڑ دیئے اور خدائے واحد کی بجائے ہبل اور لات و منات پرستش ہونے لگی۔عین ظلم کی اس انتہا کے وقت جب فساد خشکی پر بھی پھیل گیا اور تری پر بھی اور دنیا رُشد و ہدایت سے یکسر خالی ہوگئی۔سرزمین عرب نے ایک عجیب ترماجرہ دیکھا اور عرب کے زمین و آسمان اس بات پر گواہ ٹھہرے کہ دعائے ابراہیم کا ایک ایک لفظ مقبول ہوا تھا۔حضرت ابراہیم کی دعاؤں کا ثمرہ آیا اور غارِ حرا سے توحید کا سورج پوری آب و تاب کے ساتھ نور کی کرنیں بکھیرتا ہوا طلوع ہوا وہ آسمان ہدایت کا بادشاہ آیا۔وہ دنیائے رُشد کا ''مزکی'' پیدا ہوا۔وہ نبی آیا جس کی طرف بائبل نے اس کی عظمت وجلال کی وجہ سے ''وہ نبی'' کہہ کر اشارہ کیا۔قدوسیوں کا وہ شہنشاہ جلوہ افروز ہوا۔جس کی محبت کے گیت داوٗدؑ نے اپنی زبور میں گائے۔

(خلیفۃ المسیح تقاریر جلسہ سالانہ قبل از خلافت ''نبی کریمؐ کی قدرت قدسیہ'' صفحہ 79۔80)

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سیدنا مزکی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔جو قرآن و حدیث میں لفظ یز کیھم سے مشتق ہے۔لغوی معنی:یزکی الناس القلب مِن الخطاء والعیوب۔اصطلاحی معنی: الذی ھو یطھر الناس عن العادات النجیشه وکان رسول اللہ ﷺ یزکی الناس عن العیوب والادناس کلھا یطھرکم مِن الشرك و ضر الآثام۔یہ وصف سورۃ جمعہ کی آیت 2 یزکیھم سے لیا گیا ہے۔ اسمائالنبی صلی اللہ علیہ وسلم لغتاً و اصطلاحاً صفحہ 554)

قد افلح من تزّ کی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:فلاح وہ شخص پائے گا جو اپنے نفس میں پوری پاکیزگی اور تقویٰ اور طہارت پیدا کرلے اور گناہ اور معاصی کے ارتکاب کا کبھی بھی اس کا دورہ نہ ہو اور ترک شر اور کسب خیر کے دونوں مراتب پورے طور پر سے یہ شخص طے کرلے تب جا کر اسے فلاح نصیب ہوتی ہے۔ایمان کوئی آسان سی بات نہیں جب تک انسان مر ہی نہ جاوے۔(الحکم جلد ۲۱ صفحہ نمبر 33 مورخہ 10 مئی 1908 بحوالہ تفسیر سورۃ الاعلیٰ)اس آیت کا ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اپنی تفسیر صغیر میں یہ فرماتے ہیں: جو پاک بنے گا وہ یقیناً کامیاب ہوگا۔دوسری آیت اِسی مضمون سے متعلق سورۃ شمس میں بیان ہوئی ہے۔

قَد اَفلح مَن زکّٰھا۔اس آیت کی تشریح میں حضرت مہدی علیہ السلام فرماتے ہیں:جس شخص نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور بکلی رذائل اور اخلاق ذمیمہ سے دست بردار ہوکر خدائے تعالیٰ کے حکموں کے نیچے اپنے تئیں ڈالدے وہ اس مراد کو پہنچے گا۔

(تفسیر حضرت مسیح موعود جلد ۸ صفحہ 266)

اسی آیت کی تشریح فرماتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھتے ہیں: کپڑا جب تک سارا نہ دھویا جاوے وہ پاک نہیں ہوسکتا اسی طرح انسان کے سارے جوارح اس قابل ہیں کہ وہ دھوئے جاویں کسی ایک کے دھونے سے کچھ نہیں ہوتا۔

(تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد ۸ صفحہ 275)

ایک اور جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تزکیہ کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے زمانے کو اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بڑے سیدھے سادھے تھے۔ جیسے کہ ایک برتن قلعی کرا کر صاف ستھرا ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی اُن لوگوں کے دل تھے جو کلام الٰہی کے انوار سے روشن اور کدورت نفسانی کے رنگ سے بالکل صاف تھے گویا قد افلح من زکّٰھا کے سچے مصداق تھے۔

(الحکم جلد نمبر 7 صفحہ نمبر 24 مورخہ 30 جون 1903)

تزکیہ کی تشریح کے لئے ایک اہم اقتباس درج کرتا ہوں ''آنحضرت ﷺ کے زمانے کو دیکھا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بڑے سیدھے سادہ تھے۔ جب ایک برتن کو مانج کر صاف کر دیا جاتا ہے پھر اس پر قلعی ہوتی ہے۔ پھر نفیس اور مصفا کھانا اس میں ڈالا جاتا ہے۔ یہی حالت اُن کی تھی اگر انسان اسی طرح صاف ہو اور اپنے آپ کو قلعی اور برتن کی طرح منور کرے تو خدا تعالیٰ کے انعامات کا کھانا اس میں ڈال دیا جاوے۔

(البدر جلد نمبر 2 صفحہ 23 مورخہ 26 جون 1903)

ان اقتباسات میں چند نکات درج کرتا ہوں۔

1۔ کامیابی اُن لوگوں کو ہی ملے گی جو اپنے نفس کا تزکیہ کریں گے بلکہ وہ معاشرہ بھی کامیاب ہوگا۔

2۔ صحابہ کرام اپنی سابقہ زندگی سے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے گوبر جیسی بتائی تھی۔ اس کو ترک کر کے اپنے کو صاف ستھرا کر کے علم و عمل میں ایک نئی تاریخ رقم کر دی۔

3۔ اپنی تمام آلائشات کو اس طرح سے دور کیا جیسے قلعی گر برتن کو دھونکنی میں دیکر صاف کرتا ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا۔ میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد، احمد اور ماحی ہوں (یعنی مٹانے والا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ کفر کو مٹائے گا) اور میں حاشر ہوں میرے پیروی میں لوگوں کا حشر ہوگا اور عاقب ہوگا۔ (بخاری کتاب المناقب فی اسماء الرسول ﷺ) حضرت نبی کریم ﷺ کے بے شمار نام مرقوم ہیں۔ اس پر مستقل کتب تحریر ہیں۔ جس میں نمایاں نام اسماء النبی کریم حافظ برکت علی لدھیانوی صاحب یہ چار جلدوں پر مشتمل ہے اس میں تقریباً پندرہ سو نام کی تشریح موجود ہے۔ اسماء الرسول ﷺ محمد انور صاحب ہیں انہوں نے بھی مختلف ناموں کی تشریح کی۔ اسی طرح سے ایک عربی کتاب ہے۔ جس کے تقریباً بائیس سو سے زائد صفحات ہیں اس کا نام اسما النبی ﷺ لغتاً و اصطلاحاً جس میں بلا مبالغہ ہزاروں نام کی تشریح ہے۔ حضور ﷺ کے بے شمار ناموں میں سے جو مرکزی صفاتی نام ہے۔ ''مزکی'' ہے۔ یہ وہ نام ہے جو کسی اور نبی کو نہیں دیا گیا۔ اس بات کی تحقیق حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔

آپ بیان فرماتے ہیں اس رسول نے آکر کیا۔ یتلو علیھم آیتہٖ وہ یز کیھم و یعلم الکتاب والحکمت و ان کانو من قبل لفی ضلال مبین۔ پہلا کام یہ کیا کہ اُن پر خدا کی آیات پڑھ دیں۔ یتلو علیھم آیتہٖ پھر نرے پڑھ دینے سے تو کچھ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے دوسرا کام یہ کیا و یز کیھم اُن کو پاک صاف کیا۔ رسول ﷺ کی کس قدر عظیم شان اور بلند مرتبہ ہے۔ دوسرے کسی نبی کی بابت یہ نہیں کیا کہ یز کیھم۔

(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ 87)

دنیائے عالم میں ایک دعا ایسی بھی ہے۔ جو ہزاروں سال کا سفر طے کرتے ہوئے قبول ہوئی۔ اس دعا میں نہ صرف ایک رسول کی بشارت ہے بلکہ اس کے اندر ہی اس گروہ کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ جو اس پر ایمان لائے گا جس کا تزکیہ وہ رسول کرے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس دعا کا ذکر کیا وہ یہ ہے۔

رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِکَ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ (130)

اس دعا میں رسول کا تذکرہ ہے۔ جو آیات پڑھے گا۔ اور معلم کتاب و حکمت ہوگا وہ اور اُن کا تزکیہ کرے گا۔ اس آیات میں یہ بھی تذکرہ ہے کہ وہ اتنے بگڑ چکے ہوں گے وہ ضلال مبین کا شکار ہو چکے ہونگے بلکہ گمراہی کے

پرلے درجے میں شمار ہونگے۔ بلکہ وہ پورا معاشرہ فساد کا شکار ہوگا۔ جیسے کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔"ظهر الفساد في البر والبحر"

یعنی جنگل بھی بگڑ گئے اور دریا بھی بگڑ گئے یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جو اہلِ کتاب کہلاتے ہیں وہ بھی بگڑ گئے اور جو دوسرے لوگ ہیں جن کو الہام کا پانی نہیں ملا وہ بھی بگڑ گئے۔ اس بگڑے معاشرے کی تفصیل ہمیں حضرت جعفر ابن ابی طالب کی نجاشی کے دربار میں کی گئی تقریر میں ملتی ہے۔ جو اس معاشرے کی عکاسی کرتی ہے۔ بلکہ اگر یہ کیا جائے کہ اُس معاشرے پر فرد جرم بھی عائد کی ہے۔

حضرت جعفر ابن ابی طالب نے نجاشی کے دربار میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: اے بادشاہ! ہم جاہل قوم تھے۔ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ فواحش کے مرتکب ہوتے تھے۔ رشتوں کو قطع کرتے تھے۔ پڑوسیوں کا خیال نہیں کرتے تھے۔ ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ ہم اسی حال میں تھے یہاں تک کہ اللہ نے ہم میں، ہم میں سے (رسولا منهم) ایک رسول مبعوث کیا جس کے نسب صدق وامانت اور پاکیزگی کو ہم جانتے تھے۔ اس رسول نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا کہ ہم اُسے ایک جانیں اور اس کی عبادت کریں اور جن پتھروں اور خداؤں کی ہم اور ہمارے آبا عبادت کرتے تھے انہیں ترک کردیں اور اس نے ہمیں سچائی، صلہ رحمی اور پڑوسی سے حسن سلوک کرنے محرمات اور خون بہانے سے رُکنے کا حکم دیا اور ہمیں فواحش، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے، اور نیک عورتوں پر جھوٹے الزام لگانے سے منع کیا۔ اور ہمیں حکم دیا کہ اللہ واحد کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کریں اور ہم کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیا۔ پس ہم نے اُن کی تصدیق کی اور اُن پر ایمان لے آئے اور وہ اللہ کی طرف سے جو بھی لائے تھے اس کی اتباع کی۔ صرف اللہ واحد کی عبادت کرنے لگے۔ اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کیا۔ اور جسے انہوں نے حرام کیا اُسے حرام سمجھا اور جسے حلال کیا اُسے حلال سمجھا۔ اس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی ہمیں بہت تکلیفیں پہنچائیں۔ اور ہمیں ہمارے دین کے متعلق بڑے فتنوں میں ڈالا تاکہ وہ ہمیں اللہ کی عبادت سے بتوں کی طرف لوٹا دیں۔ اور یہ کہ ہم خبائث کو حلال کرلیں۔ پس جب انہوں نے ہم پر ظلم وزیادتی کی اور ہمیں تنگی میں ڈالا اور ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہوگئے۔ تو پھر ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے۔ اور آپ کو اختیار کرلیا اور آپ کے ہمراہ رہنا پسند کیا اور اے بادشاہ! ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کی طرف سے ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(سیرت ابن ہشام/سیرت خاتم النبیین خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ ۲۲ دسمبر 2017 خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرالعزیز)

اِن صفات کے حامل معاشرے کو پاک صاف کرنے والے کا نام "سیدنا مزکی" ہے۔ یہ مزکی لفظ یزکیھم سے مشتق ہے۔ خاکسار 'مزکی' کو مرکزی صفات میں سے یہ پہلے نمبر پر آتی ہے۔ مزکی ایک ماہر نفسیات کی طرح کام کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ ایک ماہر نفسیات تھے۔ حضور اکرم ﷺ لوگوں کا تزکیہ مختلف ذرائع سے فرماتے ہیں۔ "امیدور جا"

حضور اکرم ﷺ کا طائف سفر اتنا تکلیف دہ ہے اس کو سننا مشکل ہے جس پر بیتی ہو اس کا کیا حال ہوگا۔ اس سفر میں اتنی تکلیفوں اور ایذاؤں کے بعد ایک شخص تک مسلمان نہ ہوا۔ اس رنج اور صدمہ کے باعث آپ ﷺ کا دل خدا کی عظمت اور محبت سے بھرپور تھا۔ لیکن اُن کے دل میں اُن لوگوں کی تباہی کے لئے دعا کرنے کی بجائے آئندہ آنے والی نسلوں کو مدنظر رکھتے ہوئے دعا فرماتے ہیں۔ امید ہے آئندہ نسلیں ضرور ایک خدا پر ایمان لانے والی ہونگی۔

قرآن مجید کا اثر۔

ا۔ حضرت محمد مصطفی ﷺ نے جب حضرت طفیل بن عمر والدوسی کو اپنی زبان مبارک سے قرآن سنایا تو وہ بے اختیار مسلمان ہوگئے۔

ب۔ طائف کے سفر میں حضرت خالد العدرانی نے جب آپ ﷺ سے "السماء والطارق" سنی تو اسی وقت سورۃ کو یاد کیا اور مسلمان ہوگئے۔ ج۔ اس کے لئے بہت سے صحابہ کرام قرآن مجید سے متاثر ہوکر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے مثلاً حضرت ابو عبیدہ، حضرت ابو سلمہ، حضرت ارقم بن ابی الارقم اور حضرت عثمان بن مطعون آپ ﷺ نے ان حضرات کو اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی یہ تمام لوگ مسلمان ہوگئے۔

پیش گوئیوں کے ذریعے اسلام۔

1۔قرآن مجید نے ایرانیوں کے مقابلے میں رومیوں کی فتح کی جو پیشین گوئی کی تھی وہ پوری ہوئی تو بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔

2۔سراقہ کا واقعہ بہت مشہور ہے اس کا تذکرہ حضرت مرزا بشیر احمدؓ اپنی کتاب خاتم النبین صفحہ 268 پر درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جب سراقہ واپس لوٹنے لگا تو آپ نے اسے فرمایا سراقہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن ہوں گے سراقہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ کسریٰ بن ہرمز شہنشاہ ایران؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں'' سراقہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ یہ شخص اپنے قبیلہ سمیت فتح مکہ میں اسلام قبول کیا اور وہ امن کی تحریر بھی پیش کی جو حضور ﷺ سے سفر ہجرت کے دوران حاصل کی اور جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایران فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے سراقہ کو بلا کر کسریٰ کے کنگن پیش کیے۔

جود وسخا کے ذریعہ سے دلوں میں گھر کرنا۔

ایک بار ایک شخص نے رسول ﷺ سے بہت سی بکریاں مانگیں۔آپ ﷺ اس کا سوال پورا کیا اس پر اس فیاضی کا یہ اثر پڑا کہ اپنے قبیلہ میں آ کر کہا لوگوں مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد ﷺ اس قدر دیتے ہیں کہ ان کو اپنے تنگ دست ہو جانے کا بھی خوف نہیں ہوتا۔

عفوو درگزر

حضرت ثمامہ بن اثالؓ گرفتار ہو کر آئے لیکن جب آپ ﷺ نے ان کو بلا شرا ور بلا معاوضہ رہا کر دیا تو انہوں نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔ اور ان کا دل داعی اسلام اور مدینہ اسلام کی محبت سے معمور ہو گیا۔

حلم کے ذریعے سے لوگوں کو دلوں میں اسلام داخل کرنا۔

زید بن سنہ اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک یہودی عالم تھے۔اس نے تورات شریف میں آپ کی صفات پڑھ رکھی تھی۔حق کا متلاشی تھا نبی کریم ﷺ کی صداقت کی تمام علامات اس پر واضح ہو چکی تھی صرف دو صفات ایسی تھیں جن کی تصدیق کرنا چاہتا تھا ایک یہ کہ آپ ﷺ کا تحمل آپ ﷺ کے غصہ پر غالب ہو گا دوسری صفت ان سے شدید جہالت کے سلوک کے باوجود ان کے حلم میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا مختصر یہ کہ اس بندے نے تقاضائے قرض میں اس قدر تنگ کیا کہ صحابہ کرام میں تشویش ہو گی لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: خدا نے مجھے کسی ذمی پر ظلم کرنے کے لئے اجازت نہیں دی۔ دوسرے روز وہ شخص مشرف بہ اسلام ہو گیا اور کہا کہ میں نے حضرت محمد ﷺ میں دونوں صفات کا مشاہدہ کرلیا ہے ہے وہ تحمل مزاج اور بردبار بھی ہے اور حلیم بھی ہے صرف سخت گیری کا مقصد صرف اور صرف تورات میں جو آپ کے جوار اوصاف مذکور ہیں۔(یہ واقعہ طبرانی، حاکم بیہقی میں مذکور ہے۔)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کی صفت مزکی کی شاندار طریقے سے وضاحت فرمائی۔ ان کا مشہور زمانہ قصیدہ عربی اس میں اس خوبصورتی سے صفت مزکی کو بیان کیا دریا بکوزہ ہے اصل میں یہ شعر: ضلال مبین کی تاریک راہوں کو حضرت سیدنا مزکی علیہ السلام نے روشن راہوں میں بدل دیا۔ظهر الفساد فی البر و البر کو مصلح اعظم ﷺ ے امن و آشتی سے بدل دیا۔

صاد فتهم قو ماً كروث ذلته جعلتهم كسبيكته العقيان۔۔۔اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا جلال الدین شمسؓ نے اپنی شرح القصیدہ میں فرماتے ہیں۔

معانی الالفاظ۔

روث۔لید، گوبر۔اس کی جمع ''ارواث'' ہے۔السبیکہ چاندی یا سونے کی صاف ڈلی۔اس کی جمع سبائک ہے۔العقیان خالص سونا۔تو نے حضرت محمد ﷺ نے انہیں ایسی قوم پایا جو گوبر کی طرح ذلیل تھی پھر تو نے انہیں خالص سونے کی ڈلی کی مانند کر دیا۔ اس شعر میں اہل عرب کی قبل از اسلام حالت کو گوبر سے تشبیہ دی ہے یعنی حد درجہ ذلیل تھے اقوام عالم میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی لیکن اے میرے آقا! تیری صحبت تیری رفاقت اور تیری ذات نے ان کو خالص سونے کی ڈلی کے مالک بنا دیا اور اقوام عالم میں وہ درجہ اور مقام حاصل ہوا جس کی نظیر پہلوں اور پچھلوں میں تلاش کرنا بے سود ہے۔

(شرح القصیدہ صفحہ نمبر 76-75)

قرآن شریف میں آپ کے مقاصد بعثت کا ذکر جہاں جہاں ہے وہاں ایک

مقصد"یز کیھم یا یز کیکم "(البقرۃ 2/ 129، 151/ 2 آل عمران 164 / 3 الجمعہ 3 / 62) یعنی حضرت خاتم الانبیاءﷺ کا ایک فرض منصبی لوگوں کا تزکیہ نفوس کرنا ان کو گناہ اور غلط کاری کی پلیدی سے پاک کرنا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود نے اس بات کو اپنی کتاب لیکچر سیالکوٹ میں بیان فرمایا غرض یہ تمام بگاڑ کہ ان مذاہب میں پیدا ہوگئے جن میں سے بعض ذکر کے بھی قابل نہیں اور جو انسانی پاکیزگی کے بھی مخالف ہے یہ تمام علامتیں ضرورت اسلام کے لئے تھیں ایک عقلمند کو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اسلام سے کچھ دن پہلے تمام مذاہب میں گر چکے تھے اور روحانیت کھو چکے تھے پس ہمارے نبی ﷺ اظہار سچائی کے لئے ایک مجدد اعظم تھے جو گم گشتہ سچائی کو دوبارہ دنیا میں لائے اس فخر میں ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ کوئی بھی نبی شریک نہیں آپ نے تمام دنیا کو تاریکی میں پایا اور پھر آپ کے ظہور سے وہ تاریکی نور میں بدل گئی جس قوم میں آپ ظاہر ہوئے آپ فوت نہ ہوئے جب تک تمام قوم نے شرک کا جامہ اُتار کر توحید کا جامہ نہ پہن لیا۔ اور نہ صرف اس قدر بلکہ وہ لوگ اعلیٰ مراتب ایمان کو پہنچ گئے اور وہ کام صدق اور وفا اور یقین کہ ان سے ظاہر ہوئے جس کی نظیر اس دنیا کے کسی حصے میں پائی نہیں جاتی یہ کامیابی اور اس قدر کامیابی کسی نبی کو بجز حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نصیب نہیں یہی ایک بڑی دلیل حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر ہے کہ آپ ایک ایسے زمانہ میں تشریف فرما ہوئے جب کہ زمانہ نہایت درجہ کی ظلمت میں پڑا ہوا تھا اور طبعاً ایک عظیم الشان مصلح کا خواستگار تھا اور پھر آپ نے ایسے وقت میں دنیا سے انتقال فرمایا جبکہ لاکھوں انسان شرک اور بت پرستی کو چھوڑ کر توحید اور راہ راست اختیار کر چکے تھے اور درحقیقت یہ کامل اصلاح آپ ہی سے مخصوص تھی۔ آپ ﷺ نے ایک قوم وحشی سیرت اور بہائم خصلت کو انسانی عادات سکھلائے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں بہائم کو انسان بنایا اور پھر انسان سے تعلیم یافتہ انسان بنایا اور تعلیم یافتہ انسانوں سے باخدا انسان بنایا اور روحانیت کی کیفیت ان پر پھونک دی اور سچے خدا کے ساتھ ان کا تعلق پیدا کر دیا اور وہ خدا کی راہ میں بکریوں کی طرح ذبح کئے گئے اور چیونٹیوں کی طرح پیروں میں کچلے گئے مگر ایمان کو ہاتھ سے نہ جانے دیا بلکہ ہر مصیبت نے آگے قدم بڑھایا بس بلاشبہ ہمارے نبی ﷺ روحانیت قائم کرنے کے لحاظ سے آدم ثانی تھے بلکہ حقیقی آدم وہی تھے۔

صحابہ کرام نے اپنی زندگی کس طرح بسر کی اس کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

وہ قوم جو زنا اور بدکاری وغیرہ کو باعث فخر کیا کرتی تھی لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد ان کی کس طرح سے کایا پلٹی دنیا حیران ہوتی ہے۔ مرثد غنوی ایک نوجوان مرتھے۔ مکہ سے مسلمان قیدی چھڑا کر مدینہ لے جایا کرتے تھے ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ جب انہوں نے ایک قیدی کو آواز دی تو مکہ کی ایک کنچنی جس کا نام عناق تھا اور مرثدؓ کو بصد اصرار کہا کہ آج رات میرے ساتھ گزارو۔ اُسے جواب دیا اے عناق رسول ﷺ نے زنا حرام کر دیا ہے جب اس نے دیکھا مرثد انکار پر مصر ہے تو اس نے شور مچا دیا اور کہا لوگو یہ ہے وہ شخص جو تمہارے قیدی چرا کر لے جاتا ہے مرثد وہاں سے بھاگ کر خندمہ پہاڑ کی ایک غار میں چھپ گئے۔ آٹھ شخص ان کی تلاش میں نکلے اور اس غار کے پاس پہنچے اور بعض ان میں سے وہاں پیشاب کیا جو مرثدؓ پر گرا لیکن وہ اسے دیکھ نہ سکے اور واپس چلے گئے بعد میں مرثد دوبارہ اس قیدی کے پاس گئے اور اسے اپنے ساتھ مدینہ لے آئے

(شرح القصیدہ جلال الدین شمس 109)

یہ واقعہ لا یزنون کی ایک زبردست شہادت ہے صحابہ کی زندگی تقویٰ اور روحانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ چکی ہے کہ غیر متقی کی صحبت ان کے لیے ناقابل برداشت ہے۔

وجعلت دسکرۃ المدام مخربا

وازلت حانتھا من البلدان

اے نبی ﷺ مزکی آپ نے شراب خانے تباہ و برباد کر ڈالے اور شہروں سے شراب فروشی کی دکانیں ہٹالیں۔

ترکو الغبوق وبدّلو من ذوقه

ذوق الدعاء بلیلته الاحزان

ان لوگوں غبوق (عشاء کے وقت کی شراب کا پینا) چھوڑ دیا اس سے جو

لذت حاصل ہوتی تھی اس کے بدلے میں انہوں نے غم کی راتوں میں دعا کی لذت اختیار کر لی عرب لوگ دن میں پانچ وقت شراب پیتے تھے۔1۔طلوع آفتاب سے پہلے اس کو جاشریہ کہتے تھے۔
2۔طلوع آفتاب کے بعد صبوح کہتے تھے۔3۔دوپہر کے وقت کی شراب کو قیل کہتے تھے۔4۔مغرب کے وقت مخمہ کہتے تھے5۔عشاء کے وقت غبوق کہتے تھے۔
غبوق یعنی عشاء کے وقت کی شراب سے رات مستی میں گزر جاتی تھی۔ان اشعار میں حضرت رسول کریم ﷺ کے عظیم الشان کارنامے کا ذکر ہے جو معجزے سے کم نہیں۔
عرب مے نوشی اور اس کے نشہ سے مدہوش ہونے کو فخر یہ بیان کر کیا کرتے تھے۔ان کے قصائد مے نوشی کے ذکر سے پر ہیں۔اس پر بے شمار اشعار عربوں کے قصائد میں موجود ہے اس کا تذکرہ کرنے سے مضمون بہت طوالت اختیار کر جائے گا۔
حضرت جلال الدین شمسؓ بیان کرتے ہیں: رسول کریم ﷺ کی تاثیر قدسی کا یہ عالم تھا کہ جب ہجرت کے چوتھے سال شراب کی تحریم کا حکم نازل ہوا تو اس حکم کا اعلان ہوتے ہی مسلمانوں نے شراب کو پینا بالکل ترک کر دیا۔چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جس وقت مدینے کی گلیوں کوچوں میں اس حکم کا اعلان کیا جار ہا تھا اس وقت ایک انصاری کے گھر میں شراب نوشی کی محفل گرم تھی تھی دور چل رہا تھا ایک خم لنڈھایا جا چکا تھا دوسرے کی نوبت آنے والی تھی کہ اعلان کرنے والے نے اعلان کر دیا کہ اللہ تعالی کے حکم سے رسولؐ نے شراب پینا ممنوع کر دیا ہے محفل میں ایک شخص اُٹھ کر بولا کہ یہ شراب کی ممانعت کا حکم معلوم ہوتا ہے کہ ٹھہر جاؤ معلوم کر لیں۔اس پر ایک شخص اُٹھا اور اس مٹکے کو جو شراب سے بھرا ہوا تھا بڑے ٹکڑے کر دیا اور کہا پہلے حکم کی تعمیل کر و یا پھر دریافت کرو۔
(بخاری کتاب بحوالہ شرح القصیدہ صفحہ 90 اولڈ آڈیشن جلال الدین شمسؓ)
احادیث میں یہ بھی ملتا ہے کہ جس دن شراب کے حرام ہونے کا اعلان کیا گیا اس دن مدینہ کی گلیوں میں شراب پانی کی طرح بہہ رہی تھی یہ فوری انقلاب ہے جو مزکی اعظم ﷺ کی تاثیر قدسیہ سے ظہور میں آیا۔حضرت محمد مصطفی ﷺ نے ایسے لوگوں کی تربیت کی لوگوں نے اپنے آپ کو خود قانون کے حوالے کر دیا اور گناہ کا اعتراف کیا حالانکہ اُن کو علم بھی تھا کہ اس کی سزا موت ہے لیکن انہوں نے یہ کہا کہ ہمیں پاک کر دو تا کہ آخرت میں اس کی سزا نہ ملے۔

ماعز بن مالک کا واقعہ۔

اس واقعہ کو صحیح مسلم جلد دوئم نہم کتاب الحدود کی حدیث نمبر 3191 جلد نہم صفحہ 52 میں روایت ہے: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ماعز بن مالک سے فرمایا کیا جو بات مجھے تمہارے بارے میں پہنچی ہے۔سچ ہے؟ اس نے کہا آپ کو میرے بارے میں کیا خبر پہنچی ہے آپ نے فرمایا مجھے پتہ چلا ہے کہ تم نے فلاں قبیلہ کی لڑکی سے بدکاری کی ہے اس نے کہا ہاں وہ (حضرت ابن عباسؓ) کہتے ہیں پھر اس نے اس کی چار دفعہ اس کی شہادت دی پھر آپ ﷺ نے اس کے بارے میں حکم دیا اور وہ رجم کیا گیا۔اس سے اگلی حدیث نمبر 03192 میں یہ بیان کیا گیا ہے میں بدکاری کا مرتکب ہوا ہوں یہ بات ماعز بن مالک نے اعتراف کیا اور خود کہا کہ میرے پر حد جاری فرمائیں نبی کریم ﷺ نے اسے کئی دفعہ واپس لوٹایا۔اور حدیث 3193 میں یہ اضافہ ہے واپس جاؤ اور اللہ سے استغفار کر اور توبہ کر۔وہ کہتے ہیں وہ تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے پاک کریں مختصر یہ کہ اُس کو سنگسار کر دیا گیا۔اس پر رسول ﷺ نے فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی اگر وہ ایک اُمت پر تقسیم کی جائے تو ان پر بھی حاوی ہے۔
(صحیح مسلم جلد نہم صفحہ 49-54)
مفہوم: باب اس شخص کا بیان جس نے خود زنا کا اعتراف کیا
(کتاب الحدود جماعت احمدیہ)
اسی طرح خواتین میں بھی اپنے تزکیہ نفس کا خیال رہتا تھا اس مسلم کی روایت نمبر 3194 میں ایک خاتون کا تذکرہ ملتا ہے جس میں وہ کہتی ہے یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے زنا سرزد ہو گیا مجھے پاک کر دو۔اسی طرح وہ چار دفعہ نبی ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوئی کہ مجھے پاک کر دیں اس نے کہا کہ میں حاملہ ہوں آپ ﷺ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو پھر نہیں لوٹ جا بچے کو جنم

دے کر آ جب اس نے بچے کو جنم دے لیا تو پھر نبی ﷺ کریم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حضور نے فرمایا اس کو دودھ پلاؤ پھر جب اس کا دودھ چھڑوا دیا تو بچہ لائی جس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا مختصر یہ اس خاتون کو سنگسار کر دیا گیا یہ احساس گناہ اور ندامت کسی اور قوم میں نہیں ملتا۔

حضرت مزکی اعظم ﷺ بحیثیت ایک ماہر نفسیات۔

حضرت ابو امامہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ خدمت میں حاضر ہوا اور بولا یا رسول اللہ ﷺ مجھے زنا کرنے کی اجازت دے دیں نبی ﷺ کے قریب جو اصحاب بیٹھے تھے۔ انہوں نے زدوکوب کرنا چاہا لیکن نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کو چھوڑ دو پھر آپ نے اس سے پوچھا کیا تو چاہتا ہے تیری بہن کے ساتھ ایسا کام کیا جائے اس نے انکار کیا آپ نے پوچھا اچھا تیری بیٹی کے ساتھ؟ اس نے انکار کیا اس طرح مختلف رشتوں کا نام لے لے کر اس سے پوچھتے رہے وہ انکار کرتا رہا پھر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا جو بات اللہ نے تیرے لیے ناپسند کر دی ہے وہ دوسروں کے لئے بھی ناپسند کر جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہ اپنے بھائی کے لیے بھی پسند کر۔

(کنز العمال حدیث 13611)

نبی کریم ﷺ نے اس کے اندر ضمیر کو مختلف رشتوں کا نام لے کر اس کے اندر کی انسانیت کو جگا یا۔

حضرت مزکی اعظم ﷺ کا گناہوں سے روکنے کے لئے جھوٹ ترک کرنے کا حکم۔

ایک شخص بارگاہ نبوت میں عرض گزار ہوا مجھے بدکاری، چوری، شراب نوشی، اور جھوٹ کی عادت ہے میں ایمان لانا چاہتا ہوں مگر لوگوں نے بتایا آپ نے یہ چیزیں حرام کی ہیں میں ایک ساتھ انہیں نہیں چھوڑ سکتا مجھے ان میں سے کسی ایک برائی سے منع فرما دیجئے تو میں اسلام قبول کرلوں گا نبی کریم ﷺ نے فرمایا تو جھوٹ کو ترک کردے۔عرض کیا ٹھیک ہے۔پھر وہ مسلمان ہوگیا۔ دربارِ رسالت سے جانے کے بعد جب اس کا شراب پینے کا ارادہ کیا تو خیال آیا جب نبی کریم ﷺ مجھ سے شراب کے متعلق پوچھیں گے اور میں جھوٹ بولوں گا تم میں نبی کریم سے کئے ہوئے وعدے کو توڑنے والا ہو جاؤں گا اور اگر اقرار کرلیا تو مجھ پر حد قائم کی جائے گی لہذا اس نے شراب نوشی چھوڑ دی اسی طرح مختلف برائیوں کا ارادہ کیا مگر جھوٹ نہ بولنے کے وعدے کو سامنے رکھتے ہوہوئے اُن سے باز رہا۔

(تفسیر کبیر امام رازی آیت 119 سورۃ توبہ)

ظہر الفساد فی البر سے ۔۔۔۔۔۔اذا جاء نصر اللہ والفتح کا سفر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں حضرت ﷺ اس وقت مبعوث ہوئے جب فسق و فجور، شرک اور بت پرستی اپنی انتہا کو پہنچ چکی اور ظھر الفساد فی البری والبحر والا معاملہ ہو رہا تھا اور گئے اس وقت جب ورایت الناس ید خلون فی دین اللہ افواجا والا نظارہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا تھا اور یہ ایسی بات ہے جس کی نظیر تمام دنیا میں نہیں پائی جاتی اور یہی تو کاملیت ہے کہ جس مقصود کے لئے آئے تھے اس کو پورا کر کے دکھایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو صلیب کا ہی منہ دیکھتے پھرے اور یہودیوں سے رہائی نہ پا سکے مگر ہمارے نبی کریم ﷺ نے غالب ہو کر وہ اخلاق دکھائے جن کی نظیر نہیں۔

(الحکم جلد نمبر 11 مورخہ 31 اکتوبر 1907 صفحہ 6 تفسیر زیر آیت 42 ظہر الفساد فی البر)

اسی مضمون کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک دوسرے رنگ میں بیان فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا دنیا میں آنا اور پھر وہاں سے رُخصت ہونا قطعی دلیل آپ کی نبوت ہے آپ اس وقت جب ظھر الفساد فی البر والبحر مصداق تھا اور ضرورت ایک نبی کی تھی ضرورت پر آنا بھی ایک دلیل ہے اور آپ اس وقت دنیا سے رُخصت ہوئے جب اذا جاء نصر اللہ کا آوازہ دیا گیا۔ اس میں اللہ تعالی نے بتایا کہ آپ کس قدر عظیم الشان کامیابی کے ساتھ دنیا سے رُخصت ہوئے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں: آپ اس وقت دنیا سے رُخصت ہوئے جب آپ کو یہ آواز آ گئی

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (سورۃ روم صفحہ 18۔19)

یہ آواز کسی اور نبی اور رسول کو نہیں آئی۔

حجۃ الوداع۔

خدا کے کام عجیب ہوتے ہیں جب نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی آپ ﷺ گھبرائے ہوئے گھر میں داخل ہوئے تو اپنی کیفیت خدیجہ رضی اللہ عنہ کو بتائی۔ جس پر حضرت خدیجہ نے وہ تاریخی سچائی بیان فرمائی جو قد افلح من زکھا یہ تفسیر تھی۔ حضرت خدیجہ نے فرمایا:

کلا واللہ ما یخزیك اللہ ابدا انك لتصل الرحم و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق۔ (بخاری باب کیف کان بدا الوحی)

خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ خدا تعالی نے آپ کو کبھی ذلیل ضائع نہیں کرے گا کیونکہ آپ رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہو اور کمزوروں کا بوجھ اُٹھاتے ہو اور وہ تمام نیک اخلاق جو دنیا سے معدوم ہو چکے ہیں آپ ان پر عامل ہیں۔ مہمانوں کی خدمت کرتے ہو اور سبھی مصیبتوں پر لوگوں کی مدد کرتے ہو ہو یہ گواہی آخر تک ساتھ ساتھ چلتی گئی یہاں تک کہ فتح مکہ ہو گیا اور اس دن 10 ہجری میں حج کا ارادہ فرمایا اس وقت ایک لاکھ سے زائد صحابہ ہمراہ تھے اور توحید کے نعرے اس سرزمین پر ہو رہے تھے جہاں 360 بتوں کی خدائی مسلم تھی آج تمام بتوں کی حکمرانی پاش ہو چکی تھی ایک واحد خدا کی پرستش ہو رہی تھی۔ وہ تسلی جو حضرت خدیجہؓ نے اس وقت دی وہ تکسب المعدوم جو صرف آپ ادا کرتے تھے آج پورا عرب ان کو ادا کرنے میں فخر محسوس کر رہا تھا حضرت محمد مصطفی ﷺ نے جس انداز سے اس کو بیان فرمایا وہ دنیا میں ایک مثال ہے۔ آج سے تیئیس سال قبل جاہلیت کے نیچے عرب معاشرے میں گڑھے ہوئے تھے جس کی تفصیل حضرت جعفر طیارؓ کی وہ تقریر ہے جو بادشاہ نجاشی کے سامنے کی تھی وہ آغاز ہے اور انجام یہ ہے کہ حضور ﷺ اس خطبہ جمعہ میں فرمایا: 1۔ جان لو جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں تلے روندی گئی ہے اور اب تمام آثار جاہلیت کالعدم اور ساقط ہو گئے ہیں۔

2۔ خبردار! اہل جاہلیت کی ہر چیز میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے۔

3۔ سن لو جاہلیت کا ہر خون انتقام مال مغضوب اور آثار جاہلیت خاندانی میرے قدموں تلے تا قیامت کالعدم ٹھہرائے جاتے ہیں۔

4۔ اور جاہلیت کے تمام باعث فخر و غرور عہدے ختم کیے جاتے ہیں۔

5۔ ہر قسم کا سود آج سے ممنوع قرار پاتا ہے اور زمانہ جاہلیت کے تمام سود بسودی کاروبار اب باطل ہیں۔

اور زمانہ جاہلیت کے تمام خون کے بدلے انتقام اب کالعدم ہیں۔

یہ خطبہ ایک طویل مضمون کو چاہتا ہے۔ اختصاراً یہ بتانا مقصود ہے۔ جاہلیت تمام کی تمام حضرت محمد ﷺ کے قدموں تلے روندی گئی۔ اور اس بات کی شہادت صحابہؓ سے لی کہ میں نے اپنے فرائض کو کس طرح سے ادا کیا سب نے کہا ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نے امانت الٰہی ہم تک پہنچا دی اور حق رسالت ادا کر دیا اور رسول نے اپنی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اُٹھایا اور پھر اسے لوگوں کی طرف دیکھا اور فرمایا اے اللہ گواہ رہنا گواہ رہنا اے اللہ گواہ رہنا۔ (خطبہ حجۃ الوداع ڈاکٹر نثار صفحہ 186)

اللہ تعالیٰ نے حضرت مزکی اعظم ﷺ کے لئے کیوں درود مخصوص کیا؟

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کس طرح سے نبی کریم ﷺ نے بت پرستی کو جڑ سے اُکھاڑا۔ اس کی گواہی سر ولیم نے اپنی کتاب لائف آف محمد ﷺ میں دی ہے وہ لکھتا ہے: گو عیسائی پانچ صدیوں تک ملک عرب میں عیسائیت پھیلانے کی کوشش کرتے رہے مگر قلیل تعداد کے کسی نے مسیحیت قبول نہ کی یہود نے بھی اپنے دین کی ترویج کے لیے بہتر ہاتھ پاؤں مارے اور ان کی طاقت بھی نصاریٰ سے کئی حصے بڑھ چڑھ کر تھی مگر آخر تھک کر رہ گئے۔ محمد ﷺ کے ظہور سے پہلے ملک عرب کی حالت جس قدر ملکی اتحاد اور تمدنی اصلاح کے خلاف تھی۔ اسی طرح مذہبی اصلاح کو قبول نہ کرتی تھی۔ کیونکہ عربوں کے مذہب کی بنیاد نہائت شدید قسم کی بت پرستی پر قائم تھی

(بحوالہ اصلاحات کبریٰ ابوالقاسم دلاوری صفحہ نمبر 9 لائف آف محمد ﷺ)

حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع حضرت مزکی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان فرماتے ہوئے فرماتے ہیں

”روحانی اور اخلاقی پستی کی انتہا تک پہنچے ہوئے کفر و شرک کے گہواروں میں پلنے والے مجھے یہ لوگ جو فسق و فجور کی گودیوں میں کھیلے اور جہالت اور بربریت کے ہاتھوں میں جوان ہوئے تھے محمد عربی ﷺ کی ایک مزکی کی

نگاہ سے بدل گئے (تقاریر جلسہ سالانہ صفحہ نمبر 99 قبل از خلافت)

اسی تزکیہ نفس کا حیرت انگیز منظر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب برکات الدعا میں بیان فرماتے ہیں وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں ایک دفعہ ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نا پہلے اس سے کسی کی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا کچھ جانتے ہوئے کہ وہ کیا تھا وہ فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائبات دکھلائے جو اس اُمی بے کس سے محالات کی طرح نظر آتی ہیں۔

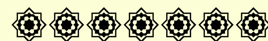
اللھم صلی و سلم و بارك علیه ا له بعد دهمه و غمه و حزنه لهذه الامته وانزل علیه انوار رحمتك الی الابد۔

آخر میں ایک اقتباس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا درود شریف کی حکمت پر پیش کرتا ہوں جس پر حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ رسول ﷺ کے واقعات پیش آمدہ کی معرفت ہو اور اس بات پر پوری طرح اطلاع ہو کہ اس وقت دنیا کی کیا حالت تھی اور آپ نے آکر کیا کیا تو انسان وجد میں آکر اللھم صلی علی محمد کہہ اٹھتا ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں یہ خیالی اور فرض بات نہیں ہے قرآن شریف اور دنیا کی تاریخ اس امر کی پوری شہادت دیتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کیا کیا ورنہ کیا بات تھی جو آپ ﷺ کے مخصوص فرمایا گیا۔

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَ سَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا

کسی دوسرے نبی کے لئے یہ صدا نہیں آئی۔ پوری کامیابی کے ساتھ یہی ایک انسان دنیا میں آیا جو محمد کہلایا ﷺ۔

(الحکم جلد 5 نمبر 2 مورخہ 17 اکتوبر 1901 تفسیر حضرت مسیح موود علیہ السلام زیر آیت 57 سورۃ احزاب)



بخدا میں بھی قادیانی ہوں

چوہدری محمد علی مضطر۔ مرسلہ ملک صفی اللہ قادیانی

اصل کی نقل ہوں، نشانی ہوں اک روایت ہوں اور پرانی ہوں
میرا محبوب قادیانی ہے بخدا میں بھی قادیانی ہوں
نام لیوا ہوں عہد رفتہ کا اور اس عہد کا بھی بانی ہوں
جس کو لکھا گیا ہے صدیوں میں میں وہ تازہ تریں کہانی ہوں
درحقیقت وہی حقیقت ہے جس حقیقت کا دور ثانی ہوں
کیسے سمجھاؤں تجھ کو اپنی بات تو زمینی، میں آسمانی ہوں
آئینہ بھی ہے تجھ سے شرمندہ شرم سے میں بھی پانی پانی ہوں
جس کو ہر لیکھرام جانتا ہے میں وہی مرگ ناگہانی ہوں
موت مجھ سے سنبھل کے بات کرے عشق کی آخری نشانی ہوں
کس کو حاصل دوام ہے پیارے! تو بھی فانی ہے، میں بھی فانی ہوں
لوٹ کر جو کبھی نہیں آتی میں وہ گزری ہوں جوانی ہوں
دشمن جاں کے حق میں بھی مضطرؔ مہربانی ہی مہربانی ہوں

ماہِ رمضان

(فہمیدہ طاہر۔ جرمنی)

داخل تو اس ماہِ رمضان میں ہر ایک ہی ہوگا
خوش قسمت ہے جسے یہ رمضان سچا ملے گا
دعاؤں التجاؤں سنگ جو رمضان گزارے گا
اپنی بقا تو چھوڑ وہ سارا جہاں ہی بچا لے گا



ربوہ کی چند بکھری یادیں



شہزادہ قمرالدین مبشر۔گلاسگو(سکاٹ لینڈ)

یادیں انسانی زندگی کا قیمتی سرمایہ ہوتی ہیں۔اس کی ہر کھڑکی ماضی میں کھلتی ہے۔جس میں وہ لوگ یاد آتے ہیں جن سے بچھڑ کر انسان جی رہا ہوتا ہے۔جو دنیا کی بھیڑ میں کہیں گم ہوجاتے ہیں۔انسان دُنیا سے چلا جاتا ہے مگر خوبصورت یادیں کبھی نہیں مٹتی۔ایسے لوگوں کے ساتھ گزرا ہوا وقت بھی خاص ہوتا ہے ان کی یادیں خواہ کیسی ہوں ہمیشہ ہم پر محیط رہتی ہیں۔کبھی کبھار زندگی میں ہونے والے چند واقعات اتنے قیمتی بن جاتے ہیں کہ پھر ان کی یاد کسی طرح بھولے نہیں بھولتی۔ان لمحوں کی یاد ہمیشہ دل و دماغ میں خوشبوؤں کی مانند رچ بس جاتی ہے جس کے احساس سے دل وجاں معطر رہتے ہیں۔

یاد آئی جب ان کی گھٹا کی طرح
ذکر ان کا چلا نم ہوا کی طرح
بجلیاں دل پر کڑکیں بلا کی طرح
رُت بنی خوب آہ و فغان کیلئے

(کلام طاہر)

ہمارا آبائی شہر ٹوبہ ٹیک سنگھ پاکستان ہے۔زندگی انسان کومختلف شہروں ملکوں میں نقل مقانی اور ہجرت کرتے ہوئے کہاں سے کہاں لے آتی ہے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی خاص مصلحت کے تحت ہی ہوتا ہے۔دارالہجرت ربوہ میں گزرے ہوئے زندگی کے چند سال اب خواب ہی محسوس ہوتے ہیں جنہیں ہم حالت بیداری میں سب سے زیادہ قیمتی محسوس کرتے ہیں۔میری مراد ربوہ کی پیاری یادیں ہیں جسے ہم کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتے ہیں۔

ربوہ کی مساجد:

پاکستان کے واحد شہر ربوہ کی تعمیر اُس مبارک خواب کی تعبیر ہے جو اللہ تعالیٰ کی خاص منشاء کے ساتھ جماعت احمدیہ کے ذریعہ پوری ہوئی۔تیس چالیس سال قبل یہاں تقریباً 70 مساجد تھیں۔اب مزید اضافہ ہوگیا ہوگا۔ہمارے گھر کے قریب مسجد لطیف ہے جو کہ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف رضی اللہ عنہ شہید افغانستان کے نام سے منسوب ہے۔جہاں اُس وقت حضرت شہید رضی اللہ عنہ کے بیٹے صاحبزادہ طیب لطیف صاحب امامت کروایا کرتے تھے۔دارالصدر شمالی میں ہماری گلی کے دائیں جانب پر ان کا گھر تھا اور بائیں جانب کارنر پر مسجد لطیف۔جہاں حضرت صاحبزادہ طیب لطیف صاحب ضعیف العمری کے باوجود آہستہ آہستہ قدموں کے ساتھ نماز کیلئے تشریف لاتے۔نماز پڑھانے کے بعد جب واپس اپنے گھر جاتے تو چند منٹوں کیلئے ہمارے گھر کے سامنے رک جاتے اور ہمیں خوبصورت نصائح اور دُعاؤں سے نوازتے۔اگر کوئی بچہ مسجد میں نظر نہیں آتا تو دریافت فرماتے کہ فلاں بچہ مسجد میں نظر نہیں آیا۔ان کا بابرکت وجود ہمارے خاندان کے بڑے بزرگ سے کم نہ تھا۔ان کا بیٹا صاحبزادہ امجد اللطیف روزانہ ہمارے گھر آتا تھا،ہم دونوں اکثر مختلف تعلیمی موضوعات پر گفتگو کرتے رہتے تھے۔کئی مرتبہ مجھے اپنے گھر دعوت بھی دیتے۔اس طرح دوستی مضبوط ہوتی گئی۔

کچھ عرصہ بعد صاحبزادہ امجد الطیف صاحب امریکہ چلے گئے۔شروع شروع میں تو ان سے خط وکتابت رہی پھر ایک لمبی جدائی کے بعد اب صرف یادیں باقی رہ گئی ہیں۔

ہمارے محلے کی دوسری مسجد ''مسجد انوار'':

جہاں اس وقت صدر محلہ محترم ماسٹر اللہ بخش صاحب ہوا کرتے تھے۔ان دنوں زیادہ تر امامت قاری محمد امین صاحب (محاسب صدر انجمن احمدیہ) ہی کروایا کرتے تھے لیکن بعض اوقات صدر محلہ کسی اور بزرگ کو بھی امامت کیلئے کہہ دیتے تھے۔کبھی کبھی چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ اور شیخ مبارک احمد صاحب سابق رئیس التبلیغ افریقہ بھی امامت کرواتے تھے۔صدر محلہ ماسٹر اللہ بخش صاحب کے ہاتھ میں لکڑی کا ایک ڈنڈا ہوا کرتا تھا۔جب سیر سے واپس آتے تو بعض گھروں کے بچے جو نماز کیلئے مساجد کا رُخ نہیں کرتے تھے ان کے گھر جا کر خوب باز پرس کیا کرتے تھے۔دوسری خاص بات یہ تھی کہ بحیثیت

صدر محلہ غریب اور نادار لوگوں کا بہت خیال رکھتے، ان کی خیر و عافیت دریافت کرتے اور پوشیدہ طور پر ان کی اعانت بھی کرتے تھے۔ ان کے صاحبزادے مکرم عبدالمجید طاہر صاحب نے مسجد انوار کی تعمیر کے حوالے سے کچھ تحریری نوٹ بھیجے ہیں جو بغرض دُعا تحریر کر رہا ہوں۔

ہم 1956ء میں ابا جان کی اسکول سے ریٹائرمنٹ کے بعد دارالبرکات میں جو پلاٹ خرید رکھا تھا مکان بنوانے کے لئے نقشہ بنوا رہے تھے۔ ہمارے چچا جان چوہدری اسلم کاہلوں ابا جان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ دارالصدر غربی میں چوہدری غلام اللہ اپنا پلاٹ بیچنا چاہتے ہیں جو چار کنال کا ہے۔ میں یہ پلاٹ خرید نہیں سکتا۔ آپ بڑے بھائی ہیں اگر ہم مل کر خرید لیں اور پھر آدھا آدھا کر لیں گے اور اس طرح اکٹھے رہ سکیں گے۔ ابا جان نے اتفاق کیا اور ہم نے وہ پلاٹ خرید کر دونوں نے برابر مکان بنانے شروع کر دیئے۔ ہم نے ایک پلاٹ کو صاف کر کے وہاں نماز با جماعت ادا کرنی شروع کی۔ یہ پلاٹ مکرم شیخ محبوب صاحب اور مکرم لطیف احمد صاحب کا مشترکہ تھا۔ ان سے اجازت لے کر وہاں نماز کی ابتدا ہوئی۔ کچھ عرصہ ہوا تو ظہور احمد باجوہ صاحب نے ابا جان کو بتایا کہ شیخ صاحب اپنا پلاٹ بیچنا چاہتے ہیں۔ ابا جان نے فوراً حامی بھر لی۔ ابا جان گاؤں چلے گئے اور وہاں کچھ زمین فروخت کر دی اور آ کر رقم باجوہ صاحب کو دی اور انہوں نے 5400 روپے کا سودا کروایا۔ چنانچہ ابا جان نے وہ 11 جولائی کو مسجد کے نام کروا دی۔ اس میں دلچسپ بات یہ تھی کہ ہم نے اپنے مکان کی زمین 3000 روپے میں خریدی تھی۔ اس طرح اس مسجد کا قیام عمل میں آیا۔ میں اپنے بابا سائیں کی اس محبت کا ذکر ہمیشہ بڑے فخر سے کرتا ہوں۔ آج آپ سب سے اپنے بابا سائیں کے درجات کی بلندی اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق کے لئے دُعا کی درخواست کرتا ہوں۔

احقر العباد۔ چوہدری عبدالمجید طاہر کاہلوں

ربوہ کی مرکزی مسجد ''مسجد مبارک''

دو مساجد جو کہ ہمارے محلہ میں اور ہمارے گھر کے قریب تھیں ''مسجد لطیف'' اور ''مسجد انوار'' میری کوشش یہی ہوا کرتی تھی کہ کوئی ایک نماز مسجد لطیف میں اور ایک نماز مسجد انوار میں ادا کروں اور بقیہ نمازیں مسجد مبارک میں جا کر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے پیچھے ادا کروں۔ میری پوری کوشش ہوتی تھی کہ فجر اور عشاء کی نماز ہر حال میں مسجد مبارک میں جا کر ادا کروں اور اکثر اوقات مغرب کی نماز بھی مسجد مبارک میں ادا کرتا تھا۔ تا کہ مسجد مبارک میں حضرت خلیفۃ المسیح کے پیچھے نماز پڑھنے کی برکت نصیب ہو جس کا بڑا فائدہ مرکزی مسجد میں بزرگان سلسلہ اور علماء سے ملاقات اور صحبت صالحین کا موقع بھی ملتا رہے۔ جس کی حظ اور برکت اب تک محسوس کرتا ہوں۔ مسجد مبارک میں باقاعدگی دیکھ کر مجھے مجلس خدام الاحمدیہ حلقہ مسجد مبارک کا باقاعدہ ممبر بنا لیا گیا۔ یعنی تجنید میں شامل کر لیا گیا۔

نماز مغرب کے وقت مسجد مبارک میں خوب حاضری ہوتی۔ محترم سید میر داؤد احمد صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ نے طلباء کو نصیحت کر رکھی تھی کہ کم از کم ایک نماز مسجد مبارک میں ادا کیا کریں۔ جس کی وجہ سے طلباء جامعہ احمدیہ کی ایک کثیر تعداد نماز مغرب کے وقت موجود ہوتی تھی اور نماز مغرب کے وقت خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور علماء سلسلہ اور بزرگان احمدیت کی بھی کثیر تعداد میں حاضری ہوتی تھی۔

نماز فجر کے وقت گرمی ہو یا سردی، آندھی ہو یا بارش خواہ کیسا ہی موسم ہو خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے افراد نوجوان بچوں میں صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب، سید قمر سلیمان احمد صاحب، سید خالد احمد شاہ صاحب بمعہ برادران صاحبزادہ مرزا عبدالصمد احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا طیب احمد صاحب، سید میر محمود احمد صاحب کے ساتھ ان کے دو صاحبزادے بھی حاضر ہوتے تھے۔ اگرچہ نمازوں میں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نوجوان اور بچے مسجد مبارک میں کثیر تعداد میں حاضر ہوتے لیکن فجر کی نماز کے وقت باقاعدگی میں صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب اور سید قمر سلیمان احمد صاحب سب سے پہلے نظر آتے تھے۔ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب سرگودھا روڈ کے ساتھ ساتھ کچی سڑک پر سیر کرتے ہوئے احمد نگر تک چلے جاتے تھے۔ مجھے بھی ان کے ساتھ رفاقت کا شرف حاصل ہوتا۔ ایک دفعہ سیر کے دوران مجھ سے دریافت کیا کہ آپ مستقبل میں کیا کرنا چاہتے ہو کس مضمون میں زیادہ دلچسپی ہے۔ تو میں نے انہیں بتایا کہ میں لاء کرنا چاہتا ہوں یا جرنلسٹ بننا چاہتا ہوں، صحافت میں بھی دلچسپی ہے۔ سیر کے دوران آتے جاتے حضرت سید میر داؤد احمد صاحب بھی نظر آتے تھے۔

جب میں نے صاحبزادہ صاحب سے سوال کیا کہ آپ کیا بننا چاہتے ہیں (یہ ان دنوں کی بات ہے جب آپ فسٹ ایئر ٹی آئی کالج میں داخل ہوئے تھے) تو آپ نے میرے اصرار کے باوجود کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے۔ میں نے اس وقت خیال کیا کہ آپ کا اس سوال کا جواب نہ بتانا بھی کوئی حکمت ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ادب کا تقاضہ یہی ہے کہ بار بار اصرار نہ کیا جائے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب کے والد محترم حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرف بہت توجہ تھی۔ جب آپ

میٹرک میں تھے تو ماسٹر عبدالرحمن صاحب بنگالی اتالیق کو بعض مضامین میں تیاری کیلئے ان کی خدمات حاصل کی تھیں۔ ان کے علاوہ ٹی آئی ہائی سکول اور کالج کے بہت سے اساتذہ کا تعلیم و تربیت کے ضمن میں کردار ہے جن کے اسماء کی فہرست طویل ہے۔ آپ بچوں کو ہمیشہ محنت جفاکش اور دین کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنے کی طرف متوجہ کرتے۔ جلسہ سالانہ اور اجتماعات کے موقعہ پر آپ ہمیشہ اپنے والد محترم کے قدم بہ قدم ہوتے تھے۔ فسٹ ایئر میں داخل ہونے کے چند ماہ بعد آپ کو آپ کے والد محترم نے سائیکل لے کر دی کہ سائیکل پر کالج جایا کریں۔ لیکن چند ماہ بعد کالج سے ہی سائیکل کہیں گم ہوگئی تو آپ کے والد محترم نے آپ کو کہا کہ شاید آپ نے سائیکل کا خیال نہیں رکھا اس لئے گم ہوگیا ہے۔ اب کچھ عرصہ پیدل کالج جایا کرنا تاکہ کچھ مشقت کی عادت ہو۔

گندم کی تقسیم:

حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب بحیثیت ناظر اعلیٰ و امیر مقامی کی زیر نگرانی کارکنان صدر انجمن احمدیہ کو سال بھر کیلئے گندم کی تقسیم کا انتظام سپرد تھا۔ جب ہر سال حضرت صاحبزادہ صاحب کے گھر کے سامنے چھوٹے سے گراؤنڈ میں گندم کا سٹاک اکٹھا ہوتا تو اپنے والد محترم کے ہمراہ دن بھر سارے انتظامات کی نگرانی کرتے تھے۔ خدام الاحمدیہ مقامی اور مرکزی عہدوں پر بھی آپ اپنے مفوضہ فرائض اور ذمہ داریاں احسن رنگ میں ادا کرتے تھے۔

کرکٹ:

آپ کے گھر کے سامنے اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھروں کے درمیان جہاں گندم کا سٹاک اکٹھا ہوتا تھا اس چھوٹے سے گراؤنڈ میں خصوصاً گرمیوں کے دنوں میں بعد نماز عصر کبھی کبھی کرکٹ کھیلنے کا اہتمام بھی ہوتا تھا۔ صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب کے علاوہ مکرم منیر الدین شمس صاحب اور مکرم صلاح الدین احمد صاحب مشیر قانونی و ناظم جائیداد صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے صاحبزادے جواب جرمنی میں مقیم ہیں اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بچے صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب ابن صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا عمر احمد صاحب ابن صاحبزادہ مرزا منور احمد اور چند دوسرے خاندان کے بچے اور دوسرے خدام بھی ہوتے تھے جن کے نام اب یاد نہیں۔ خاکسار صرف دور کھڑا حوصلہ افزائی کرنے والوں میں ہوتا تھا۔

باسکٹ بال:

کبھی کبھی مجلس خدام الاحمدیہ حلقہ مسجد مبارک جن میں زیادہ تر خدام خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نوجوانوں پر مشتمل تھی دو ٹیمیں بن جایا کرتی تھیں۔ ایک ٹیم کے کیپٹن صاحبزادہ مرزا القمان احمد صاحب اور دوسری ٹیم کے کیپٹن سید خالد احمد شاہ صاحب ہوتے تھے اور میں مکرم سید خالد احمد شاہ صاحب کی ٹیم میں ہوتا تھا۔ کھیلوں میں خوب لطف اندوز ہوتے۔ جب بھی کھیلوں کیلئے اکٹھے ہوتے تھے تو بے حد مزا آتا تھا۔ جس کی یادیں اب تک موجود ہیں۔ صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا عمر احمد صاحب ابن صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب بھی مختلف کھیلوں میں ہمارے ساتھ ہوتے تھے۔

رات کو پہرہ دینے کی ڈیوٹی:

ربوہ کے دوسرے محلوں کی طرح حلقہ مسجد مبارک اور دارالصدر جنوبی کے خدام کی رات کو محلہ کے مختلف حصوں میں پہرہ دینے کی ڈیوٹیاں لگتی تھیں جن میں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دوسرے نوجوانوں کی طرح صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب بھی پیش پیش ہوتے تھے۔ ایک رات کا واقعہ ہے جب پہرہ کی ڈیوٹی دیتے دیتے ہم تھک گئے اور نیند کا شدید غلبہ ہوا تو ہم نے سوچا کہ چائے بنانے کی ایک ایک چیز ہر کوئی اپنے گھر سے لے آئے اور سڑک کے کنارے آگ جلا کر چائے بنائی جائے اور تازہ دم ہو کر فجر کی نماز ادا کر کے ڈیوٹی ختم کی جائے۔ صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب کے ساتھ بچپن میں گزارے ہوئے لمحات اب بھی اچھی طرح یاد ہیں۔

مکرم عبدالرحمن صاحب اور مکرم حفیظ الرحمن انور صاحب جو کہ جرمنی میں مقیم ہیں اور تیسرے مکرم ارشد شہباز صاحب۔ یہ تینوں دوست بھی ہماری مجلس کے سرگرم رکن تھے۔ کیا اس وقت کوئی تصور کرسکتا تھا کہ صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب پر خلافت کی عظیم ذمہ داری پڑے گی۔ یہ صرف خدائی انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ پیارے آقا کو صحت و عافیت والی درازی عمر عطا فرمائے اور ہر قدم پر اپنی خاص تائید و نصرت سے نوازے اور آپ کے تمام مقاصد دینیہ میں عظیم کامیابیاں عطا فرماتا رہے آمین۔ 1968ء میں محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب زعیم مجلس خدام الاحمدیہ حلقہ مسجد مبارک کے فرائض بھی ادا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے حفیظ الرحمن انور اور سید خالد احمد شاہ باری باری منتظم مال خدام الاحمدیہ حلقہ مسجد مبارک دارالصدر جنوبی مقرر ہوئے تھے۔ خاں محمد صاحب کے بیٹے نیک محمد منتظم اطفال تھے جو کہ آجکل آسٹریلیا ہوتے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی شفقت:

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کا وجود بے پناہ محبت شفقت کا تھا۔ اپنے ادنیٰ ترین خدام سے جس قدر محبت تھی اس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ زندگی بھر اپنی جماعت سے انسانیت سے محبت کرنے والے وجود کی باتیں لکھنے بیٹھ جائیں تو شاید کئی ضخیم کتابیں مرتب ہو جائیں۔ ایک دفعہ غالباً رمضان کے آخری ایام تھے خاکسار عشاء کی نماز مسجد مبارک میں ادا کر کے قصر خلافت کے بیک سائڈ والے دروازے سے ابھی چند قدم ہی آگے بڑھا تھا تو اچانک میری طبیعت خراب ہوگئی۔ تھوڑی دیر میں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چند افراد وہاں پہنچ گئے اور صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب بھی آ گئے۔ انہوں نے کچھ طبیعت ٹھیک ہونے پر اپنی کار کے ذریعے مجھے اپنے گھر دارالصدر شمالی میں پہنچایا۔

دوسرے دن صبح فجر کی نماز کے بعد مسجد مبارک میں حضورؒ نے فرمایا کہ کل رات کو میرے بچوں کے ذریعہ پتہ چلا کہ مبشر کی طبیعت نماز عشاء کے بعد گھر جاتے ہوئے خراب ہوگئی تھی۔ میں رات کو اس کے لئے بہت دعا کرتا رہا ہوں۔ اگر حاضرین میں سے کسی کو ان کے گھر کا علم ہے تو ان کی خیریت کا پتہ کر کے بتائے۔ مکرم خواجہ عبد الغفار ڈار صاحب اور مکرم احمد صادق صاحب طالب علم جامعہ احمدیہ نے ہاتھ کھڑا کیا کہ حضور ہمیں علم ہے اس کام کیلئے ہم حاضر ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد مکرم عبدالغفار ڈار، مکرم احمد صادق صاحب بھی ہمارے گھر عیادت کیلئے حضور کے ارشاد کی تعمیل میں تشریف لائے اور چند گھنٹوں کے بعد صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب بھی عیادت کرنے اور خیریت پوچھنے تشریف لے آئے اور حضورؒ کی خدمت میں خیریت کی اطلاع دی۔

حضور کا معمول یہ تھا کہ فجر کی نماز کے بعد ربوہ، سے باہر احمد نگر کے گرد ونواح سیر کیلئے تشریف لے جاتے کبھی عصر کی نماز کے بعد بھی تشریف لے جاتے تو واپسی پر مجھے مسجد مبارک جاتے ہوئے یا واپس آتے ہوئے اپنی کار میں بیٹھے ہاتھ ہلا کر مسکراتے ہوئے سلام کا جواب دیتے۔ اپنے ادنیٰ ترین خداموں کو دیکھ کر کار کو آہستہ کروا کر قریب سے ہاتھ ہلا کر مسکراتے تو اچانک حضور کو دیکھ کر خوشی کی انتہا ہو جاتی۔ حضور سے انفرادی ملاقات کا شرف بھی شرف رہتا اور قصر خلافت کے آگے سے گزرتے ہوئے دعا کی درخواست پر مشتمل خط پرائیویٹ سیکرٹری کے لیٹر بکس میں ڈال دیتا اور بوقت ملاقات حضور ارشاد فرماتے کہ آپکا خط باقاعدہ ملتا ہے اور آپ کیلئے دعائیں کرتا ہوں۔

ربوہ میں قیام کے دوران صاحبزادہ امجد لطیف صاحب کے علاوہ جن چند اور دوستوں سے میری شناسائی رہی اور اب بھی اسی طرح ہے۔ ان میں لئیق احمد عابد صاحب، جلیل الرحمٰن جمیل صاحب، عبد الکریم خالد صاحب اور سید خالد احمد شاہ صاحب اللہ تعالیٰ ان سب دوستوں کو ہمیشہ سلامت رکھے اور ہمیشہ شاد باد رہیں۔ اگر چہ دور دراز ملکوں اور علاقوں میں ہونے کی وجہ سے ملاقات کم ہوتی ہے۔

پیر محل والے بچپن کے دوست منور احمد کنڈے بچپن میں ہی اپنے والد محترم کے پاس والسل انگلینڈ شفٹ ہو گئے۔ ان کا ربوہ والا گھر چوہدری شاہنواز صاحب کی کوٹھی کے قریب تھا۔ ان کے چھوٹے بھائیوں مظفر اور مبشر سے بھی ملاقات رہی ان کا گھر دارالصدر غربی کی حدود میں آتا تھا۔ لیکن مسجد انوار ان کے گھر کے قریب تھی چند سال کے بعد یہ دونوں بھائی بھی والسل انگلینڈ شفٹ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سب کو صحت و سلامتی سے رکھے آمین۔

محترم مولوی عبد الرحمن انور صاحب پرائیویٹ سیکرٹری کے گھر مکرم سید اقبال حسین شاہ صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر آف ٹوبہ ٹیک سنگھ ہم چند دوستوں کو مغرب کی نماز کے بعد امتحانات کی تیاری کے سلسلہ میں پڑھایا کرتے تھے۔ ان طلباء میں مکرم حفیظ الرحمن انور، مکرم مولوی عبدالرحمن انور، مکرم عبدالکریم خالد اور خاکسار شہزادہ قمر الدین مبشر ایک دو اور طالب علم بھی ہوا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ خاکسار اور مکرم سید خالد احمد شاہ صاحب، مکرم صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب کے سسر محترم سید عبدالجلیل شاہ صاحب سے بھی صاحبزادہ صاحب کے گھر بعض مضامین پڑھا کرتے تھے۔ پرانے دوست اور پرانی بچپن کی یادیں خواب کی طرح آنکھوں کے آگے آتی رہتی ہیں۔

میٹرک کے امتحان کے بعد فارغ وقت میں خلافت لائبریری میں اخبارات رسائل اور دینی کتب کے مطالعہ میں خوب وقت گزرتا۔ ان دنوں مکرم مولوی محمد صدیق صاحب خلافت لائبریری کے انچارج ہوا کرتے تھے۔ چند ماہ شعبہ تاریخ احمدیت کے دفتر میں محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب کے دفتر میں حضرت خلیفۃ المسیح کے خطبات اور تقاریر اور بہت سی جماعتی کتب کی پروف ریڈنگ کا کام کرنے کی سعادت بھی پائی۔ میرے علاوہ محترم مولانا صاحب کے دفتر میں جامعہ احمدیہ کا کوئی طالب علم یا مربی سلسلہ بھی موجود ہوتا۔

ربوہ رہے کعبہ کی بڑائی کا دُعا گو
ربوہ کو پہنچتی رہیں کعبہ کی دُعائیں

***

”پردہ“ احمدی عورت کی شان

(ندیم احمد فرخ)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ پردہ کی تعلیم تمام عورتوں تک پہنچا دیں اور اس حکم کے ساتھ ساتھ خدا تعالیٰ نے پردے کو مسلمان عورتوں کی پہچان قرار دیا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

(ترجمہ) اے نبی! تو اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دے کہ وہ اپنی چادروں کو اپنے اُوپر جُھکا دیا کریں۔ یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچانی نہ جائیں اور انہیں تکلیف نہ دی جائے اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ (الاحزاب:60)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

”اس آیت میں پردے کا جو حکم دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پردے کے ذریعہ غیر مسلم عورتوں کے بالمقابل مسلمان عورتوں کی ایک پہچان رکھی گئی ہے۔ ورنہ یہود کہہ سکتے تھے کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ یہ مسلمان عورت ہے اس لئے ہم نے اسے چھیڑا۔“

(ترجمۃ القرآن از حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ صفحہ 741)

پھر خدا تعالیٰ سورۃ النور میں نبی کریم ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے مزید فرماتا ہے۔ (ترجمہ) اور مومن عورتوں سے کہہ دے کہ وہ اپنی آنکھیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کیا کریں سوائے اس کے کہ جو اس میں سے ازخود ظاہر ہو اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈال لیا کریں اور اپنی زینتیں ظاہر نہ کیا کریں مگر اپنے خاوندوں کے لئے یا اپنے باپوں یا اپنے خاوندوں کے باپوں یا اپنے بیٹوں کے لئے یا اپنے خاوندں کے بیٹوں کے لئے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے لئے یا اپنی بہنوں کے بیٹوں یا اپنی عورتوں یا اپنے زیرنگیں مردوں کے لئے یا مردوں میں ایسے خادموں کے لئے جو کوئی (جنسی) حاجت نہیں رکھتے یا ایسے بچوں کے لئے جو عورتوں کی پردہ دار جگہوں سے بے خبر ہیں اور وہ اپنے پاؤں اس طرح نہ ماریں کہ (لوگوں پر) وہ ظاہر کر دیا جائے جو (عورتیں عموماً) اپنی زینت میں سے چھپاتی ہیں اور اے مومنوں! تم سب کے سب توبہ کرتے ہوئے اللہ کی طرف جھکو تا تم کامیاب ہو جاؤ۔

(النور:32)

نبی کریم ﷺ نے اپنے اس کام کو خوب انجام دیا ہے اور آپ ﷺ نے یہ پیغام پہنچا بھی دیا اور اپنے اقوال و افعال سے پردے کے حکم کی پورے طور پر وضاحت بھی کر دی۔ ذیل میں اس حوالہ سے چند ایک احادیث درج ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

حد سے بڑھی ہوئی بے حیائی انسان کو بدنما بنا دیتی ہے اور شرم و حیا انسان کو خوشنما و خوبصورت اور باوقار بنا دیتی ہے۔

(ترمذی ابواب البر والصلۃ)

امّ المومنین حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں میں اور حضرت میمونہؓ آنحضرتؐ کے پاس تھے۔ ایک نابینا صحابی ابن ام مکتومؓ حاضر ہوئے۔ حضور نے ہم دونوں کو ان سے پردہ کرنے کا حکم فرمایا۔ میں نے عرض کی کیا وہ نابینا نہیں جو ہمیں دیکھ ہی نہیں سکتا؟ حضورؐ نے فرمایا ”کیا تم دونوں بھی نابینا ہو کہ اس کو دیکھ نہیں سکتیں۔“

(مشکوۃ المصابیح کتاب النکاح باب النظر الی المخطوبۃ و بیان العورات)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

دوزخیوں کے دو گروہ ایسے ہیں کہ ان جیسا میں نے کسی گروہ کو نہیں دیکھا۔ ایک وہ جن کے پاس بیل کی دموں کی طرح کوڑے ہوتے ہیں جن سے وہ لوگوں کو مارتے پھرتے ہیں اور دوسرے وہ عورتیں جو کپڑے تو پہنتی ہیں مگر حقیقت میں وہ ننگی ہوتی ہیں۔ ناز سے لچکیلی چال چلتی ہیں لوگوں کو اپنی طرف

مائل کرنے کے لئے جتن کرتی پھرتی ہیں۔ بختی اونٹوں کی کوہانوں کی طرح اُن کے سر ہوتے ہیں ان میں سے کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگی اور اس کی خوشبو تک نہ پائے گی۔ حالانکہ اس کی خوشبو دُور کے فاصلے سے بھی آسکتی ہے۔

(مسلم کتاب اللباس)

اور یہی تعلیم اِس زمانے کے حصنِ حصین حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی موعودؑ نے دی ہے جو درحقیقت قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی ہی تعلیم ہے۔

حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں۔

’’یورپ کی طرح بے پردگی پر بھی لوگ زور دے رہے ہیں لیکن یہ ہرگز مناسب نہیں۔ یہی عورتوں کی آزادی فسق و فجور کی جڑ ہے۔ جن ممالک نے اس قسم کی آزادی کو روا رکھا ہے۔ ذرا اُن کی اخلاقی حالت کا اندازہ کرو۔ اگر اس کی آزادی اور بے پردگی سے ان کی عفت اور پاکدامنی بڑھ گئی ہے تو ہم مان لیں گے کہ ہم غلطی پر ہیں لیکن یہ بات بہت ہی صاف ہے کہ جب مرد اور عورت جوان ہوں اور آزادی اور بے پردگی بھی ہو تو ان کے تعلقات کس قدر خطرناک ہوں گے۔ بدنظر ڈالنی اور نفس کے جذبات سے اکثر مغلوب ہو جانا انسان کا خاصہ ہے پھر جس حالت میں کے پردہ میں بے اعتدالیاں ہوتی ہیں اور فسق و فجور کے مرتکب ہو جاتے ہیں تو آزادی میں کیا کچھ نہ ہوگا۔‘‘

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 104)

پھر حضرت مسیح موعودؑ اپنی شہرہ آفاق کتاب ’’اسلامی اصول کی فلاسفی‘‘ میں فرماتے ہیں۔

’’خدا تعالیٰ نے عفت کے حاصل کرنے کے لئے صرف اعلیٰ تعلیم ہی نہیں فرمائی بلکہ انسان کو پاک دامن رہنے کے لئے پانچ علاج بھی بتا دیئے ہیں۔ یعنی یہ کہ اپنی آنکھوں کو نامحرم پر نظر ڈالنے سے بچانا۔ کانوں کو نامحرم کی آواز سننے سے بچانا۔ نامحرموں کے قصّے نہ سننا اور ایسی تمام تقریروں سے جن میں اس بدفعل کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو اپنے تئیں بچانا۔ اگر نکاح نہ ہو تو روزہ رکھنا وغیرہ۔ اس جگہ ہم بڑے دعویٰ کے ساتھ کہتے ہیں کے یہ اعلیٰ تعلیم ان سب تدبیروں کے ساتھ جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں صرف اسلام کا ہی خاصہ ہے۔‘‘ (اسلامی اصول کی فلاسفی۔ روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 343)

پھر فرمایا۔

’’اسلامی پردہ کی یہی فلاسفی اور یہی ہدایت شرعی ہے۔ خدا کی کتاب میں پردہ سے یہ مراد نہیں کہ عورتوں کو فقط قیدیوں کی طرح حراست میں رکھا جائے۔ یہ ان نادانوں کا خیال ہے جن کو اسلامی طریقوں کی خبر نہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ عورت اور مرد دونوں کو آزاد نظر اندازی اور اپنی زینتوں کے دکھانے سے روکا جائے۔ کیونکہ اس میں مرد و عورت دونوں کی بھلائی ہے‘‘

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 344)

اسلام کی یہ خوبصورت تعلیم جو کہ پردہ کے متعلق ہے قرآن کریم، احادیث رسول کریم ﷺ اور پھر حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے اسی تعلیم کو خلفائے احمدیت نے اپنے اپنے دَور میں خوب وضاحتوں کے ساتھ آگے پہنچایا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرماتے ہیں۔

’’گھونگٹ کا پردہ بہ نسبت اس پردہ کے جو آج کل ہمارے ملک مین رائج ہے، سے زیادہ محفوظ تھا...... بہر حال ہر ایک کو کوشش کرنی چاہئے کہ وہ دینی احکام پر عمل کرے (چہرے کا پردہ کرے) اور اگر کہیں اس عمل میں کمزوری پائے جاتی ہے تو اُسے دُور کرے۔‘‘

(الفضل 5 اپریل 1960ء)

آپؓ فرماتے ہیں۔

’’اگر کسی حسین پر پہلی نظر پڑ جائے تو تم دوبارہ اس پر ہرگز نظر نہ ڈالوں اس سے تمہارے قلب میں ایک نور پیدا ہوگا۔‘‘

(حقائق الفرقان جلد 3 صفحہ 213)

حضرت مصلح موعودؓ پردہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

’’شرعی پردہ جو قرآن کریم سے ثابت ہے یہ ہے کہ عورت کے بال گردن اور چہرہ کانوں کے آگے تک ڈھکا ہوا ہو۔ اس حکم کی تعمیل میں مختلف ممالک میں اپنے حالات اور لباس کے مطابق پردہ کیا جاسکتا ہے۔‘‘

(الفضل 8 نومبر 1924)

پھر فرمایا۔ ’’وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اسلام میں منہ چھپانے کا حکم نہیں ان سے

ہم پوچھتے ہیں کہ قرآن کریم تو کہتا ہے کہ زینت چھپاؤ اور سب سے زیادہ زینت کی چیز چہرہ ہی ہے۔اگر چہرہ چھپانے کا حکم نہیں تو پھر زینت کیا چیز ہے جس کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔''

(تفسیر کبیر جلد 6 صفحہ 301)

پھر فرمایا۔''جو چیز منع ہے وہ یہ ہے کہ عورت کھلے منہ نہ پھرے اور مردوں سے اختلاط نہ کرے۔ہاں اگر وہ گھونگٹ نکال لے اور آنکھوں سے راستہ دیکھے تو یہ جائز ہے لیکن منہ سے کپڑا اٹھا دینا یا مکسڈ (Mixed) پارٹیوں میں جانا جبکہ اِدھر بھی مرد بیٹھے ہوں اور اُدھر بھی مرد بیٹھے ہوں اور ان کا مردوں سے بے تکلفی کے ساتھ غیر ضروری باتیں کرنا یہ ناجائز ہے''

(تفسیر کبیر جلد 6 صفحہ 304)

ایک اور موقع پر فرمایا۔

''پردہ چھوڑنے والا قرآن کی ہتک کرتا ہے ایسے انسان سے ہمارا کیا تعلق۔وہ ہمارا دشمن ہے اور ہم اس کے دشمن اور ہماری جماعت کے مردوں اور عورتوں کا فرض ہے کہ وہ ایسے احمدی مردوں اور ایسی احمدی عورتوں سے تعلق نہ رکھیں''(الفضل 27 جون 1958)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ پردہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

''پردہ کا حکم عورتوں کو بُرے لوگوں کے شر سے بچانے کے لئے دیا گیا ہے۔اس کا مقصد ان کے لئے تنگی نہیں بلکہ آسانی پیدا کرنا ہے۔قرآن تو عورتوں کو دوسروں کے شر سے بچانا چاہتا ہے۔''

(دورہ مغرب 1980 صفحہ 51)

ایک اور موقع پر فرمایا۔

''قرآن نے پردہ کا حکم دیا ہے انہیں (احمدی مستورات کو) بہرحال پردہ کرنا پڑے گا یا وہ جماعت چھوڑ دیں کیونکہ ہماری جماعت کا موقف ہے کہ قرآن کریم کے کسی حکم سے تمسخر نہیں کرنے دیا جائے گا نہ زبان سے نہ عمل سے۔اسی پر دُنیا کی ہدایت اور حفاظت کا انحصار ہے۔''

(الفضل 25 نومبر 1978)

ایک اور موقع پر فرمایا۔

''میں ایسی خواتین سے جو پردہ کو ضروری نہیں سمجھتیں پوچھتا ہوں کہ انہوں نے پردہ کو ترک کر کے اسلام کی کیا خدمت کی......آج بعض یہ کہتی ہیں پردہ نہ کرنے کی اجازت دی جائے......پھر کہیں گی ننگ دھڑنگ سمندر میں نہانے اور ریت پر لیٹنے کی اجازت دی جائے۔میں کہوں گا پھر تمہیں دوزخ میں جانے کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے......وہ اپنے آپ کو ٹھیک کر لیں قبل اس کے کہ خدا کا قہر نازل ہو۔''(دورہ مغرب 1980 صفحہ 238)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں۔

''میں نے یہ محسوس کیا ہے اور بڑی شدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ تحریک ڈالی ہے کہ احمدی مستورات بے پردگی کے خلاف جہاد کا اعلان کریں۔کیونکہ اگر آپ نے بھی یہ میدان چھوڑ دیا تو پھر دنیا میں اور کون سی عورتیں ہوں گی جو اسلامی اقدار کی حفاظت کے لئے آگے آئیں گی۔''

(الفضل 28 فروری 1983ء)

ہمارے پیارے امام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہُ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بھی بار بار اپنے خطبات وخطابات میں پردہ کی اہمیت ہم پر واضح فرمائی ہے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

''مکس گیدرنگ (Mix Gathrering) میں مَیں نے کھانے کی اجازت نہیں دی۔کھانے پینے کے علاوہ اگر پورے پردے میں ہوں تو پھر صرف بیٹھنے کی اجازت ہے۔کھانے پینے کی ہرگز نہیں۔کھانے کے وقت پردہ میں سکرین میں جاکے پردہ میں کھانا کھائیں۔اس اعتراض سے ڈر کر ہم نے اسلامی تعلیم کا حکم ختم نہیں کر دینا۔سوال یہ نہیں کوئی دیکھتا ہے یا نہیں۔سوال یہ ہے کہ حجاب ختم ہو جاتا ہے۔مکس (Mix) ہونے کی جو روک ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔جب یہ روک ختم ہو جاتی ہے تو پھر دوستیاں ہو جاتی ہیں اور خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔''

(دورۂ جرمنی 2009ء لجنہ اماء اللہ کو ہدایات۔الفضل انٹرنیشنل 29 جنوری 2009ء)

فرمایا۔''بعض جگہوں پر ہمارے ہاں شادیوں وغیرہ پر لڑکوں کو کھانا سرو (Serve) کرنے کو بلا لیا جاتا ہے...... اور کہا جاتا ہے چھوٹی عمر والے ہیں حالانکہ چھوٹی عمر والے جن کو کہا جاتا ہے وہ بھی کم از کم 17، 18 سال کی عمر کے ہوتے ہیں۔ بہرحال بلوغت کی عمر کو ضرور پہنچ گئے ہوتے ہیں۔ وہاں شادیوں پر جواں بچیاں پھر رہی ہوتی ہیں اور پھر پتہ نہیں جو بلائے جاتے ہیں کس قماش کے ہیں...... پاکستان میں تو میں نے دیکھا ہے کہ عموماً یہ لڑکے تسلی بخش نہیں ہوتے......عورتوں کے حصے میں......عورتوں کا انتظام ہونا چاہیے''

(خطبہ جمعہ 30 جنوری 2004ء۔خطبات مسرور جلد 2 صفحہ 87)

ہمارے پیارے امام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہُ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مکرمہ صدر صاحبہ لجنہ اماء اللہ ربوہ کو ایک خط میں بعض ہدایات دیتے ہوئے فرمایا۔

''برقعوں میں بھی حد سے زیادہ فیشن کو بھی ختم کریں۔ ہر اجلاس میں احمدی بچی کا مقام اس کو بتائیں۔ مجھے زیادہ بڑے بڑے کام نہیں چاہئیں۔ ان باتوں پر دھیان دیں۔ نمازوں کی عادت، پردہ کی پابندی، اولاد کی تربیت اور فیشن کی اندھا دُھند تقلید سے بچنا۔ ان تمام پہلوؤں کے حوالے سے جائزہ لیں۔ آپ کے پاس کوائف ہونے چاہئیں۔''

(روزنامہ الفضل 12 مارچ 2005ء)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہُ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

''پردہ ایک اسلامی حکم بھی ہے اور ایک احمدی عورت اور نو جوان لڑکی کی شان بھی اور اس کا تقدس بھی ہے اور کیونکہ احمدی عورت کا تقدس بھی اسی سے قائم ہے اس کو قائم رکھنا ضروری ہے۔''

(خطاب بر موقع اجتماع لجنہ اماء اللہ یو۔کے 19 نومبر 2006ء)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کریم وحدیث اور حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے خلفاء کے ارشادات کے مطابق پردے کا خصوصی اہتمام کرنے اور کروانے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ اسی سے ہماری دُنیا و آخرت کی بھلائی وابستہ ہے۔

مرحوم کی طرف سے صدقہ دینا

میت کی طرف سے اسے ثواب پہنچانے کی خاطر اگر صدقہ کیا جائے تو یہ جائز ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا بیان کرتی ہیں:۔

ایک شخص نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میری ماں کی جان اچانک نکل گئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اگر وہ بولتی تو ضرور صدقہ کرتی۔ اب اگر میں اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کا ثواب اسے ملے گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

(بخاری کتاب الجنائز باب موت الفجاۃ البغتۃ)

ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ وفات یافتہ بزرگوں کی طرف سے صدقہ یا قربانی کرنے کا ثواب اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔ جو شخص ایصالِ ثواب کی غرض سے مرحومین کی طرف سے صدقہ یا قربانی کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کو قبول فرماتے ہوئے اس کا ثواب ان کو پہنچا دے گا بغیر اس کے کہ صدقہ کرنے والے کے اجر میں سے کچھ کم ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سوال ہوا کہ دیہات میں دستور ہے شادی غمی کے موقعہ پر ایک قسم کا خرچ کرتے ہیں۔ کوئی چوہدری مر جاوے تو تمام مسجدوں، دواروں و دیگر کمینوں کو بحصہ رسدی کچھ دیتے ہیں اس کی نسبت حضور کا کیا ارشاد ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ

''طعام جو کھلایا جاوے۔ اس کا مردہ کو ثواب پہنچ جاتا ہے۔ گو ایسا مفید نہیں جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں خود کر جاتا۔''

عرض کیا گیا۔ حضور وہ خرچ وغیرہ کمینوں میں بطور حق الخدمت تقسیم ہوتا ہے۔ فرمایا:''تو پھر کچھ حرج نہیں۔ یہ ایک علیحدہ بات ہے۔ کسی کی خدمت کا حق تو دے دینا چاہئے۔'' عرض کیا گیا:''اس میں فخر وریاء تو ضرور ہوتا ہے۔ یعنی دینے والے کے دل میں یہ ہوتا ہے کہ مجھے کوئی بڑا آدمی کہے۔''

فرمایا:''بہ نیت ایصال ثواب تو پہلے ہی وہ خرچ نہیں، حق الخدمت ہے۔ بعض ریاء شرعاً بھی جائز ہیں۔ مثلاً چندہ وغیرہ نماز باجماعت ادا کرنے کا جو حکم ہے تو اسی لئے کہ دوسروں کو ترغیب ہو۔ غرض اظہار و اخفاء کے لئے موقع ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ شریعت سب رسوم کو منع نہیں کرتی۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر ریل پر چڑھنا تار وڈاک کے ذریعہ خبر منگوانا سب بدعت ہو جاتے۔''

(بدر 17 جنوری 1907ء صفحہ 4)



میرا پیارا محبوب

جمیل احمد بٹ

دنیا بھر کے ان سب عشق کے ماروں کی طرح جن کی جان خلیفۂ وقت میں ہے۔ جن کا ہر سکھ اور تسکین اس تعلق سے جڑا ہوا ہے۔ جو کبھی اس کی ملاقات اور دید سے سیر نہیں ہوتے۔ جو اپنے ہر خوشی اور غم میں سب سے پہلے اسے اپنا شریک کرتے ہیں۔ جو اپنے ہر دکھ کے مداوا کے لئے جہاں خود اللہ کو پکارتے ہیں وہیں اس کو بھی واسطہ کرتے ہیں۔ جو اس کی طرف کان لگائے رکھتے ہیں اور بساط بھر اس کی باتوں کو وردِ جان کرتے ہیں۔ جو تجربہ سے یہ جانتے ہیں کہ خلیفۂ وقت ان پر ایک گھنے سایہ دار درخت کی طرح سایہ فگن ہے۔

عشق کی راہیں:

جو اپنے بچوں کو بھی اسی راہ پر چلاتے ہیں۔ جیسے ایم ٹی اے پر دیکھی جانے والی وہ خاتون جو کسی دور دراز ملک میں خلیفۂ وقت کی گاڑی کے ساتھ ساتھ دوڑتی ہوئی کوشاں تھی کہ گود میں اٹھائے بچے کا چہرہ کسی طرح ان کی طرف موڑے رکھے۔ اور ان ماؤں کے گودوں میں پلنے والے وہ بچے جو بولنا سیکھتے ہیں تو ان کے ابتدائی لفظوں میں لفظ حضور بھی شامل ہوتا ہے۔ اور وہ بڑے جو بڑے اجتماعات میں گھنٹوں خلیفہ کے سامنے بیٹھ رہنے کے بعد بھی اختتام پر بچوں کی طرح کرسیوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں یا دوڑ کر پنڈال سے باہر ہجوم کرتے ہیں تا کہ دید کے کچھ اور لمحات میسر آ جائیں۔

خون میں دوڑتی محبت:

ان سب کی طرح خلیفۂ وقت میرا بھی پیارا محبوب ہے۔ سب احمدیوں کی طرح خلیفہ سے محبت میری سرشت میں ہے۔ یہ میرے وجود کا حصہ ہے۔ یہ محبت میرے خون میں دوڑتی ہے۔

محبت کا سبق:

محبت کا یہ وہ سبق ہے جو میں نے بار بار سیکھا ہے۔

اللہ سے: سب سے پہلے اللہ سے جو خود وَدُود ہے اور بنی نوع سے ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ اور جس نے ہمیں محبت کی یہ تعلیم دی:

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ (بقرہ ۱۶۶:۲)

ترجمہ: اور جو لوگ مومن ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ (ہی) محبت کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ سے: اور پھر اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے جو اس حکم پر اس درجہ عمل کرنے والے تھے کہ شب و روز آپ ﷺ کو اپنے رب کے عشق میں گم دیکھنے والے آپ کے مخالف بھی پکار اٹھتے

عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّہٗ کہ محمد (ﷺ) اپنے ربّ کا عاشق ہے۔

حضرت مسیح موعود سے:

اور پھر زمانہ کے امام حضرت مسیح موعود سے جنہوں نے اللہ سے اور اللہ کے نبی ﷺ سے بھی حیرت انگیز عشق کیا۔

محبت الٰہی: اللہ سے محبت میں آپ کا رنگ یہ تھا:

مرا با عشق او وقتے است معمور
چہ خوش وقتے چہ خرّم روزگارے

(حجۃ اللہ روحانی خزائن جلد نمبر ۱۲ صفحہ نمبر ۱۴۹، ایڈیشن ۲۰۰۸ء)

ترجمہ: میرا وقت اسی کے عشق سے بھرپور ہے واہ کیا اچھا وقت ہے اور کیا عمدہ زمانہ ہے۔ پھر بھی یہی تمنا کی کہ

وآنچہ می خواہم از تو نیز توئی

(براہین احمدیہ حصہ اوّل روحانی خزائن جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۱۶، ۲۰۰۸ء)

ترجمہ: اور جو چیز مَیں تجھ سے چاہتا ہوں وہ بھی تو ہی ہے۔

(درِّ ثمین فارسی مترجمہ حضرت میر محمد اسماعیل صاحب صفحہ ۲۱۸، مطبوعہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی)

اور یہ دعا کہ 'میرے دل میں اپنی خاص محبت ڈال تا کہ مجھے زندگی حاصل ہو۔' (ملفوظات جلد اوّل صفحہ نمبر ۱۵۳ مطبوعہ نظارتِ اشاعت ربوہ)

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا عشق اس درجہ کا تھا کہ ایک عارف باللہ پیر صاحب العلم نے یہ گواہی دی کہ

’خواب میں ہم نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو ہم نے سوال کیا کہ حضور مولویوں نے اس شخص (مرزا غلام احمد قادیانی صاحب) پر کفر کے فتوے دیئے ہیں اور اس کو جھٹلاتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”درعشق ما دیوانہ شدہ است“ یعنی وہ ہمارے عشق میں دیوانہ ہوا ہے‘۔

(مکتوبات احمد جلد سوم صفحہ ۲۶۲)

اطاعت سے بندھی محبت:

سب کے لئے اپنی محبت کو پانے کی راہ اللہ نے یہ مقرر فرمائی کہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آلِ عمران ۳:۳۲)

ترجمہ: تو کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو (تو) وہ (بھی) تم سے محبت کرے گا۔

اور یوں محبت کا یہ مضمون اطاعت سے بندھ گیا۔

صحابہ کی محبت:

اس حکم کے اولیں مخاطب صحابہؓ نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹ کر محبت کی۔ وہ آپ کے عشق میں گرفتار اور سرشار رہے۔ آپ کے قریب رہنے اور آپ کی باتیں سننے کے ایسے شیدائی کہ گھر بار چھوڑ کر اصحابِ صفّہ بن گئے۔ آپ کی عافیت کے ایسے طلبگار کہ یہ بھی پسند نہ کیا کہ اپنی جان کے بدلے آقا کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے۔ اپنے باپ، بھائی، بیٹے اور شوہر کی زندگی پر اس خبر کو مقدم سمجھا کہ آپ خیریت سے ہیں۔ آپ کے آگے پیچھے، دائیں بائیں حفاظتی دیوار بنے رہے اور انتہا یہ کہ جب آپ اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے تو محبت کے یہ مارے ایسے دیوانے ہوئے کہ ایک ہوش مند نے تلوار کھینچ لی کہ کوئی اس تلخ حقیقت کو زبان پر نہ لائے۔ غرض یہ کہ عشاق کا یہ ایک ایسا گروہ تھا جو اپنی مثال آپ ہے۔

صحابہ کی اطاعت:

پھر مطیع ایسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایک موقع پر دیئے گئے حکم پر زندگی بھر عامل رہے۔ (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۵ قاہرہ) اور اُس حکم پر بھی عامل ہوئے جس کے مخاطب وہ نہ تھے۔ (ابوداؤد کتاب الصلاۃ) انہوں نے اپنے عہدِ بیعت کو یہی جانا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کی اطاعت کریں گے خواہ وہ حکم انہیں پسند ہو یا نہ ہو۔ (المعجم الکبیر جلد ۸ صفحہ ۳۱۱)

حکمِ اطاعت کا سفر:

اطاعت سے محبت کا اس درس میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد اپنے امیر کو بھی شامل فرما دیا۔ جیسا کہ فرمایا:

مَنْ اَطَاعَ الْاَمِيْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِيْ وَمَنْ عَصَى الْاَمِيْرَ فَقَدْ عَصَانِيْ

(مسند احمد بن حنبل والمذکر والتذکیر از علامہ ابن ابی عاصمؒ حدیث نمبر ۲۲ صفحہ نمبر ۹۷)

ترجمہ: جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اور یوں یہ محبت اور اطاعت کا یہ سبق حضرت مسیح موعود اور آپ کے خلفاء کو پہنچا۔

حضرت مسیح موعود کی تعلیمِ محبت:

حضرت مسیح موعود نے محبت کی یہی تعلیم دی کہ

؎ کوئی رہ نزدیک تر راہِ محبت سے نہیں

(براہینِ احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ نمبر ۱۴۱ ایڈیشن ۲۰۰۸ء)

؎ عشق ہے جس سے ہوں طے یہ سارے جنگل پُر خطر

(براہینِ احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ نمبر ۱۴۰)

؎ تیر تاثیرِ محبت کا خطا جاتا نہیں
تیر اندازو نہ ہونا سست اس میں زینہار

(براہینِ احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ نمبر ۱۴۱)

آپ کی محبت: اور خود یوں محبت کی کہ ’مَیں ہمیشہ دعاؤں میں لگا رہتا ہوں اور سب سے مقدم یہی دعا ہوتی ہے کہ میرے دوستوں کو ہموم اور غموم سے محفوظ رکھے کیونکہ مجھے تو ان کے ہی افکار اور رنج غم میں ڈالتے ہیں۔“

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ نمبر ۶۶)

دوطرفہ محبت:

خلفاء کی اطاعت بھی تمام تر محبت کا مضمون ہے۔ یہ محبت دو طرفہ ہے۔ جہاں افرادِ جماعت خلفاء سے محبت کرتے ہیں وہیں خلفاء بھی افرادِ جماعت سے محبت کرتے اور اُن کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ایک ارشاد ہے:

'تمہارے لئے ایک شخص تمہارا درد رکھنے والا، تمہاری محبت رکھنے والا، تمہارے دکھ کو اپنا دکھ سمجھنے والا، تمہاری تکلیف کو اپنی تکلیف جاننے والا، تمہارے لئے خدا کے حضور دعائیں کرنے والا ہے۔۔۔تمہارا اُسے فکر ہے، درد ہے اور وہ تمہارے لئے اپنے مولیٰ کے حضور تڑپتا رہتا ہے۔'

(برکاتِ خلافت صفحہ نمبر ۵)

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز نے فرمایا:

'اللہ تعالیٰ مجھے بھی حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کی اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کا درد مجھے اپنے درد سے بڑھ کر ہو جائے'۔

(خطباتِ مسرور جلد اوّل صفحہ نمبر ۶ نظارتِ اشاعت ربوہ سنِ اشاعت ۲۰۰۵ء)

معروف کی اطاعت:

ہر معروف حکم کی اطاعت کا اقرار از خود ہر حکم کی اطاعت بن جاتا ہے کہ بیعت کرنا اپنے آپ کو بیچ دینا ہے اور بکے ہوئے غلام کے لئے آقا کے ہر حکم کی تعمیل لازمی ہے۔ پھر وہ خلیفہ جو خدا کا مقرر کردہ ہے اور تمکنت دین کے لئے قائم کیا گیا ہے کیوں کر کوئی ایسا حکم دے سکتا ہے جو معروف نہ ہو۔سب احمدی اس سے واقف ہیں اور اس کے مطابق عمل پر کوشاں۔

نافرمان: اکا دکا نافرمانیاں کوئی اچنبا نہیں۔اور جسمانی تعلق رکھنے والے کسی فرد کا ایسا کرنا بھی نیا نہیں۔قرآن کریم نے حضرت نوحؑ کے نافرمان بیٹے کا ذکر شائد اسی مثال کے لئے محفوظ فرمایا تھا۔ پھر پہلے خلیفہ رُاشد حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نافرمان بیٹے کا تیسرے خلیفہ رُاشد حضرت عثمانؓ پر اقرباء پروری کا الزام دھرنے والوں کا ہم نوا ہو کر حد سے گزر جانا اور ان کی داڑھی پر ہاتھ ڈال دینا بھی عہدِ بیعت کی پرواہ نہ کرنے کی ایک بری مثال ہے۔اسی طرح وہ مسلمان کہلانے والے جنہوں نے چوتھے خلیفہ رُاشد حضرت علیؓ کی اس لئے مخالفت کی وہ بلا تحقیق کیوں ان عمال حکومت کو سزا نہیں دے رہے جو ان کی نظر میں مجرم تھے۔

انجام:

ماضی کے ایسا کرنے والوں کا آج تاریخ کس رنگ میں ذکر کرتی ہے اس سے یہ قیاس مشکل نہیں کہ آج کے کسی ایسے نافرمان کا اور ان سب مخالفین کا جو اس آڈیو کو اپنے ویڈیو چینیلز کا ایک نیا ذریعہ آمد پا کر جھوٹی خوشی سے اچھل رہے ہیں۔کل کن الفاظ میں ذکر ہوگا۔پس یہ سطحی شور و غوغا وقتی اور بے حقیقت ہے۔اور گزر جائے گا۔

قائم رہنے والے ذکر: ہمیشہ قائم رہنے والا ذکر وہ شفقت، برداشت، تحمل اور حوصلہ ہے جس کا دوسری طرف سے گستاخیوں، بدتمیزیوں اور بدزبانیوں کی مسلسل تکرار کے باوجود حضرت خلیفۃ المسیح نے اظہار فرمایا۔اور وہ غم اور صدمہ ہے جو اس رویہ سے آپ کے محبت بھرے دل پر گزر رہا ہوگا۔

پہلے غموں جیسا غم:

یہ ویسا ہی رنج رہا ہوگا۔جس سے حضرت نوحؑ بیٹے کی نافرمانی پر گزرے ہوں گے۔اور جس کے ہاتھوں باوجود اللہ کے اس فیصلہ کے کہ ان کا نافرمان بیٹا ان کا اہل نہیں رہا (ہود ۱۱:۴۱) انہوں نے بوقتِ طوفان یہ عرض کر دیا:

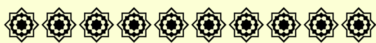
اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ (ہود ۱۱:۴۶) ترجمہ: یقیناً میرا بیٹا بھی میرے اہل میں سے ہے۔اور تیرا وعدہ ضرور سچا ہے۔

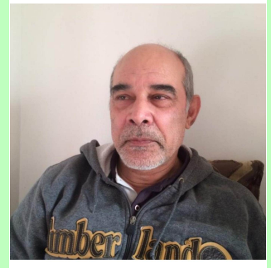
یہ ویسا ہی رنج رہا ہوگا۔جس سے حضرت عثمانؓ اپنے عزیز کی نافرمانی پر گزرے ہوں گے، جس نے ان سے نافرمان محمد بن ابی بکر سے مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہلوائے کہ 'اے میرے بھائی کے بیٹے! اگر تیرا باپ اس وقت زندہ ہوتا تو تُو کبھی ایسا نہ کرتا'۔

میرا بس:

پیارے حضور کے اس غم اور دکھ کے ازالہ کے لئے میرے بس میں تو بس یہی ہے کہ میں اپنی اطاعت کے معیار، تعلق، اظہار فدائیت اور اللہ کے حضور آپ کے لئے اللہ کی تائید و نصرت، آپ کے پروگراموں کی کامیابی، آپ کی صحت و سلامتی اور درازئی عمر کے لئے دعاؤں کو اور بھی بڑھاؤں۔اور یہ بھی کہ اللہ اس فتنہ کو جلد تر طاق نسیاں اور سب کو اسے گردِ راہ سمجھنے کی سمجھ عطا فرمائے۔آنحضرت ﷺ کے الفاظ میں یہی دعا ہے کہ

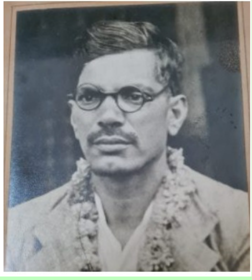
'اے اللہ مَیں تجھ سے اس عمل کی محبت مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے'۔(ترمذی کتاب الدعوات)





حضرت مہاشہ محمد عمر صاحب مرحوم (سابق یوگندر پال)

(نصیر احمد ظفر) مولفہ محمود احمد ملک۔لنڈن



حضرت مہاشہ محمد عمر صاحب کا پیدائشی نام یوگندر پال تھا۔آپ کے والد کا نام دھنی رام اور دادا کا نام جگت رام تھا۔آپ دودھو چک ضلع سیالکوٹ کے ایک دُور افتادہ گاؤں میں 1907ء میں پیدا ہوئے۔یہ گاؤں ریاست جموں سے پانچ میل کے فاصلے پر آباد تھا۔آپ کا خاندان کٹر ہندو برہمن تھا جہاں چھوت چھات سختی سے کی جاتی تھی۔آپ اپنے والدین کی سب سے چھوٹی اولاد تھے۔آپ سے بڑی ایک بہن تھیں اور بہن سے بڑے دو بھائی تھے جن میں سے ایک کا نام شمبھو ناتھ تھا۔آپ کا خاندان کئی نسلوں سے جوتشی تھا اور اس وجہ سے علاقہ بھر میں کافی مشہور تھا۔آپ کے والد بھی جوتشی تھے۔آپ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ والد کی وفات ہوگئی۔

آپ کے گاؤں میں مسلمان بھی تھے لیکن ہندوؤں کا زور تھا اور مسلمان مقابلہ میں اچھوتی ذاتوں سے تعلق رکھتے تھے۔آٹھ سال کی عمر تک آپ نے گاؤں کے سکول میں تعلیم پائی جہاں آپ کی دوستی مسلمان بچوں سے زیادہ تھی۔آپ ان کے گھر بھی چلے جاتے تھے جو آپ کی والدہ کو پسند نہیں تھا اور مسلمان لڑکوں سے کھیلنے کے بعد آپ کی والدہ آپ کو آٹے کا چھان مل کر نہلایا کرتی تھیں تاکہ آپ پاک اور شدھ ہو جائیں۔یہ عمل آپ کے لیے بہت تکلیف دہ ہوتا تھا اور والدہ کے کہنے پر توبہ کرتے لیکن پھر مسلمان گھروں میں چلے جاتے۔

سکول میں ایک احمدی استاد تھے جن کی دعوت الی اللہ سے آپ کو احمدیت کے بارے میں علم ہوا اور دل میں ہندومت سے طبعاً نفرت پیدا ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ جب آپ کی والدہ آپ کو لے کر مندر جاتیں اور بتوں کے منہ میں حلوہ اور مٹھائی وغیرہ ڈالتیں تو آپ پوچھتے کہ یہ کیسے خدا ہیں جو کھا بھی نہیں سکتے!۔

آپ کے دونوں بڑے بھائی کاروبار کرتے تھے لیکن آپ کے متعلق گھر والوں نے فیصلہ کیا کہ آپ کو سنسکرت اور ہندومت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے کانگڑہ کے مشہور مذہبی گورو کل سکول میں بھجوایا جائے تاکہ آپ اپنے آبائی پیشہ کے مطابق پنڈت بن سکیں۔لہٰذا 8 سال کی عمر میں آپ کو کانگڑہ بھجوا دیا گیا جہاں آپ نے 6 سال تک تعلیم پائی۔14 سال کی عمر میں آپ اپنے ایک استاد اور چند دیگر طلباء کے ساتھ قادیان آئے اور ایک ہفتہ یہاں ٹھہرے۔حضرت مصلح موعودؓ نے ملاقات کے دوران آپ کے استاد جی کے سامنے وہ تجویز رکھی جو بالآخر ہندو خاندان کے اس سپوت کو دین کی گود میں ڈالنے کا موجب بنی۔حضورؓ نے اُن سے فرمایا کہ آپ اپنے چند لڑکے ایک سال کے لیے ہمارے پاس چھوڑ دیں اور ہمارے اتنے ہی لڑکے اپنے ساتھ لے جائیں۔آپ اُن کو سنسکرت پڑھائیں اور اگر وہ اس دوران ہندو مذہب کو سچا سمجھ کر ہندو ہونا چاہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔اسی طرح ہم آپ کے لڑکوں کو عربی پڑھائیں گے اور اگر وہ سال کے دوران مسلمان ہونا بھی چاہیں گے تو بھی ہم ان کو مسلمان نہیں کریں گے۔اور اس دوران دونوں طرف کا خرچ مَیں (یعنی حضرت مصلح موعودؓ) برداشت کروں گا۔اگرچہ اُس وقت تو یہ بات مذاق میں ختم ہوگئی لیکن آپ کے دل میں چونکہ اپنے احمدی استاد کی وجہ سے اسلام سے محبت کا بیج پرورش پا رہا تھا اس لیے آپ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ آخر حضرت مصلح موعودؓ اس یقین اور وثوق سے اپنے لڑکے ہمارے ساتھ بھیجنے کو کیوں تیار ہو گئے ہیں اور ہمارے استاد کے دل میں اپنے مذہب کے متعلق ایسا یقین کیوں نہیں؟ بہر حال واپس آنے کے بعد آپ نے ایک اَور لڑکے کو اپنے ساتھ ملایا اور حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں خط لکھ کر حضورؓ کی اس پیشکش کو یاد دلا کر عرض کیا کہ اگر وہ پیشکش ہنوز قائم ہے تو ہم دو لڑکے قادیان آکر عربی پڑھنا چاہتے ہیں۔جب حضورؓ کا جواب ہاں میں آگیا تو دوسرا لڑکا تو انکار کر گیا لیکن آپ نے کمال ہمت سے کام لیا اور اکیلے ہی قادیان تشریف لے آئے۔

قادیان میں حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کا انتظام مولوی عبدالغنی صاحب کے سپرد کردیا۔ آپ کھانا بھی ان کے گھر کھاتے۔ مکرم عزیز دین صاحب مرحوم بتایا کرتے تھے کہ آپ کے لیے حضورؓ نے ہمارا چوبارہ بھی کرایہ پر لیا تھا اور ایک ہندو نوکر ان کی خدمت کے لیے رکھا تھا۔ آپ کی عمر اس وقت 14 سال کی تھی اور مَیں اکثر آپ کے پاس جا کر بیٹھا کرتا تھا۔ بعد میں آپ کا انتظام حضرت عبدالرحمان جٹ صاحبؓ کے ساتھ کیا گیا اور کچھ عرصہ کے لیے آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی بیٹھک میں بھی رہائش رکھی۔ بہرحال آپ نے مولوی فاضل کی تیاری شروع کردی اور جلد ہی زندگی بھی وقف کردی۔ ایک سال میں دو کلاسیں پاس کرتے گئے۔ آپ سنسکرت کے عالم تو تھے ہی یعنی ’’وشارو‘‘ سنسکرت کی ڈگری پاس کی ہوئی تھی۔ قادیان میں آپ نے مولوی فاضل بھی کرلیا۔

جماعت احمدیہ کی سالانہ مجلس مشاورت 1942ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مہاشہ صاحب کے قبول اسلام کا واقعہ ان الفاظ میں بیان فرمایا:

’’ہندو علوم اور لٹریچر سے واقف کئی لوگ ہمارے پاس موجود ہیں۔ پروفیسر عبداللہ بن سلام صاحب ہیں جو بہت بڑے ماہر ہیں۔ مولوی عبداللہ ناصرالدین صاحب ہیں جو وید بھی پڑھے ہوئے ہیں اور اعلیٰ ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔ مہاشہ محمد عمر صاحب نے بھی پنجاب یونیورسٹی سے مولوی عالم کی ڈگری کے برابر ڈگری سنسکرت میں حاصل کی ہوئی ہے۔ یہ مادر زاد ہندو ہیں اس لیے ان کا لہجہ وغیرہ بھی ہندوانہ ہے۔ سکھوں کے متعلق واقفیت رکھنے والے کئی لوگ ہیں۔ گیانی عباداللہ صاحب اور گیانی واحد حسین صاحب ہیں۔ ان کے علاوہ Veterman سپاہی سردار محمد یوسف صاحب ہیں جو سکھوں کی کتب اور لٹریچر کے پرانے ماہر ہیں ...... غالباً 1922ء کی بات ہے کہ مہاشہ محمد عمر صاحب ہندو طالب علموں کی ایک پارٹی کے ساتھ مجھے ملنے کے لیے آئے تھے۔ گوررو کل کانگڑی کے ایک پروفیسر صاحب یہاں ایک جلسہ پر آئے تھے اور اپنی بہادری دکھانے کے لیے کہ دیکھو میں کیسی اچھی تقریر کرتا ہوں طالب علموں کی ایک پارٹی کو بھی ساتھ لے آئے۔ انہوں نے طلباء کو مجھ سے ملنے کو بھی بھیجا۔ اس وقت مہاشہ محمد عمر بھی ان کے ساتھ تھے۔ میں نے طالب علموں سے کہا پروفیسر صاحب سے کہو کہ آپ اپنے چند طالب علم یہاں بھیج دیں۔ میں خود ان کو قرآن پڑھاؤں گا۔ اسی طرح میں چند طالب علم بھیجتا ہوں جن کو وہ وید پڑھائیں۔ خرچ اپنے طالب علموں کا بھی اور ان کے بھیجے ہوئے طالب علموں کا بھی میں ہی دوں گا۔ اگر قرآن کریم میں تاثیر ہوگی تو ان کے بھیجے ہوئے طالب علموں کو میں مسلمان کرلوں گا اور اگر ویدوں میں تاثیر ہوگئی تو ہمارے طالب علموں کو وہ ہندو کرسکیں گے۔ اور یہ ہم دونوں کا انعام ہوگا۔ مگر انہوں نے اس تجویز کو نہ مانا۔ مہاشہ محمد عمر صاحب بھی اس پارٹی میں تھے ان کے دل پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ چند دنوں کے بعد بھاگ کر یہاں آگئے۔ انہوں نے گو جوانی یہاں گزاری ہے مگر بچپن میں وہ ہندوؤں میں رہے ہیں اور وہیں پڑھتے رہے ہیں اس لیے ان کا لہجہ ہندوانہ ہے۔‘‘ محترم مہاشہ صاحب احمدی ہونے کے بعد جب پہلی بار اپنے گاؤں گئے اور اپنی والدہ اور بھائیوں کو مسلمان ہونے کے بارے میں بتایا تو بھائیوں نے آپ کو لوہے کی سلاخ سے بہت مارا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس قدر مارا کہ مَیں بیہوش ہوگیا اور وہ مجھے مُردہ سمجھ کر چھوڑ گئے۔ اُس وقت میری والدہ بھی مجھے بچا نہ سکیں۔ جب بھائیوں نے خوب اچھی طرح مار کر اپنا غصہ نکال لیا تو اُن کا خیال تھا کہ بچہ ہے اس کو سمجھ آجائے گی۔ لیکن اُن کے باہر جاتے ہی مَیں گھر سے نکل کر گاؤں میں ایک مسلمان کے گھر جا کر چھپ گیا اور وہاں تین دن چھپا رہا۔ اس دوران میری والدہ اپنی مامتا سے مجبور ہوکر بڑے بیٹوں سے چوری مجھ کو آکر کھانا دے کر جاتی رہیں۔ تین دن کے بعد مَیں گاؤں سے نکل آیا اور اس کے بعد اپنی والدہ کو کبھی نہیں مل سکا حتیٰ کہ کئی سالوں کے بعد اُن کا انتقال ہوگیا۔

آپ کی بڑی بہن کی شادی سیالکوٹ میں ہوئی تھی۔ جب ایک مناظرہ کے سلسلہ میں آپ تحصیل شکر گڑھ گئے تو خون نے جوش مارا تو اپنی بہن سے ملنے بھی چلے گئے۔ بہن آپ کا سر اپنی گود میں رکھ کر اس قدر روئیں کہ بیہوش ہوگئیں اس پر آپ کے بہنوئی نے کہا اب تم چلے جاؤ اور آئندہ یہاں نہ ہی آنا تو بہتر ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ میری طبیعت اس قدر خراب ہوئی اور دل پر اس قدر بوجھ تھا کہ اگر مجھے یہ شرح صدر نہ ہوتا کہ اسلام ایک سچا مذہب اور حضرت مسیح موعودؑ اللہ تعالیٰ کے مامور اور امام آخرالزمان ہیں تو مجھے خدا کی قسم ہے کہ اس دن مَیں

ہندو ہو جاتا۔

پھر ایک دفعہ دوبارہ آپ بہن سے ملنے گئے لیکن بہنوئی نے باہر سے ہی کہہ دیا کہ آپ کی بہن اپنے میکے گئی ہوئی ہے (حالانکہ بہن گھر میں ہی موجود تھی) بہن کو جب یہ معلوم ہوا کہ میرا بھائی آیا تھا اور اسے ملنے نہیں دیا گیا تو اس نے اس قدر ماتم کیا کہ دیکھنے سننے والوں کا کلیجہ دہل گیا۔ وہ بھائی کا نام لے کر بار بار بے ہوش ہو جاتی تھی حتیٰ کہ بھائی کے لیے رو رو کر اس کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔

کئی سال بعد قادیان سے ایک دفعہ ایک احمدی خاتون سیالکوٹ جانے لگیں تو محترم مہاشہ صاحب کی اہلیہ نے اُن کو آپ کی بہن کا اتا پتا بتا کر اُسے سلام پہنچانے کو کہا۔ واپس آ کر اُس خاتون نے بتایا کہ میں نے اُن کے گھر جا کر جب اپنا مقصد بتایا تو اپنے بھائی کا نام سنتے ہی وہ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئیں۔ تب ان کی بیٹیوں نے کہا کہ یہ آپ نے کیا کیا ہے، ہم تو ان کے سامنے ان کے بھائی کا نام نہیں لیتے۔ محترم مہاشہ صاحب یہ سب واقعات سنتے تھے لیکن زبان سے کبھی کچھ نہیں کہتے تھے۔ ہمیشہ خاموش ہو جاتے۔ آپ کی بہن کسی وقت آپ سے ملنے قادیان بھی آئی تھیں لیکن آپ اُس وقت قادیان سے باہر گئے ہوئے تھے۔

اگرچہ آپ کے بعض رشتہ داروں کو ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید کسی وقت آپ اسلام سے منحرف ہو کر واپس اپنے پرانے مذہب کی طرف آ جائیں گے چنانچہ آپ کی ایک خالہ نے آپ کو اس بات کے لیے مجبور کرنا شروع کیا کہ اسلام سے ارتداد اختیار کر لیں۔ آپ بتاتے تھے کہ ماسی (خالہ) سے جب بھی ملاقات ہوتی وہ مجھے کہتیں: پتر گنگا اشنان لے لو۔ مَیں نے کہا اچھا ماسی میں گنگا اشنان لے لیتا ہوں اس میں کیا حرج ہے۔ چنانچہ وہ خوشی خوشی پنڈت رام چندر صاحب کے پاس گئیں جن کے ساتھ ایک دن قبل میرا مناظرہ ہوا تھا اور پنڈت صاحب کو کافی خفت اٹھانا پڑی تھی۔ ماسی نے پنڈت صاحب کو یہ خوشخبری سنائی کہ ہمارا بیٹا گنگا اشنان لینے کے لیے راضی ہو گیا ہے۔ پنڈت صاحب نے کہا کہ مائی تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اور پھر انہوں نے گزشتہ روز والے مناظرے کا حال سنایا۔

آپ کے قبولِ اسلام کو ہندوؤں نے اپنی اَنا کا مسئلہ بنا لیا کہ ایک برہمن نوعمر بچہ کہاں پھنس گیا ہے۔ کافی شور مچایا گیا اور طرح طرح کے لالچ دے کر واپس لے جانے کی کوششیں بھی ہوئیں۔ یہ سلسلہ کئی سال تک چلتا رہا۔ ہندو اخبارات میں اس قسم کے مضامین چھپتے رہے کہ ہمارا ایک لعل اسلام کی گود میں جا گرا ہے اس کو ہر صورت واپس لانا چاہیے۔ قادیان کے چند ہندو جو بظاہر آپ کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے تھے لیکن دل سے دشمن تھے۔ تقسیم ہند کے وقت بدامنی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے مشورہ کرنے کا بہانہ بنا کر آپ کو کسی ہندو کے گھر شام کے بعد بلایا۔ آپ کی اہلیہ نے کہا کہ اگر جانا ہی ہے تو اکیلے نہ جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں مجھے کسی نے بتایا ہے ان کی نیت نیک نہیں اس لیے مَیں جاؤں گا ضرور لیکن احتیاط کروں گا۔ آپ جب وہاں پہنچے تو گھر کی بیٹھک میں سے کئی لوگوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آپ کھڑکی کی طرف اندھیرے میں کھڑے ہو کر اُن کی باتیں سننے لگے تو اندازہ ہوا کہ قادیاں کے باہر سے بھی کچھ لوگ آئے ہیں جو آپ کو اغوا کرنے اور بات نہ ماننے کی صورت میں قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ آپ کچھ دیر اُن کی باتیں سنتے رہے اور پھر خاموشی سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہوئے واپس اپنے گھر آ گئے۔ تاہم آپ کو اُن کی باتیں سن کر سخت صدمہ ہوا کیونکہ ان میں سے بعض آپ کے بے تکلّف دوست تھے۔

اُنہی دنوں آپ کا ایک بھتیجا قادیان کے ہندوؤں کا وفد لے کر آپ کے پاس آیا اور بہت اصرار کیا کہ ہم آپ کی حفاظت کریں گے آپ قادیان سے نہ جائیں۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ مَیں کبھی آپ لوگوں پر اعتبار نہیں کر سکتا آپ نے نہ صرف میرے ساتھ بلکہ قادیان کے احمدیوں کے ساتھ بھی غداری کی ہے جن سے آپ نے ہمیشہ فائدہ اٹھایا ہے۔ اسی طرح ایک بار آپ پاکستان سے جب بغرض شمولیت جلسہ سالانہ قادیان تشریف لے گئے تو آپ کی ایک بھتیجی کا خاوند قادیان آ کر آپ سے ملا اور اصرار کیا کہ امرتسر چل کر اپنی بھتیجی سے ملاقات کر لیں۔ لیکن اس وقت کے امیر قافلہ نے آپ کو امرتسر جانے کی اجازت نہیں دی۔

☆ حضرت مہاشہ صاحب کے سب سے بڑے بھائی کا نام شمبھوناتھ تھا۔

اس کی پانچ بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ بیٹے کی آگے اولاد نہیں ہوئی۔ دوسرے بھائی کی منگنی کسی جگہ ہوئی لیکن بعد میں لڑکی والوں نے یہ عذر رکھ کر منگنی توڑ دی کہ تمہارا بھائی احمدی ہو گیا ہے۔ اس کے بعد اس بھائی کی شادی کہیں بھی نہیں ہوئی۔ چنانچہ آپ کے خاندان کی نسل صرف آپ کے ذریعے ہی آگے چلی۔

☆ آپ کو جماعت اور احمدیت کی بہت غیرت تھی اور اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی کر سکتے تھے۔ ایک دفعہ اپنے بچوں سے فرمایا کہ میں نے احمدیت کے لیے بڑی قربانی کی ہے۔ ہر چیز چھوڑ دی۔ اپنا مذہب، ماں باپ، بہن بھائی، اپنا وطن، زمین، جائیداد۔ اگر کل کو تمہاری کسی حرکت کی وجہ سے مجھے تم لوگوں میں اور جماعت میں سے کسی ایک کو چننا پڑا تو تم لوگ جان لو کہ میرا فیصلہ کیا ہو گا اس لیے مجھے اس مقام پر نہ جانے دینا کہ مجھے تم کو چھوڑنا پڑے۔

آپ نے اپنی اولاد کو ہمیشہ یہ احساس دلایا کہ خلافت اور نظام جماعت سب سے اول ہیں اور باقی رشتے ناطے ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ بلاشبہ آپ کی پہلی محبت اور عشق حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ذات تھی۔ ایک دفعہ کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی وفات کے بعد کون خلیفہ ہو گا؟ آپ کو یہ سوال اس قدر ناگوار گزرا کہ آپ نے اس شخص کے ساتھ کئی سال بات نہ کی۔

آپ کی بیٹی ثریا غازی صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ پاکستان بننے کے بعد ابا جان کافی عرصہ بنگال میں مقیم رہے۔ اس وقت قدم قدم پر آپ کی کمی بہت محسوس ہوتی۔ ایک دن میں نے بے چارگی کے عالم میں رو رو کر ابا جان کو کسی صورت حال کے متعلق خط لکھا کہ اَور لوگوں کے تو باپ یہاں موجود ہیں وہ ان کی سفارش کر دیں گے تو اُن کا کام ہو جائے گا مگر میری سفارش کون کرے گا؟ آپ نے جواب میں لکھا کہ میری بیٹی کو شائد یہ معلوم نہیں کہ مربیان کی اولادوں کا باپ خلیفہ وقت ہوتا ہے، تم حضرت مصلح موعود کے پاس چلی جاؤ اور ان سے مشورہ کرو اور آئندہ بھی جب کبھی تمہیں میری کمی محسوس ہو تو فوراً حضور انور کے پاس چلی جایا کرو۔ میں نے آپ کے مشورہ پر عمل کیا۔ حضورؓ کی خدمت میں حاضر ہو گئی تو حضور نے مجھے تسلی دی، مشورہ بھی دیا اور دعا بھی کی۔ جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ میرا کام میری توقعات سے بڑھ کر احسن طریق پر ہوا۔

☆ مکرم رانا فضل الرحمان صاحب لکھتے ہیں کہ محترم مہاشہ صاحب کی ایک خوبی یہ تھی کہ وہ اپنی خوشیوں میں سب کو شریک کرتے مگر اپنے دکھ اور غم اکثر دوستوں سے چھپا کر رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ تبلیغی دوروں میں کئی بار بھوک اور پیاس کی آزمائشوں اور غیروں کی سختیوں کا انہیں سامنا کرنا پڑا مگر کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتے۔ احمدیت کو دنیا کی سب سے بڑی نعمت قرار دیتے۔ حضرت مسیح موعودؑ کو اپنا محسن اور نجات دہندہ قرار دیتے جن کے طفیل محسن انسانیت سرور کائنات نبی کریم ﷺ کی غلامی کا شرف ہمیں نصیب ہوا۔ خاندان مسیح موعودؑ کا عملاً بہت احترام کرتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ: عشق کا سبق مجنوں سے لینا چاہئے جسے سگِ لیلیٰ سے بھی پیار تھا۔ معشوق اور محبوب کی ہر چیز سے، ہر ادا سے عشق ہونا چاہئے۔ ورنہ عشق کا دعویٰ خام رہ جاتا ہے۔

☆ 1937ء میں میاں فخر الدین ملتانی صاحب کی فتنہ پردازیوں اور جماعت کے خلاف بغض و کینہ کی تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مسجد اقصیٰ قادیان میں محترم مہاشہ صاحب کے حوالے سے فرمایا:

''......جب میں سندھ سے واپس آیا ہوں اور کمیشن کی رپورٹ میں نے پڑھی ان دنوں مہاشہ محمد عمر صاحب......کہیں باہر تبلیغ کے لیے گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے راستہ سے مجھے خط لکھا کہ بعض اہم باتیں سلسلہ کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہیں۔ میں بوجہ شرم پہلے بیان نہیں کر سکا۔ مگر اب مجھے خیال آیا ہے کہ ان کا بیان کر دینا زیادہ مناسب ہے۔ جب وہ واپس آئے تو مجھ سے ملے اور انہوں نے بعض باتیں مجھ سے بیان کیں جن میں سے بعض میاں فخر الدین صاحب کے متعلق تھیں۔ میں نے ان سے کہا کہ ان امور کو وہ لکھ دیں چنانچہ انہوں نے حلفیہ شہادت لکھ دی۔''

اس کے بعد محترم مہاشہ صاحب کا وہ خط شامل اشاعت کیا گیا ہے جو آپ نے حلفیہ بیان دیتے ہوئے تحریر فرمایا۔

(انوار العلوم جلد 14 صفحہ 466-468)

☆ دہلی کے اُس جلسہ مصلح موعود میں بھی محترم مہاشہ صاحب شامل تھے

جس میں احراریوں نے فساد کیا اور پتھراؤ وغیرہ کرتے رہے لیکن جب فسادیوں نے عورتوں کے جلسہ گاہ کی طرف رُخ کیا تو حضرت مصلح موعودؓ نے پکارا کہ دشمن ہماری عورتوں کی طرف بڑھ رہا ہے اس لیے ایک سو ایسے نوجوان کھڑے ہو جائیں جو مرنا جانتے ہوں۔ اس موقع پر آپ بھی اپنے آقا کی آواز پر لبیک کہنے والوں میں شامل تھے اور فسادیوں کے پتھراؤ سے شدید زخمی بھی ہوئے۔

☆ محترم مہاشہ صاحب کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ساتھ دیوانگی کی حد تک عشق تھا جب حضور کی وفات کا اعلان ہوا تو اس وقت آپ بدین (سندھ) میں تھے۔ دل کی تکلیف تھی اور ''کورامین'' کے ٹیکے لگوایا کرتے تھے۔ آپ جب ربوہ تشریف لائے تو آپ نے بتایا کہ آپ نے کورامین کے دو ٹیکے لگوائے تھے تب سفر کے قابل ہو سکے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دھنی رام کے بیٹے یوگندر پال کو مہاشہ محمد عمر بنانے میں اللہ کے فضل کے بعد حضرت مصلح موعودؓ کی شفقت کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ کیونکہ جب 15 سال کی عمر میں اپنا گھر چھوڑ کر قادیان آ گیا تھا تو حضورؓ نے اتنی شفقت دی کہ شاید اپنا باپ بھی نہ دے سکتا۔ آپ کے اسلام کی آغوش میں آنے کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے آپ سے بے حد شفقت کا برتاؤ کیا تھا۔ آپ کا سارا خرچ ذاتی طور پر اٹھایا اور کبھی خرچ کی تنگی نہیں ہونے دی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ سستے زمانوں میں حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کو پانچ چھ روپے گز والا قمیص کا کپڑا خرید کر بھجوایا۔ قادیان کے زمانے میں آپ کے پاس کتابوں کی ایک بہت بڑی لائبریری بھی تھی۔

حضورؓ کی شفقت کا ایک واقعہ بار بار سنا کر رویا کرتے تھے کہ دورانِ تعلیم آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور حضورؓ ہی اخراجات اٹھایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مَیں نے حضورؓ کی خدمت میں خط لکھا کہ مجھے اتنے پیسوں کی فوری ضرورت ہے۔ جب چند دن تک کوئی جواب نہ آیا تو سخت پریشان ہوا لیکن مجبوری تھی کچھ کر بھی نہ سکتا تھا۔ طبیعت میں کچھ ملال اور تردّد بھی پیدا ہوا کہ حضور کو اچھی طرح میری حالت کا علم ہے پھر بھی اتنے دن ہو گئے ہیں اور کوئی جواب نہیں آیا۔ اسی دوران ایک دن حضرت مصلح موعودؓ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بہشتی مقبرہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے اور مَیں راستے سے ذرا ہٹ کر نیچے ڈھلوان کی طرف کھڑا تھا۔ جب حضورؓ کو آتے دیکھا تو منہ دوسری طرف پھیر کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا کہ کہیں حضورؓ سے سامنا نہ ہو جائے۔ لیکن حضورؓ نے دیکھ لیا اور اپنے ساتھیوں کو وہیں چھوڑ کر میرے پاس تشریف لائے اور سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: مجھے تمہارا خط آج ہی ملا ہے اور مَیں تمہیں پیسے بھجوا آیا ہوں۔ حضور کی شفقت اور محبت کا انداز دیکھ کر بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو بہ نکلے اور مَیں بیٹھے بیٹھے حضور کی طرف منہ پھیر کر روتا ہوا حضور کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ حضورؓ نے تسلی دی اور نہایت شفقت سے حال احوال پوچھ کر واپس تشریف لے گئے۔

☆ حضرت مصلح موعودؓ کا آپ کے بچوں کے ساتھ سلوک بھی نہایت مشفقانہ ہوتا تھا۔ آپ کے بیٹے مکرم نصیر احمد ظفر صاحب (حال ریجنل امیر 'ساؤتھ ریجن' یوکے) بیان کرتے ہیں کہ میٹرک کے امتحان کے بعد مَیں بھی تربیتی کلاس میں شامل ہوا تو کلاس کے شرکاء کی حضورؓ سے ملاقات ہوئی۔ حضورؓ کی طبیعت کی خرابی کے باعث حکم تھا کہ کمرے میں سے گزرتے ہوئے صرف دُور سے سلام کرنا ہے، مصافحہ نہیں کرنا۔ مَیں جب داخل ہوا تو حضورؓ اپنی دائیں طرف لیٹے ہوئے تھے۔ گھٹنوں میں تکلیف کے باعث حضورؓ نے اپنی ٹانگیں دُہری کر کے پیٹ کے ساتھ لگائی ہوئی تھیں۔ جب محترم مولانا عبدالرحمان انور صاحب (پرائیویٹ سیکرٹری) نے میرے تعارف کے طور پر عرض کیا کہ حضور! یہ مہاشہ صاحب کا بیٹا ہے تو حضورؓ نے اپنا ہاتھ مصافحہ کے لیے آگے بڑھایا۔ مَیں نے حضورؓ کا دست مبارک اپنے ہاتھ میں لے کر بوسہ لیا اور باہر آ گیا۔ میری آنکھوں سے آنسو بہ نکلے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے دعا کی کہ خدا تعالیٰ ہمارے آقا کو لمبی زندگی عطا فرمائے جس کو اپنی بیماری کی حالت میں بھی اپنے غلاموں کے جذبات کا کس قدر خیال رہتا ہے۔

☆ محترم مہاشہ صاحب کے بیان کردہ ایک واقعہ سے حضرت مصلح موعودؓ کے اخلاق عالیہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پاک وجود کو کس قدر وسیع ظرف عطا کیا ہوا تھا۔ اور کس قدر بلند کردار کا انسان تھا جو اپنے دشمنوں سے بھی احسان کا سلوک کرتا تھا۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی نے بتایا کہ لاہوری جماعت کی فلاں مقتدر شخصیت کی بیٹی کے کچھ ذاتی خطوط کسی شخص

کے پاس موجود ہیں، اگر اس شخص کو کچھ پیسے دے دیے جائیں تو وہ خطوط جماعت کو مل سکتے ہیں۔ اس واقعہ کی اہمیت کچھ اَور بھی بڑھ جاتی تھی جبکہ ذاتی طور پر اُن صاحب نے حضرت مصلح موعودؓ کی ذات مبارک پر نہایت گندے الزامات لگائے تھے۔ چنانچہ آپ بیان کرتے ہیں کہ مَیں خوش خوش حضورؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ سنایا۔ حضورؓ نے فرمایا کہ ہمارا اختلاف تو اُن صاحب سے ہے اس بے چاری کا کیا قصور؟ حضور کی بات سن کر مَیں شرمندہ ہو کر باہر آنے لگا تو فرمایا: ''ٹھہریں! اگر یہ بات کسی کو معلوم ہوئی تو مَیں آپ کو جماعت سے نکال دوں گا۔''

☆ پنڈت دیانند صاحب جو کہ شدید معاند اسلام تھے اور نہایت گندی زبان استعمال کرتے تھے جب انہوں نے کتاب ''رنگیلا رسول'' لکھی تو مسلمانوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی لیکن اُن کا ردّعمل جلسے جلوس، مار دھاڑ اور دھمکیاں تھا۔

حضرت مصلح موعودؓ نے اس کتاب کا جواب لکھنے کے لیے احمدی علماء کا پینل مقرر فرمایا جس میں محترم مہاشہ صاحب بھی شامل تھے۔ پینل میں شامل ہر عالم کو کتاب کے ایک باب کا جواب لکھنا تھا۔ آپ بتاتے ہیں کہ جب مَیں اپنا مسودہ لے کر حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضورؓ نے مسودہ پر اپنے قلم سے بعض جگہ پر ریمارکس دیئے۔ ایک جگہ پر مَیں نے 'پنڈت دیانند' لکھا ہوا تھا جس کے آگے حضورؓ نے اپنے ہاتھ سے 'صاحب' کا اضافہ کر دیا اور حاشیہ میں تحریر فرمایا کہ ''دیانند صاحب لکھیں۔ ایک احمدی مبلغ کی زبان ایسی نہیں ہونی چاہیے۔''

☆ محترم مہاشہ صاحب بہت صابر اور راضی برضا انسان تھے جس حد تک ممکن ہوتا اپنی تکلیف چھپانے کی کوشش کرتے۔ آپ کی اہلیہ بتاتی ہیں کہ 1937ء میں آپ کو گردے کی شدید تکلیف ہوئی۔ درد اتنی شدید تھی کہ آپ زبان کو دانتوں میں اس قدر دباتے کہ خون نکلنے لگتا لیکن اُف نہ کرتے۔ ایک ماہ تک سخت تکلیف میں مبتلا رہے اس کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے بغرض علاج آپ کو مکرم حکیم مفتی فضل الرحمن صاحب کے ہمراہ کشمیر بھجوایا۔ وہاں پر علاج کے سلسلے میں سونے کا کشتہ اور کچے باداموں کا شربت استعمال کروایا گیا اس کے علاوہ دال کی طرز کی ایک چیز جس کا نام مکلتھ تھا، اُبال کر دی جاتی تھی۔ اس علاج سے بفضل تعالیٰ گردے کی درد بالکل ختم ہو گئی اور آپ تین ماہ کے قیام کے بعد صحت یاب ہو کر واپس تشریف لائے اور پھر زندگی میں کبھی گردے کی تکلیف نہیں ہوئی۔ الغرض زندگی بھر آپ اپنے آقا حضرت مصلح موعودؓ کی دعاؤں اور شفقتوں کے مورد بنے رہے۔

☆ ایک واقعہ جس سے حضرت مصلح موعودؓ کے اخلاق فاضلہ پر روشنی پڑتی ہے محترم مہاشہ صاحب کے بیٹے مکرم نصیر احمد ظفر صاحب یوں بیان کرتے ہیں کہ ہمارے نانا جان (حضرت منشی کرم علی صاحبؓ (کاتب حضرت مسیح موعودؑ) جب قادیان سے نکلے تو اُن کی آمدنی بالکل ختم ہو گئی۔ ہجرت کے بعد چند سال جو وہ زندہ رہے تو کبھی بیٹی کے پاس اور کبھی بیٹے کے پاس رہ کر گزارے جس کی وجہ سے وہ چندہ وصیت ادا نہ کر سکے۔ اس پر اُن کی وصیت منسوخ ہو گئی۔ 15ر دسمبر 1952ء کو جب اُن کی وفات ہوئی تو وہ اپنے بیٹے کے پاس سرگودھا میں مقیم تھے۔ جنازہ ربوہ لانے سے پہلے ہمارے ماموں نے ایک دستی خط ابا جان کو بھجوایا کہ مَیں جنازہ لے کر ربوہ آ رہا ہوں، وصیت چونکہ منسوخ ہو چکی ہے لہٰذا عام قبرستان میں قبر کھدوا دیں۔ ابا جان کو یہ اطلاع ملی تو آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فرمایا کہ میرا دل نہیں مانتا کہ جس شخص کی ساری زندگی قادیان میں اپنے آقاؤں کے قدموں میں اُن کی خدمت کرتے گزری ہے ان کو دوسرے قبرستان میں دفن کیا جائے صرف اس لیے کہ ان کی آمدنی ختم ہو چکی تھی۔ پھر آپ نے ایک خط اسی مضمون کا لکھ کر میرے ہاتھ حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں بھجوا دیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ حضور آرام فرما رہے تھے۔ مَیں نے خط اندر بھجوا دیا تو تھوڑی دیر بعد حضور نے مجھے بلا کر فرمایا کہ مَیں یہ خط مولوی عطا محمد صاحب کو بھجوا رہا ہوں جو دفتر وصایا کے انچارج ہیں، آپ جواب کا انتظار کریں۔ تھوڑی دیر بعد وہ آدمی جس کو خط دے کر بھجوایا تھا جواب لے کر آیا۔ مولوی صاحب نے لکھا تھا کہ جب تک منشی صاحب کام کرتے رہے بہت باقاعدگی سے چندہ وصیت دیتے رہے، جب اُن کا کام چھٹ گیا تو چندہ وصیت ادا نہ کر سکے۔ اس پر حضورؓ نے خط پر نوٹ دیا کہ اگر آمدنی نہیں تو پھر وہ وصیت کہاں سے دیں گے! اس صورت میں وصیت منسوخ کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ منشی صاحب کی وصیت بحال کی جائے اور ان کو قطعہ صحابہ میں دفن کیا جائے۔ حضورؓ کا یہ جواب ابا جان کو ملا تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور غم کے باوجود خوش

ہو گئے۔

☆ محترم مہاشہ صاحب ابھی زیر تعلیم ہی تھے کہ ایک دن حضرت منشی صاحبؓ کی اہلیہ حضرت حاکم بی بی صاحبہؓ دعا کی غرض سے حضرت مولوی بقاپوری صاحبؓ کے گھر گئیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ مولوی صاحب نے مجھے اپنی بیٹی امیر بیگم کا رشتہ مہاشہ محمد عمر صاحب کے ساتھ کرنے کی تحریک کی۔ میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ آپ مجھے لکھ کر دے دیں میں یہ رقعہ منشی صاحب کو دے دوں گی۔ اس پر مولوی صاحب نے رقعہ لکھ دیا اور مَیں نے وہ رقعہ منشی صاحب کو دیا جو انہوں نے حضرت مصلح موعودؓ کو یہ لکھ کر بھجوا دیا کہ حضور! میری جان مال اولاد آپ پر قربان، آپ خود ہی فیصلہ کر دیں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اسی رقعے پر ''مبارکباد'' لکھ کر واپس بھجوا دیا۔ تین دن کے بعد محترم مہاشہ صاحب کو حضورؓ کا یہ پیغام ملا کہ آج آپ کا نکاح ہوگا۔ مغرب کے بعد نکاح پڑھا گیا۔ لڑکے اور لڑکی، دونوں کی طرف سے حضورؓ ہی ولی تھے۔ نکاح کے خطبہ میں حضور نے فرمایا کہ مَیں ہمیشہ واقف زندگی کی بیویوں کا حق مہر 300 روپے مقرر کرتا ہوں لیکن چونکہ منشی صاحب کی بیٹی کا ولی مَیں ہوں اس لیے 500 روپے مقرر کرتا ہوں۔

محترم مہاشہ صاحب جب ایک سال بعد پڑھائی مکمل کر کے مربی بن گئے تو پھر رختصانہ عمل میں آیا۔

محترم مہاشہ محمد عمر صاحب کی اہلیہ محترمہ امیر بیگم صاحبہ کی ولادت اوائل 1908ء میں حضرت منشی کرم علی صاحبؓ کے ہاں ہوئی تھی۔ اُن کی والدہ حضرت حاکم بی بی صاحبہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ مَیں نومولود بچی کو اٹھا کر حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور نام تجویز کرنے کی درخواست کی تو حضور اقدس نے امیر بیگم نام تجویز فرمایا اور فرمایا میں نے اس بچی کے لیے لمبی عمر کی دعا کی ہے۔

محترمہ امیر بیگم صاحبہ کو دعا پر بے حد یقین تھا۔ کوئی بھی مشکل کا وقت آجاتا تو دعا کی طرف متوجہ ہوتیں۔ وہ خواہ بیماری ہوتی یا مالی پریشانی آپ وضو کر کے مصلّی پر کھڑی ہو جاتیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرماتا اور پریشانی دُور ہو جاتی۔ خلافت و احمدیت کی محبت اور اطاعت کے لیے کوشاں رہتیں۔ نظام جماعت کی بے حد پابند تھیں اور مالی قربانی میں ہمیشہ اپنی بساط سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتیں۔ اپنی اولاد کو بھی نہایت سختی سے تلقین فرماتیں کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں تساہل سے کام نہ لیا کریں۔ چونکہ مہاشہ صاحب مربی سلسلہ تھے اور اکثر اوقات گھر سے باہر ہی رہتے تھے، اُن کی غیر موجودگی میں آپ نے نہایت جرأت اور استقلال سے تمام تکالیف و پریشانیوں کا نہایت جواں مردی سے مقابلہ کیا اور انہیں ہمیشہ تسلی دیتی رہیں کہ آپ ہماری فکر نہ کریں اور اپنے کام کی طرف دل جمعی سے توجہ رکھیں۔ آپ نے بچوں کی تربیت پر ہمیشہ نظر رکھی اور کوشش کی کہ بچے نظام جماعت کی پابندی کریں۔ خود بھی جماعت کے مالی نظام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور بچوں کو بھی ہمیشہ تاکید کی۔ فرماتی تھیں کہ جو کوئی بھی چندہ کی وصولی کے لیے آتا ہے وہ تمہارا نوکر نہیں۔ اس کا یہ احسان ہے کہ وہ آیا ہے ورنہ



چناب بنتا ہے

(منیر باجوہ)

عشق میں کیا حساب بنتا ہے
بس ایک خانہ خراب بنتا ہے

عشق میں جب کبھی طوفان اُٹھے
کچا گھڑا اور چناب بنتا ہے

باغباں کی نظر رہے جس پر
وہ مہکتا گلاب بنتا ہے

اپنے دل میں جسے بسایا ہو
وہی آنکھوں میں خواب بنتا ہے

لفظ نکلے زبان سے اس کی
اک مکمل خطاب بنتا ہے

اس کی قدرت تو دیکھئے صاحب
آب میں سے حباب بنتا ہے

ہم تو یہ جانتے ہیں منیرؔ
عشق آپ سے جناب بنتا ہے

یہ تمہارا فرض ہے کہ تم چندہ خود جا کر دو۔

محترمہ امیر بی بی صاحبہ انتہائی صابر و شاکر عورت تھیں۔ جب آپ راہوالی میں مقیم تھیں تو آپ کا ایک بیٹا عزیز احمد گاڑی کی نیچے آ کر وفات پا گیا۔ اس سانحہ کی خبر سن کر آپ دو نفل نماز پڑھ کر دیر تک اللہ تعالیٰ کے حضور روتی رہیں، پھر سلام پھیر کر فرمانے لگیں کہ میں نے اپنے اللہ سے اپنے لیے صبر مانگا ہے۔ وہ تو اللہ کی امانت ہمارے پاس تھی، وہ اپنی امانت لے گیا ہے، میرا اُس پر کوئی حق نہ تھا۔ بعد ازاں آپ حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ بیٹے کی وفات کے بعد میرا دل راہوالی میں نہیں لگتا۔ حضورؓ نے فرمایا کہ آپ ربوہ آ جائیں۔ چنانچہ حضور کی ہدایت پر انجمن احمدیہ نے محترم مہاشہ صاحب کے نام کوارٹر الاٹ کر دیا اور اس طرح یہ فیملی ربوہ منتقل ہوگئی۔

1968ء میں محترم مہاشہ صاحب کی وفات ہوگئی تو آپ کے لیے یہ وقت بھی انتہائی مشکل کا تھا۔ مگر آپ نے انتہائی صبر اور بلند حوصلگی سے یہ وقت گزارا۔ آپ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی انگلستان میں تھے چنانچہ آپ 1979ء میں انگلستان منتقل ہوگئیں۔ اگرچہ اس دوران کئی دفعہ پاکستان گئیں لیکن مستقل رہائش انگلستان میں ہی رکھی اور یہیں 28 اپریل 2003ء کو بقضائے الٰہی مختصر علالت کے بعد وفات پا گئیں۔ مرحومہ 1/8 حصے کی موصیہ تھیں۔ لندن میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ کے بابرکت دورِ خلافت کا یہ پہلا جنازہ تھا۔ بعد ازاں جنازہ پاکستان لے جایا گیا اور تدفین بہشتی مقبرہ ربوہ میں ہوئی۔

محترم مہاشہ محمد عمر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹی مکرمہ امۃ الحفیظ ثریا غازی صاحبہ اہلیہ مکرم عبدالحمید غازی صاحب اور چار بیٹوں مکرم شیخ محمد احمد صاحب، مکرم شیخ نصیر احمد ظفر صاحب (ریجنل امیر، ساؤتھ ریجن یوکے)، مکرم شیخ منیر احمد ناصر صاحب اور عزیز احمد صاحب سے نوازا۔ عزیز احمد صاحب 19/مارچ 1952ء کو بارہ تیرہ سال کی عمر میں ریل گاڑی کے ایک حادثے میں وفات پا گئے۔ محترم مہاشہ محمد عمر صاحب اس وقت سانگلہ ہل میں متعین تھے۔ آپ کو اطلاع دی گئی تو آپ تشریف لائے اور خدا تعالیٰ کی تقدیر پر صبر کا وہ مظاہرہ کیا کہ خاموشی سے آنسو بہائے اور اپنے جوان بیٹے کو اپنے ہاتھ سے سپرد خاک کر دیا۔ آپ کے لیے یہ صدمہ بڑا سخت ثابت ہوا۔ اگرچہ آپ نے بہت ضبط سے کام لیا مگر اس کا اثر دل پر پڑا۔ اس کے فوراً بعد آپ کو بنگال بھجوا دیا گیا جہاں پہلی دفعہ آپ کو دل کا دورہ پڑا۔

دراصل 1953ء میں مغربی پاکستان (خاص طور پر پنجاب) میں جماعت احمدیہ کے خلاف جو فسادات ہوئے تھے وہ نہ صرف احرار، جماعت اسلامی اور دیگر تمام فرقوں کی طرف سے اجتماعی طور پر تھے بلکہ پنجاب کی صوبائی حکومت کی بھی فسادیوں کو مکمل پشت پناہی حاصل تھی۔ خدا تعالیٰ نے اس نازک موقع پر جماعت کو معجزانہ طور پر محفوظ رکھا اور دشمن اپنے مذموم عزائم میں بری طرح ناکام رہا۔ ایک نہایت خوش آئند بات یہ تھی کہ اس بدنام زمانہ تحریک کو مشرقی پاکستان کی حمایت حاصل نہ تھی۔ دشمن نے بھی ناکامی کی اس بڑی وجہ کو شدت سے محسوس کیا اور بنگالیوں کو اس سلسلہ میں اپنا ہمنوا بنانے کے لیے کوشش تیز تر کر دی۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی دُور بین نگاہ نے اس خطرہ کو محسوس کیا اور جماعت کا ایک نمائندہ وفد وہاں بھجوانے کا فیصلہ فرمایا تا کہ اس خطرے کا سد باب کیا جائے۔ اس وفد میں مکرم مہاشہ محمد عمر صاحب بھی شامل تھے۔

روانگی سے قبل حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خصوصی ملاقات میں وفد کو ہدایات دیں۔ جن میں خاص طور پر دو باتوں کی طرف توجہ دلائی۔

اوّل۔ جماعت احمدیہ کے خلاف حالیہ فسادات میں اہل بنگال نے حصہ نہیں لیا بلکہ مشرقی پاکستان کے پریس نے اس تحریک کی مذمت کی اور اس رجحان کو ملک کے لیے خطرناک قرار دیا۔ اس لحاظ سے اہل بنگال ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ خاص طور پر وہاں کے اخبارات کے ایڈیٹروں سے مل کر ان کا شکریہ ادا کیا جائے اور جماعت کا لٹریچر ان کو مطالعہ کے لیے دیا جائے۔

دوم۔ بنگال کے مسلمانوں پر ہندو بنگالیوں کا بہت اثر ہے۔ اگرچہ ہندو تعداد میں کم ہیں تاہم ان کا اثر و رسوخ بہت ہے اور وہاں کی سیاست پر بھی ان کا بہت دخل ہے۔ مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت اور زبان بھی ہندو کلچر سے متاثر ہے۔ اس سلسلہ میں خاص طور ہندوؤں میں اسلام کی تبلیغ کے لیے کوشش کی جائے۔ اس وفد کی کارکردگی کو دیکھتے ہوئے حضورؓ نے مکرم مہاشہ صاحب کی باقاعدہ تقرری مشرقی پاکستان میں کر دی۔ بنگال میں تعیناتی کے دوران ایک بار جب آپ رخصت پر ربوہ آئے ہوئے تھے تو آدھی رات کو دفتر پرائیویٹ

سیکرٹری سے پیغام آیا کہ آپ کو حضورؓ نے بلایا ہے۔آپ حاضرِ خدمت ہوئے تو حضورؓ نے فرمایا کہ خبر ملی ہے کہ مودودی صاحب مشرقی پاکستان کے دورہ پر جارہے ہیں اس لیے آپ فوری طور پر ڈھاکہ چلے جائیں اور اُن کے دورہ کے اثرات زائل کرنے کی کوشش کریں۔حضورؓ نے دوسو روپے سے کچھ زاید ہوائی جہاز کے کرایہ کے لیے بھی دیے۔آپ نے گھر آکر فوری طور پر جانے کی تیاری شروع کر دی۔صبح تین چار بجے بذریعہ بس لاہور پہنچے اور وہاں سے بذریعہ جہاز ڈھاکہ پہنچ گئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ڈھاکہ کے احمدیہ مرکز کے قریب ہی ایک کھلے میدان میں مودودی صاحب کا پہلا جلسہ تھا۔جلسہ گاہ میں ہزاروں لوگ جمع تھے۔جب مَیں نے یہ نظارہ دیکھا تو واپس مسجد میں جا کر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں سر رکھ دیا اور دعا کی کہ اے مولا کریم تیرے خلیفہ نے تو مجھے اس دورہ کے اثرات زائل کرنے کے لیے یہاں بھجوایا ہے اور میرے بس سے تو یہ بات باہر ہے۔مَیں ابھی سجدہ میں ہی تھا کہ میرے معاون دوست بھاگتے ہوئے آئے اور بتایا کہ جلسے میں فساد ہو گیا ہے۔جب ہم جلسہ گاہ میں پہنچے تو لوگ ''شالہ مودودی شالہ مودودی'' کے نعرے لگا رہے تھے اور اپنی دھوتیاں اٹھا اٹھا کر سٹیج کے سامنے ناچ رہے تھے۔حتی کے مودودی صاحب کو جوتیوں کا ہار پہنایا گیا۔پولیس نے مودودی صاحب کو ان کی حفاظت کے پیش نظر اپنے حلقہ میں لے لیا اور جلسہ بند کروا دیا۔اُن کا دوسرا جلسہ چٹا گانگ میں تھا وہاں بھی یہی حشر ہوا۔بالآخر انتظامیہ نے مودودی صاحب کو کہا کہ ہم آپ کی حفاظت کی ذمہ داری سے قاصر ہیں آپ برائے مہربانی بنگال سے تشریف لے جائیں۔چنانچہ جس مقصد کے لیے حضرت مصلح موعودؓ نے مجھے ارشاد فرمایا تھا وہ بغیر میری کسی کوشش کے اللہ تعالیٰ نے بطریق احسن پورا فرما دیا۔الحمدللہ

محترم مہاشہ صاحب 1958ء میں بنگال سے واپس تشریف لا چکے تھے۔بہت مدت تک اپنی بیماری کو گھر والوں سے چھپاتے رہے۔ایک بار گولبازار ربوہ میں سودا سلف لیتے ہوئے دل کا دورہ پڑا اور آپ زمین پر گر پڑے۔لوگوں نے اٹھا کر چارپائی پر ڈالا اور ڈاکٹر وغیرہ بلایا۔کافی دیر کے بعد جب طبیعت سنبھلی تو سودا سلف لے کر گھر واپس آگئے۔جب کسی ہمسائی کے بتانے پر آپ کی اہلیہ نے آپ سے بازار میں اچانک ہونے والی اس تکلیف کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگے کہ اس کے متعلق بتا کر آپ کو خواہ مخواہ پریشان کرنے کا کیا فائدہ تھا۔

کئی سال تک بہاولپور اور سندھ میں کام کیا لیکن آہستہ آہستہ صحت گر رہی تھی۔پھر دل کی تکلیف کی وجہ سے آپ کو دوالمیال ضلع جہلم میں متعین کر دیا گیا۔یکم ستمبر 1968ء کی دوپہر آپ اچانک ربوہ تشریف لے آئے تو آپ کی اہلیہ کو حیرت ہوئی۔اہلیہ صاحبہ کے استفسار پر صرف اتنا کہا کہ کوئی خاص بات نہیں، دوائی ختم ہو گئی تھی۔لیکن اگلے ہی روز یعنی 2رستمبر کی صبح آپ کو دل کا شدید دورہ ہوا جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے۔اسی شام بعد جنازہ آپ کو بہشتی مقبرہ کے قطعہ مربیان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔اس دن کا الفضل اخبار تیار ہو چکا تھا پھر بھی اس میں مختصر سی خبر دے دی گئی۔اگلے روز تفصیلی خبر شائع ہوئی جس میں یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ ''محترم مہاشہ صاحب مرحوم 1922ء میں



غزل

آفتاب شاہ

جنہیں فکر تھی مری ہر گھڑی وہی لوگ جانے کدھر گئے
جنہیں پیاس تھی مری دید کی وہی لوگ کیسے بکھر گئے

جو اُجڑ گئے تری چاہ میں جنہیں روگ لگتی تھی عاشقی
وہی بزم میں تجھے دیکھ کر نہ اِدھر گئے نہ اُدھر گئے

ترے ہجر نے جو ڈسا تو پھر مری سوچ خود سے بچھڑ گئی
مری نیند بکھری در بدر مرے خواب سوئے بھنور گئے

تری یاد کی جو صدائیں تھیں وہ اُتر گئیں مری ذات میں
لگی آگ میرے وجود کو تو بھڑک کہ ہم بھی نکھر گئے

جو نکھرتے تھے تری دید سے تری چشمِ تر کی نوید سے
ہوئے وہ خفا تری چاہ سے تو ستم زدہ سے نگر گئے

جنہیں لگتا تھا ترا عکس ہی ہے حصار ان کے وجود کا
وہی عشق سے جو پرے ہٹے تو نہ جانے کس کی ڈگر گئے

جبکہ آپ کی عمر 15 سال تھی، ہندو دھرم ترک کر کے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔......قادیان میں ہی مستقل سکونت اختیار کر کے 1922ء سے 1930ء تک عربی اور دینی علوم کی تحصیل مکمل کی آپ جامعہ احمدیہ قادیان کے فارغ التحصیل اور مولوی فاضل تھے مزید براں آپ کو سنسکرت پر بھی عبور حاصل تھا۔ دینی علوم کی تحصیل کے بعد 1931ء میں آپ نے مربی سلسلہ احمدیہ کے طور پر کام شروع کیا اور مسلسل 36 سال تک گرانقدر خدمات بجالانے کے بعد آپ 17 نومبر 1967ء کو بعمر 60 سال صدر انجمن احمدیہ کی ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔اس کے بعد بھی بطور مربی سلسلہ خدمات بجالا رہے تھے۔......"

(روزنامہ "الفضل"، ربوہ 4 ستمبر 1968ء)

اخبار بدر یکم ستمبر اور 12 ستمبر 1968ء میں بھی تفصیلی خبریں شائع ہوئیں۔

مکرمہ ثریا غازی صاحبہ لکھتی ہیں کہ مَیں جولائی 1966ء میں سات سال بعد پاکستان گئی تو میرے ساتھ میری بیٹیاں اور میرا بھائی بھی تھا۔اس وقت ابا جان سکھر میں مقیم تھے۔آدھی رات کے بعد جب گاڑی حیدر آباد کے اسٹیشن پر پہنچی تو آپ کو وہاں موجود پایا۔آپ کے ساتھ بابو عبدالغفار صاحب صدر جماعت حیدر آباد بھی تھے۔آپ میرے بچوں کو پہلی دفعہ ملے۔ہمارا خیال تھا کہ آپ ہمارے ساتھ ہی ربوہ آئیں گے لیکن آپ نے مجھے فرمایا کہ اگرچہ مَیں تمہارے آنے کے موقع پر رخصت لے چکا تھا لیکن بابو صاحب نے 15 دن کے لیے وقف عارضی کی ہے اور مجھے ساتھ چلنے کے لیے کہا تو میں انکار نہ کر سکا۔ آپ لوگ ربوہ جائیں میں چند دن بعد آجاؤں گا۔ہمیں سخت مایوسی ہوئی۔آپ کو ساتھ چلنے پر اصرار کیا حتی کہ بابو صاحب نے بھی فرمایا کہ آپ کے بچے اتنی مدت بعد آئے ہیں آپ ان کے ساتھ چلے جائیں۔لیکن آپ نے فرمایا کہ میں آپ کو درمیان میں چھوڑ کر کیسے چلا جاؤں! چنانچہ ہم اکیلے ربوہ پہنچے اور ابا جان چند روز بعد تشریف لائے۔لیکن چونکہ زیادہ چھٹیاں وقف عارضی میں ہی گزار آئے تھے اس لیے چند دن رہ کر واپس اپنی ڈیوٹی پر چلے گئے۔بعد میں بابو عبدالغفار صاحب سے معلوم ہوا کہ ہماری گاڑی چلنے کے بعد ابا جان پر دل کا دورہ پڑا اور وہ کافی دیر تک پلیٹ فارم کے بنچ پر لیٹے رہے۔

ہمارے واپس آنے سے پیشتر ایک دفعہ ابا جان پھر ربوہ تشریف لائے اور خواہش کی کہ ہم کچھ عرصہ کے لیے اَور رُک جائیں لیکن ہمارا پروگرام بن چکا تھا۔ابا جان نے جلدی واپس ڈیوٹی پر جانا تھا۔فرمایا: میں تمہیں روہڑی کے اسٹیشن پر ملوں گا۔صبح کا وقت تھا جب گاڑی روہڑی پہنچی تو ابا جان حسب وعدہ وہاں موجود تھے۔یہ آخری ملاقات نہایت مختصر اور دلگداز تھی۔وہ اچکن میں ملبوس تھے گلے میں مفلر لپیٹا ہوا تھا۔آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔اسٹیشن بالکل سنسان تھا۔گاڑی چل پڑی۔ابا جان دیر تک اسٹیشن پر کھڑے ہاتھ ہلاتے رہے۔میں بھی گاڑی سے سر نکالے ابا جان کو دیکھتی رہی۔حضرت ابا جان کی یہ آخری تصویر میرے ذہن میں ہے، ان منٹ جیسے پتھر پر کندہ نقش۔اس کے بعد میں اپنے پیارے ابا جان سے پھر کبھی نہیں مل سکی وہ ہمیں ہمارے اور اپنے خالق و مالک کے سپرد کر کے منزل مقصود پر پہنچ گئے۔

؎ آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

ابا جان نے 61 سال کی عمر میں وفات پائی۔آپ کی وفات سے دو تین دن قبل مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ایک مکان کی چھت پر حضرت مصلح موعودؓ چند احباب کے ساتھ کھڑے ہیں اور ابا جان کا انتظار کر رہے ہیں۔میرے دیکھتے دیکھتے ابا جان سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچ جاتے ہیں۔اسی طرح کئی دوسرے لوگوں نے بھی خوابیں دیکھیں جن میں سے بعض ذاتی طور پر آپ کو جانتے بھی نہیں تھے۔ان خوابوں میں آپ کی وفات اور بلند روحانی مقام کی طرف اشارہ تھا۔

☆ قادیان سے ہجرت کے بعد جماعت کی مالی حالت مضبوط نہ تھی۔ کارکنان کو ایک واجبی سی رقم خرچ کے لیے ملتی تھی اور بعض اوقات اس میں بھی تسلسل ٹوٹ جاتا تھا۔ان حالات میں بعض اوقات مہاشہ صاحب کے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے تھے کہ اگر بیمار ہوں تو دوائی ہی لے سکیں۔بس کا کرایہ نہ ہونے کے باعث بعض اوقات پیدل سفر کرنا پڑتا۔ایک دفعہ آپ نے اہلیہ کو خط میں لکھا کہ بیمار ہوں اور دوائی کے پیسے نہیں ہیں۔لیکن اس تنگی کے زمانے میں بھی آپ نے جماعت کے وقار اور اپنی سفید پوشی کا بھرم قائم رکھا اور کبھی شکایت کے رنگ میں ذکر نہ کیا۔ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے یہ توفیق بخشی ہے کہ حتی المقدور جماعت اور اسلام کی خدمت کر سکیں۔بارہا آپ کی اہلیہ

کو ربوہ سے کپڑے بنوا کر آپ کو بھجوانے پڑتے۔لیکن جماعت کا وقار اور عزت ان کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھی۔

☆ایک دفعہ آپ کو مشرقی پاکستان واپس ڈیوٹی پر جانا تھا۔روانگی سے قبل حضرت مصلح موعودؓ سے ملاقات کر کے آ گئے لیکن سفر پر روانہ نہ ہوئے۔مغرب کی نماز میں حضورؓ نے آپ کو دیکھا تو نماز کے فوراً بعد پیغام بھجوایا کہ آپ گئے کیوں نہیں فوراً چلے جائیں۔آپ اپنی اہلیہ سے کچھ پیسے لے کر اسی وقت لاہور روانہ ہو گئے۔وہاں سے کسی طرح کراچی بھی پہنچ گئے لیکن وہاں سے روانگی نہ ہو سکی۔حضورؓ کو علم ہوا تو حضورؓ نے پیغام بھیجا کہ کراچی میں کیوں ٹھہر گئے ہیں فوراً بنگال چلے جائیں۔اس پر آپ کے بے تکلّف دوست محترم چودھری محمد عبداللہ صاحب امیر جماعت کراچی نے پوچھا کہ آپ کیوں ٹال مٹول کر رہے ہیں؟ آپ نے بتایا کہ حضور کو مجھے کرایہ کے پیسے دینے یاد نہیں رہے اور میں حضور سے مانگ نہیں سکتا۔اس پر انہوں نے آپ کو ٹکٹ لے کر دیا اور کچھ سفر خرچ بھی دیا تو آپ روانہ ہو گئے۔

☆محترم مہاشہ صاحب نے دین کو دنیا پر مقدّم رکھنے کا عہد ہمیشہ نبھایا۔ایک دفعہ گرمیوں میں آپ کو بیماری کی وجہ سے ڈاکٹر نے کسی ٹھنڈے مقام پر جانے کا مشورہ دیا۔آپ نے دفتر کو اس کی اطلاع کر دی لیکن کسی مصلحت کی بنا پر آپ کو جیکب آباد جانے کا حکم ہوا (جو گرم ترین مقام ہے) آپ بغیر کوئی شکوہ کیے وہاں چلے گئے۔بعد میں دفتر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو آپ کو سکھر جانے کا حکم ہوا۔

☆محترم مہاشہ صاحب کا سلوک اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ نہایت معززانہ تھا۔ہمیشہ 'آپ' کہہ کر مخاطب کرتے۔کبھی درشت لہجہ یا سخت الفاظ استعمال نہ کیے۔بچوں کے کسی عمل سے اگر والدہ کو کوئی تکلیف پہنچتی یا کوئی بچہ والدہ کے ساتھ اُس احترام سے پیش نہ آتا جو ماں کا حق ہوتا ہے تو اُس بچے کے رویے پر شدید ناپسندیدگی کا اظہار کرتے اور یہ اظہار آپ کے چہرے سے عیاں ہو جاتا۔لیکن دوسری طرف گھر میں خواہ کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو جائے اس پر کبھی سرزنش نہ کرتے۔

☆ آپ کا سلوک اپنے سسرال سے بھی نہایت اچھا تھا۔سسر کی وفات کے بعد آپ کی ساس صاحبہ اپنی وفات یعنی 15 سال تک آپ کے ہاں مقیم رہیں۔آپ ان کی بے حد عزت وتکریم کرتے اور خود حضرت اماں جی کہہ کر مخاطب کرتے اور بچوں کو بھی بار بار تاکید کرتے کہ اماں جی کی دلجوئی اور آرام کا خاص خیال رکھیں۔ایک دن اماں جی کو یہ کہتے سن لیا کہ منشی صاحب کی وفات کے بعد میرے پاس کان میں پہننے کے لیے کوئی زیور نہیں تو باوجود اپنی محدود آمدنی کے آپ نے اُن کو سونے کی بالیاں بنوا کر دیں۔اماں جی بھی آپ کی بہت عزت کرتیں اور وفات کے وقت بھی آپ کا نام ہی ان کی زبان پہ تھا۔لیکن افسوس کہ آپ اُن کی وفات کے پانچ منٹ بعد لاہور سے ربوہ پہنچے۔

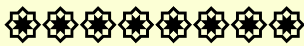
☆محترم مہاشہ صاحب کی بیٹی مکرمہ ثریا غازی صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ اباجان کو صدقے پر بہت یقین تھا۔خود بھی بہت صدقہ دیتے تھے اور ہمیں بھی یہی تلقین کرتے تھے کہ صدقہ دینے میں بہت برکت ہے۔جب میری عمر



غزل

(آدم چغتائی)

جنوں کی موت ہے دل کو اگر قرار ملے
خزاں رسیدہ چمن کو نہ اب بہار ملے
ہجوم یاس سے ممکن نہیں نکل جانا
خدا کرے مری نظروں کو اعتبار ملے
چمن میں عہدِ بہاراں بھی اس طرح آیا
گلوں کے ساتھ ہی جانا ہزار خار ملے
میں بیگناہی کا اپنی کیا ثبوت کیا دیتا
مرے خلاف عدالت میں میرے یار ملے
جو دوسروں کو ستانے میں شاد ہوتے ہیں
راہِ حیات میں وہ لوگ بے شمار ملے
مرے خیال سے آگے ہے میری منزلِ شوق
خدا کرے مجھے عزم کامگار ملے
عجیب راہ پر تو چل پڑا ہے اے آدمؔ
عجب نہیں تجھے ان راستوں پر دار ملے



5سال کی تھی تو امی جان نے میری ممانی کے ساتھ اُن کے گاؤں جانے کا پروگرام بنایا جو بٹالہ سے گیارہ میل کے فاصلے پر تھا اور یہ سفر تانگے پر کرنا پڑتا تھا۔ اباجان ویسے بھی سفر پر جانے سے پہلے صدقہ دینے کی تلقین کرتے تھے۔ لیکن اُس سفر سے ایک رات پہلے مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں اور میرا ماموں زاد بھائی گاڑی سے نیچے گر گئے ہیں۔ مَیں نے اباجان کو اپنا خواب بتایا تو انہوں نے مجھے اسی وقت 16 آنے کی ریزگاری دی کہ جاؤ یہ فلاں بیوہ عورت کو دے آؤ اور امی جان کو تاکید کی کہ بھابھی صاحبہ کو بھی صدقہ دینے کی تاکید کردیں۔ لیکن ممانی نے ایک بچی کی خواب کو اہمیت نہ دی۔ بہرحال جب ہم منزل پر پہنچے تو گھوڑا اچانک بدک گیا اور تانگہ اُلٹ گیا۔ باقی لوگ تو محفوظ رہے لیکن میرے ماموں زاد بھائی کی ٹھوڑی میں لوہے کی راڈ ایک انچ تک کھب گئی۔ بڑی مشکل سے خون بند کیا اور اس کو چارپائی پر ڈال کر ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ بعض لوگ شاید بچوں کی خوابوں کو اتنی اہمیت نہ دیں لیکن اباجان ہمیشہ بہت اہمیت دیتے اور صدقہ کرنے پر بہت زور دیتے تھے۔

اباجان کو اپنے بچے بہت عزیز تھے اور بچپن میں بعض اوقات ہماری ذہنی سطح پر آکر ہم سے سلوک فرماتے اور ہمیں احساس تک نہ ہونے دیتے۔ قادیان میں رمضان کے مہینے میں جب اباجان اور امی جان روزہ رکھنے کے لیے اٹھتے تو ہم بہن بھائی بھی صبح اٹھ کر روزہ رکھنے کی خواہش کرتے۔ رات کو اباجان کو تاکید کرتے کہ ہم نے روزہ رکھنا ہے صبح ہمیں جگا دیں۔ آپ بڑی سنجیدگی سے جواب دیتے کہ ہاں کیوں نہیں۔ چنانچہ ہم صبح اٹھ کر سحری کھا کر روزہ رکھ لیتے۔ لیکن بچپن تھا روزہ رکھنے کی خواہش اپنی جگہ کافی شدید ہوتی لیکن دوپہر کو بھوک برداشت نہ کرسکتے اور بُری حالت ہوجانے کے باوجود روزہ کھولنے پر تیار نہ ہوتے۔ اس پر اباجان نے ایک ایسا حل ڈھونڈا کہ ہماری عزتِ نفس بھی قائم رہے اور ہم کھانا بھی کھالیں۔ آپ نے فرمایا کہ آپ لوگ اپنا روزہ میرے پاس رکھوا دیں اور کھانا کھا کر آکر واپس لے لیں۔ چنانچہ ہم ایسا ہی کرتے اور خوش ہوتے کہ ہمارا روزہ ٹوٹا نہیں اور شام کو سب کے ساتھ مل کر روزہ کھولتے۔

آپ کوشش کرتے کہ ہر کام اپنے ہاتھ سے کریں، کسی کو کام کہنا ان کی طبیعت کو گوارہ نہیں تھا۔ بہت کم کوئی فرمائش کرتے اور جو کام ان کے لیے کیا جاتا اس کے لیے اس قدر احسان مندی کا اظہار فرماتے کہ ندامت محسوس ہونے لگتی۔

اباجان جب بھی باہر سے آتے تو اکثر اچانک ہی پہنچا کرتے۔ آپ کے آنے سے گھر میں ہمیشہ خوشی کی لہر دوڑ جاتی کیونکہ کبھی خالی ہاتھ گھر نہ آتے تھے اور ضرور کچھ تحائف لے کر آتے۔ اگر بازار تک بھی جاتے تو آتی دفعہ کوئی پھل مٹھائی وغیرہ ضرور لے کر آتے۔ مجھے یاد نہیں کہ کبھی خالی ہاتھ گھر لوٹے ہوں۔

مَیں نے جب لاہور جا کر C.T. ٹریننگ لینے کا ارادہ کیا تو آپ نے اجازت دینے سے صاف انکار کردیا۔ آپ لڑکیوں کے ملازمت کرنے کو ناپسند فرماتے تھے اس لیے بار بار لکھنے کے باوجود اجازت نہ دی۔ بالآخر مَیں نے آپ کو لکھا کہ مجھے ربوہ کا پانی موافق نہیں آتا جس کی وجہ سے میری صحت کافی گر گئی ہے اس لیے مجھے ایک سال کے لیے لاہور جا کر پڑھنے کی اجازت دے دیں تاکہ آب و ہوا بدلنے سے میری صحت بحال ہوجائے۔ اس پر آپ نے اجازت تو دے دی لیکن خطوط کے ذریعے ہمیشہ اس بات کا احساس دلاتے رہے کہ تمہارا کوئی قدم ایسا نہ اٹھے جو کسی بھی رنگ میں جماعت یا خاندان کے لیے شرمندگی کا باعث بنے۔ اپنے ایک خط میں آپ نے لکھا: میری بچی یہ خدائی فضل ہے کہ اس نے تمہیں موقع دیا ہے کہ تم آئندہ ترقی کے راستہ پر چل سکو۔ معلوم ہوا ہے کہ تم ہوسٹل میں ہی رہوگی لیکن اس موقع پر میں ایک نصیحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مَیں تم سے کئی سو میل دُور ہوں اور تمہاری امی جان بھی تمہارے پاس نہیں ہیں۔ مجھے تم سے امید ہے کہ تم ایک احمدی لڑکی کی طرح تعلیم حاصل کروگی اور اپنی اس دُوری کو نتیجہ خیز بنانے کی کوشش کروگی۔ لاہور کی فضا بہت گندی اور خراب ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ کا خاص فضل و کرم نہ ہو اس سے محفوظ رہنا مشکل ہے۔ لیکن میں تمہیں ان بچوں سا نہیں سمجھتا جو ماں باپ کی سنت کے خلاف کوئی ایسا کام کریں جو اُن کو دکھ دینے والا ہو۔ تم نے لاہور جا کر میری پریشانی کو زیادہ بڑھا دیا ہے اور میرے تفکّرات میں قدرے اضافہ کردیا ہے۔ لیکن اگر تم نے ایک احمدی بچی کی طرح اپنے تعلیمی ایام گزارے تو میں سمجھوں گا کہ تم نے ماں باپ کی عزت اور وقار کو رکھ لیا۔ یہ صحیح ہے کہ میں بظاہر تمہاری نگرانی نہیں کرسکتا کیونکہ میں تم سے دُور ہوں لیکن یہ بھی خیال رہے کہ

باپ کو اپنی اولاد سے ایسی محبت اور اُنس ہوتا ہے کہ جس سے وہ اپنی اولاد کے اعمال سے بہت حد تک مطلع رہتا ہے اس لیے میری پیاری بچی تم کو کوئی تمہاری سہیلی ایسی بات پر مجبور نہ کرے جو احمدیت کے وقار کے خلاف ہو اور اس کا علم مجھے ہونے پر تم کو ندامت ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم ان تمام باتوں کا خیال رکھو گی لیکن باپ ہونے کی حیثیت سے جو فرض تھا کہ مَیں تم کو نصیحت کروں تاکہ خدا نخواستہ بعض سہیلیوں کے مجبور کرنے پر ایسا قدم نہ اٹھاؤ جس سے مجھے تکلیف ہو۔ احمدیت نے جس سے روکا ہے اس کو کبھی نہ دیکھو خواہ کچھ ہو۔ یہ میرا حکم ہے۔ اور نہ ہی ہوسٹل سے باہر کسی کے مکان پر جاؤ خواہ کوئی ہو۔ اپنی اس جان کو اپنی خیریت سے اطلاع دیتی رہا کرو۔ نیز حضرت صاحب کو بھی کبھی کبھی خط لکھتی رہا کریں۔ اس میں تمہارا بھلا ہوگا۔ امید ہے کہ تم میری نصائح پر عمل کرو گی اور خدا وہ دن نہ لائے کہ تم سے مجھے کوئی تکلیف ہو۔ اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ہو اور تمہارا نگہبان اور حافظ ہو۔

شادی کے بعد میری 5 بیٹیاں اُن کی زندگی میں پیدا ہوئیں۔ ہر بچی کی پیدائش پر ابا جان کا اس قدر تسلی سے لبریز خط آجاتا کہ یوں لگتا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا سے بڑھ کر ہمیں ہی عزت دی ہے اور اپنی راحت کو ہمارے گھر بھیجا ہے مگر افسوس کہ آپ میرے بیٹے کی پیدائش سے قبل وفات پا گئے۔

مَیں نے جب سے ہوش سنبھالی اپنی بیٹھک میں کسی نہ کسی مہمان کو رہتے دیکھا جس کے کھانے اور دیگر ضروریات کا خرچ ابا جان نے اٹھایا۔ مکرم قاضی غلام نبی صاحب مرحوم جو ابا جان کے گاؤں کے رہنے والے تھے اور یتیم تھے، ہماری بیٹھک میں رہے۔ ابا جان نے 10 روپے ماہوار پر اُن کو نوکری دلوا دی۔ یہ رقم وہ اپنی بیوہ ماں اور بھائی بہنوں کے لیے بھجوا دیتے اور اُن کا خرچ ابا جان خود برداشت کرتے رہے۔ بعد میں اُن کے اہل وعیال کو بھی بلوا لیا اور وہ ہمارے ہاں کافی دیر تک مقیم رہے۔ مکرم خورشید احمد صاحب سیالکوٹی بھی کافی عرصہ ہمارے ہاں مقیم رہ کر اپنی تعلیم مکمل کرتے رہے۔ اسی طرح ایک ریاض صاحب بھی تھے جو تقریباً تین سال ہمارے پاس مقیم رہے۔ جلسہ سالانہ پر تو بڑی باقاعدگی سے کئی فیملیاں ہمارے ہاں ٹھہرا کرتی تھیں۔

ایک دفعہ ابا جان دورے سے واپس تشریف لائے تو اُن کے ساتھ ایک لڑکا

جب اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے ذریعے دعا کی جاتی ہے

عبد اللہ بن بریدہ اسلمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ان الفاظ میں دعا کرتے ہوئے سنا کہ اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ایک ہے، بے احتیاج ہے، نہ تو نے کسی کو جنا اور نہ تو جنا گیا۔ اور نہ تیرا کبھی کوئی ہمسر ہوا۔ راوی کہتے ہیں پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس (شخص) نے اللہ تعالیٰ سے اس کے اسم اعظم کے ذریعے دعا کی ہے، جب اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے ذریعے دعا کی جاتی ہے تو وہ قبول کرتا ہے اور جب اسم اعظم سے مانگا جاتا ہے تو وہ دیتا ہے۔

(سنن ترمذی کتاب الدعوات۔ باب ماجاء فی جامع الدعوات عن رسول اللہؐ حدیث:3475)

تھا۔ آپ نے بتایا کہ یہ نومسلم ہے اور قادیان میں رہ کر اسلامی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ ہماری بیٹھک میں رہنے لگا اور ہمارے گھر سے کھانا کھاتا تھا۔ اُس کا اسلامی نام نصر اللہ رکھا گیا۔ بظاہر وہ بہت اخلاص کا اظہار کرتا اور اُس نے بہت جلد محلے میں اپنا اعتبار قائم کر لیا۔ قریباً چھ ماہ بعد جب امی جان کو دو تین دن کے لیے نانی جان کے گھر جانا پڑا اور ابا جان دورے پر تھے تو نصر اللہ نے پیٹی کا تالہ کھولا اور اس میں سے 140 روپے نکال لیے، بعض قیمتی چیزیں بھی اٹھا لیں اور بازار سے ابا جان کے نام پر ایک سائیکل لے کر بھاگ گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ لاہوری جماعت کے پاس چلا گیا اور کہا کہ میں قادیان سے آیا ہوں لیکن مرزا صاحب کو نبی ماننے کو میرا دل نہیں مانتا۔ اس پر انہوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ لیکن کچھ دنوں بعد اس نے وہاں سے تین سو روپے چوری کیے اور بھاگ گیا۔ ابا جان نے تو افسوس ہی کیا لیکن امی جان سخت ناراض ہوئیں کہ ہر ایک پر اعتبار کر لیتے ہیں۔

☆ محترم مہاشہ صاحب کے بیٹے مکرم نصیر احمد ظفر صاحب (ریجنل امیر، ساؤتھ ریجن یوکے) بیان کرتے ہیں کہ ابا جان نے بچپن سے ہی ہمیں نماز کی

عادت ڈالنے کی کوشش کی۔ جب بھی ربوہ میں ہوتے تو نماز فجر کے لیے ہمیں بڑے پیار سے جگاتے۔ تہجد اور نماز فجر کے بعد بڑی دیر تک دعاؤں میں مشغول رہتے۔ درثمین کے اشعار بڑے ذوق سے پڑھتے۔ حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب ہمارے محلہ میں ہی رہتے تھے اور اکثر نماز عصر یا مغرب کے بعد مجھے اور میرے برادر اکبر منیر احمد صاحب کو مسجد سے نکلتے ہوئے اپنے ساتھ ہی لے کر چلتے اور اپنا گھر آنے تک ہم دونوں سے مختلف دعائیں اور قرآنی آیات سنتے جاتے۔ ایک دن ابا جان گھر آئے تو بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔ فرمایا کہ آج حضرت شاہ صاحب نے بچوں کی تعریف کر کے مجھے خوش کر دیا۔...... ابا جان کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ آپ نے ہم دونوں بھائیوں کو انعام کے طور پر کچھ پیسے بھی دیے۔

ابا جان نے اپنے بچوں کو کبھی بدنی سزا نہیں دی سوائے ایک بیٹے کو غالباً زندگی میں پہلی اور آخری بار مارا جب آپ کو معلوم ہوا کہ اُس نے سگریٹ نوشی شروع کر دی ہے۔ ورنہ اگر کبھی غصہ آیا بھی تو گھر سے باہر چلے جاتے اور جب ناراضگی دُور ہو جاتی تو واپس تشریف لے آتے۔ مجھے بچپن میں مٹی کھانے کی عادت تھی۔ ایک دن ابا جان نے مجھے ڈرانے کے لیے ڈنڈا پکڑا کہ خبردار آئندہ مٹی نہ کھانا۔ وہ ڈنڈا صرف پکڑنے اور ڈرانے کی حد تک ہی تھا۔

ابا جان کو جانوروں سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا۔ لیکن ہم نے اپنے گھر ربوہ میں ایک کتا اور ایک بلی پال رکھی تھی۔ آپ اگرچہ کتے کو پسند نہ کرتے تھے مگر جب ہم سے کبھی اس کو کھانا یا پانی دینے میں کوتاہی ہو جاتی تو ناراضگی کا اظہار فرماتے اور پھر اپنے ہاتھ سے اس کو پانی اور خوراک وغیرہ دیتے اور کہتے کہ یہ معصوم جانور تم نے رکھا ہوا ہے تو اس کی ضروریات کا بھی خیال رکھا کرو۔

ابا جان اپنی ذات کے لیے کوئی تکلّف نہ کرنے دیتے اور نہ ہی کوئی توقع رکھتے۔ اگر کوئی چیز دستیاب ہوگئی تو ٹھیک ورنہ کوئی تردّد نہ کرتے۔ کسی پکی ہوئی چیز میں نقص نہیں نکالا۔ جو مل گیا جیسا مل گیا کھا لیا۔ میری والدہ محترمہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ رمضان کے دوران وہ سالن میں نمک ڈالنا بھول گئیں۔ روزے کی وجہ سے سالن چکھ نہ سکیں۔ روزہ کھول کر ابا جان نے بڑے اطمینان سے وہ پھیکا سالن کھا لیا۔ بعد میں امی جان کو علم ہوا تو پوچھا کہ بالکل پھیکا اور بدمزہ کھانا کیوں کھا لیا؟ فرمایا کہ مجھے آپ کے پکائے ہوئے پر اعتراض کرنا مناسب نہیں معلوم ہوا۔

ہمارے بچپن میں ابا جان کا زیادہ وقت باہر ہی گزرتا لیکن جب کبھی واپس آتے تو ہماری عید ہو جاتی۔ آپ ہماری بات نہیں ٹالتے تھے۔ سکول جاتے وقت امی جان سے پیسے مانگنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی لیکن جب آپ گھر میں ہوتے تو ہم دروازے کی اوٹ میں کھڑے ہو کر آپ کو اشارے سے باہر بلاتے۔ آپ خاموشی سے باہر آتے اور ہمارے ہاتھ پر پیسے رکھ کر واپس چلے جاتے۔ آپ کو اپنی اولاد سے بے حد محبت تھی لیکن اس کے باوجود ہمیں اچھی طرح معلوم تھا کہ ابا جان کس بات کو برداشت کریں گے اور کس کو نہیں۔ ہماری کوئی حرکت احمدیت کے وقار کے خلاف برداشت نہیں کرتے تھے خواہ وہ کتنی معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ جہاں جماعت اور خلافت کا معاملہ آتا تو فوراً کہہ دیتے کہ اگر تم نظام جماعت کی پابندی کرو گے اور خلافت کی مکمل غیر مشروط اطاعت کرو گے تو میرے ہو ورنہ مَیں نے اس دین کی خاطر اپنے ماں باپ اور دوسرے عزیز چھوڑ دیے، تم کیا چیز ہو۔

مجھے بعض اوقات تعجب ہوتا تھا کہ ایک شخص جو ہندو گھرانے میں پیدا ہوا اور اسی ماحول میں پلا بڑھا اس کو اسلام کی کس قدر غیرت تھی۔ اپنے بچپن میں جب ہم ربوہ میں صدر انجمن کے کوارٹرز میں رہتے تھے۔ مَیں ایک دن اپنی طرح میں ایک اردو گانے کے بول گانے کی کوشش کر رہا تھا کہ رام رحیم ایک ہیں۔ اس پر ابا جان نے سن کر فرمایا کہ مَیں تو رام کو چھوڑ کر ادھر آیا تھا تم نے اس کو کہاں سے پھر پکڑ لیا ہے۔ پھر بڑے جلال سے فرمایا کہ رام اور رحیم ایک کیسے ہو سکتے ہیں!

☆ مکرم محمد عبدالرشید صاحب حیدرآبادی بیان فرماتے ہیں: مولانا مہاشہ محمد عمر صاحب سے خاکسار کی پہلی ملاقات مسجد احمدیہ ڈھاکہ میں ہوئی جہاں مسجد سے ملحقہ ایک کمرے میں خاکسار 1957ء میں مقیم رہا۔ آپ بھی وہیں رہتے تھے۔ رات کبھی آنکھ کھل جاتی تو مولانا کے رونے کی آواز آتی۔ وہ تہجد میں گڑگڑا کر دعائیں مانگتے۔ نماز فجر کے لیے خاکسار کو بہت ہی پیار سے جگاتے۔ ہمیشہ نصیحت فرماتے کہ نماز کو کسی حالت میں ترک نہ کرنا، نماز ہی نجات کا ذریعہ ہے۔

آپ بہت بلند پایہ عالم دین، دعا گو اور با اخلاق مبلغ سلسلہ تھے۔ نہایت پُر مغز گفتگو کرتے اور ہر کسی کا دُکھ اتنے غور سے سنتے کہ سنانے والے کو اُن کی ہمدردی کا یقین ہو جاتا۔ بہت ہی سادہ زندگی گزارتے۔ خاکسار نیا نیا ڈھاکہ میں وارد ہوا تو بہت کوشش کر کے بھی ملازمت نہ ملی۔ آپ نے ایک دن خود پوچھا اور مجھے شاہنواز لمیٹڈ لے گئے اور کام پر رکھوا دیا۔ احمدیوں کے علاوہ غیروں سے بھی ان کے خاص تعلقات تھے۔ اس زمانہ میں پاکستانی سیاست میں بہت ہیجان تھا۔ بڑے بڑے سیاسی رہنما آپ سے ملتے اور مشورہ لیتے۔ ان رہنماؤں میں مسلم لیگ اور عوامی لیگ (دونوں جماعتوں) کے لیڈر ہوا کرتے تھے۔ یہ سب مولانا کے مشورے کو بہت اہمیت دیتے۔

☆ مکرم مبشر احمد گوندل صاحب بیان کرتے ہیں کہ محترم مہاشہ صاحب کی حیدرآباد میں تعیناتی کے دوران آپ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ انتہائی سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ آپ کی علمیت کا اندازہ اس وقت ہوتا جب آپ تقریر کر رہے ہوتے یا کسی اعتراض کا جواب دے رہے ہوتے۔ ایک جماعت میں خاکسار کو آپ کے ساتھ جانے کا موقع ملا جہاں دو بھائیوں کی اولاد آباد تھی جن کی آپس میں کشیدگی تھی۔ آپ نے فریقین کو بٹھا کر کافی سمجھایا۔ گرمیوں کے دن تھے، مسجد سے باہر ہماری دو چارپائیاں بچھائی گئیں۔ جب لوگ چلے گئے تو آپ نے مجھے کہا کہ چلو مسجد میں جا کر ان لوگوں کے لیے دعا کریں۔ ہم دونوں مسجد میں جا کر نفل ادا کرنے لگے۔ خاکسار کچھ وقت میں چار نفل ادا کر کے چارپائی پر آ کر سو گیا۔ کافی دیر کے بعد مجھے کسی کی سسکیوں کی آواز آئی۔ ساتھ والی چارپائی خالی تھی۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ مربی صاحب بدستور دعا میں مصروف ہیں۔ مجھے تو پھر نیند نے آلیا۔ صبح فجر کی نماز کے لیے جب بیدار ہوا تب بھی آپ مسجد میں موجود تھے۔ مجھے احساس ہوا کہ آپ ساری رات بستر پر نہیں آئے۔ صبح ناشتے کے دوران مَیں نے پوچھ ہی لیا تو کہنے لگے ان دونوں بھائیوں کے آپس میں حالات دیکھ کر ان کے لیے دعا کا موقع مل گیا تھا اور تھوڑی دیر صف پر لیٹ کر کمر سیدھی کر لی تھی۔

☆ حضرت مہاشہ صاحب بتایا کرتے تھے کہ 1943ء میں ایک تبلیغی دورہ کے دوران محترم گیانی عباد اللہ صاحب اور مولوی عبدالمالک خان صاحب کے ساتھ میں ایک ایسے شہر میں پہنچا جہاں جنگ عظیم کی وجہ سے پٹرول کا ایک بہت بڑا سرکاری ذخیرہ رکھا گیا تھا۔ جب ہم اس شہر میں وارد ہوئے تو پولیس نے روک لیا اور نام پوچھے۔ میرا نام مسلمانوں والا اور ساتھ مہاشہ اور اسی طرح گیانی صاحب کا نام مسلمانوں والا اور ساتھ گیانی کا لقب دیکھ کر پولیس نے کہا کہ اسی وقت یہ شہر چھوڑ دو کیونکہ ہم تمہاری حفاظت کی ذمہ داری نہیں لے سکتے۔ اس پر ہم وہاں سے گجرات کاٹھیاواڑ آ گئے اور ایک مسجد میں ورود کیا۔ امام مسجد کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہم احمدی ہیں تو ہم کو مسجد سے نکل جانے کو کہا۔ ہم نکل کر وہاں کے راجہ صاحب کے محل پر پہنچے۔ جب اُن تک رسائی ہوئی اور ہم نے اپنا تعارف کرایا تو انہوں نے ہمیں سرکاری مہمان خانے میں ٹھہرایا اور اپنی ایک کار ڈرائیور کے ساتھ ہمارے استعمال کے لیے دی۔ نیز شام کا کھانا اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دی۔ ہم اس کار میں سوار ہو کر شہر کی سیر کے لیے نکلے تو اس مسجد کی طرف بھی گئے جہاں سے ہمیں نکالا گیا تھا۔ مولوی صاحب سرکاری جھنڈے والی کار دیکھ کر بھاگتے ہوئے مسجد سے باہر آئے لیکن کار میں ہمیں دیکھ کر گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ آپ لوگ تو بلاوجہ چلے گئے، مَیں تو مذاق کر رہا تھا، آپ جب تک چاہیں مسجد میں قیام کر سکتے ہیں۔ اس پر ہم نے کہا کہ مولانا! ہم یہاں قیام کرنے نہیں آئے، راجہ صاحب نے ہمیں کھانے کی دعوت دی ہے اور کیونکہ آپ نے ہمارے ساتھ بہت شفقت کا سلوک فرمایا تھا اس لیے ہم آپ کو بھی لینے آئے ہیں۔ اس پر وہ شرمندہ ہوئے اور ساتھ ہی اطمینان کا سانس لیا کہ ہم نے راجہ صاحب کے پاس اُن کی شکایت نہیں کی۔

☆ محترم ماسٹر محمد شفیع اسلم صاحب بیان کرتے ہیں کہ 1923ء میں آریہ قوم نے ہندوستان کے صوبہ یوپی میں بے خبر اور غریب مسلمانوں کو شدھ (مرتد) کرنا شروع کر دیا تھا اور تھوڑے سے عرصہ میں تیرہ ہزار مسلمانوں کو مرتد کر لیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سینکڑوں آنریری مجاہد بیک وقت میدان شدھی میں بھیج دیے جنہوں نے چند ماہ میں اس کا نقشہ ہی بدل دیا اور ایک سال کے اندر اندر گیارہ ہزار مُرتد دوبارہ مسلمان بنا لیے۔ خاکسار نے مستقل طور پر کئی سال اس میدان میں سادھو بن کر کام کیا۔ مہاشہ صاحب کو ابھی تھوڑا عرصہ ہی اسلام لائے ہوا تھا مگر آپ نے وہاں بڑے بڑے پنڈتوں سے کامیاب

مناظرے کیے۔

☆ محترم مہاشہ صاحب کیونکہ فاضل سنسکرت تھے اس لیے ہندوؤں سے مناظرہ میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ظہور احمد صاحب ''کشمیر کی کہانی'' میں لکھتے ہیں:

''گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے کے مصداق ہندو مہاشہ کے مقابلہ پر مسلم مہاشہ پر نظر پڑی اور پنجاب سے مہاشہ محمد عمر نامی ایک مستعد فاضل سنسکرت مسلم مبلغ کو وہاں بھجوایا گیا۔ جس نے اس حوالہ اور جرأت سے ہندو مہاشوں کو للکارا اور ہر مقام پر انہیں دلائل کے واروں سے ایسا عاجز کیا کہ انہیں یہ میدان چھوڑتے ہی بنی۔''(صفحہ 30)

☆ محترم مہاشہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ شدّھی تحریک کے دوران ایک دن ہمارا وفد نگر یا جواہر پہنچا جہاں کے تمام مسلمان مُرتد ہو گئے تھے۔ گاؤں والوں نے کہا کہ آپ لوگ یہاں سے نکل جائیں ورنہ جبراً نکال دیا جائے گا۔ چنانچہ ہم وہاں سے رات گیارہ بجے کے قریب نکلے۔ راستہ دریائے گنگا کے کنارے کنارے تھا۔ رات اندھیری تھی جس کی وجہ سے کافی دِقّت ہوتی تھی۔ چوہدری وزیر محمد صاحب آگے آگے چلتے اور پھر کھڑے ہو کر آواز دیتے کہ آجاؤ راستہ ٹھیک ہے تو ہم سب آگے چل دیتے۔ ایک مقام پر راستہ نہایت خطرناک تھا کیونکہ وہاں پر ایک نالہ گنگا میں آ کر گرتا تھا۔ اسی اثنا میں دریائے گنگا سے ایک چراغ نمودار ہوا جو بڑھتے بڑھتے اونچے منارے کے برابر ہو گیا اور ہمارے بالکل قریب آ گیا جس کی وجہ سے ہم نے وہ خطرناک راستہ آسانی کے ساتھ طے کر لیا۔ مَیں چونکہ نیا نیا مسلمان ہوا تھا اس لیے مَیں ڈر کر میاں محمد یامین صاحب مرحوم کے ساتھ چمٹ گیا کہ شاید کوئی بھوت چڑیل نہ ہو۔ میری گھبراہٹ کو دیکھ کر انہوں نے کہا:''میاں فکر نہ کرو یہ خدائی آگ ہے جو تمہاری راہنمائی کے لیے خدا تعالیٰ نے بھیجی ہے۔''

یہ پہلا نشان تھا کہ جو اللہ تعالیٰ نے مجھے صداقتِ اسلام کا دکھایا۔☆ کشمیر کے مسلمانوں کی خدمت کی توفیق بھی آپ کو ملی۔ آپ کو حضورؓ نے خاص طور پر کشمیر بھجوایا تا کہ مسلمانوں کو اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھانے کی ہمت دلائیں۔ آپ بتاتے تھے کہ ایک دفعہ ایک جلسہ میں مجھے تقریر کرنی تھی اور مجھے یقین نہیں تھا کہ زندہ بچ کر وہاں سے نکل آؤں گا۔ اس دن مَیں نے سر پر کفن باندھ کر تقریر کی۔ اور محض اللہ تعالیٰ نے وہاں سے بچ کر نکل آنے کی راہ نکال دی۔

☆ محترم مہاشہ صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ریاست جموں و کشمیر میں گائے کا مارنا جرم تھا اور جو کوئی گائے کو ذبح کرتا حکومت کی طرف سے اس کو دس سال قید کی سزا تھی۔ چنانچہ انہی ایام میں ایک گاؤں میں بعض مسلمانوں نے ایک گائے کو ذبح کیا۔ ہائی کورٹ نے ماتحت عدالت کی سزا کم کر کے تین سال کر دی۔ اس پر تمام ریاست میں خطرناک احتجاج شروع ہو گیا۔ ہندوؤں نے گائے کی حرمت ثابت کرنے کے لیے ہندوستان کے بڑے بڑے وِدْوان پنڈتوں کو بلوایا اور مسلمانوں کو اخبارات اور اشتہارات کے ذریعے بحث کرنے کا چیلنج دیا کہ کیا ہندو دھرم کی تعلیم کے مطابق گائے مارنا پاپ ہے یا نہیں۔ مکرم چوہدری عبدالواحد صاحب امیر جماعت کشمیر کی درخواست پر حضورؓ نے مجھے ہدایات دے کر وہاں بھیجا۔ میں نے جاتے ہی اخبار ''اصلاح'' سرینگر میں ہندوؤں کے چیلنج کو منظور کرتے ہوئے متواتر مضامین لکھے اور اپنے حوالوں کا جواب دینے پر ہزار روپیہ انعام مقرر کیا۔ اسی طرح اشتہارات میں مناظروں کا چیلنج دیا۔ اس پر حکومت اور ہندو اتنے گھبرائے کہ مہاراجہ کے پولیٹیکل سیکرٹری نے مکرم چوہدری صاحب اور خاکسار کو بلوایا اور کہا کہ اس وقت ریاست میں سخت بدامنی ہے۔ ہندو اور مسلمانوں کے جذبات ابھرے ہوئے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اس وقت آپ گائے کے کھانے پر مضامین نہ لکھیں۔ ہم ہندوؤں کو بھی منع کر دیں گے۔ چوہدری صاحب نے فرمایا کہ چیلنج تو ہندوؤں نے دیا ہے۔ وہ اپنا چیلنج واپس لے کر معذرت کریں تو ہم بھی کچھ نہیں لکھیں گے۔ لیکن جب تک وہ اپنا چیلنج واپس نہیں لیں گے ہم اس مضمون پر لکھتے رہیں گے۔

آخر جب ہمارے بار بار ہندوؤں کو مناظرہ کے لیے بلانے کے ان کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ سامنے آتے تو تحریری طور پر انہوں نے لکھ کر دیا کہ بدامنی سے چونکہ حکومت بھی پریشان ہے اس لیے ہم نے حکومت کے مشورے سے چیلنج کو واپس لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگرچہ یہ فیصلہ ہمارے لیے کٹھن اور بے عزتی ہے لیکن امن کی خاطر اس کو واپس لیتے ہیں۔ گورنمنٹ کو چاہیے کہ وہ احمدی جماعت کو بھی پابند کرے کہ وہ آئندہ اس مضمون پر نہ تو اخبارات میں کچھ لکھے اور نہ ہی اشتہارات کے ذریعہ اس کی اشاعت کرے۔ چنانچہ پولیٹیکل سیکرٹری

نے ہمیں بلا کر ہندوؤں کی یہ تحریر ہمارے سامنے رکھ کر کہا کہ انہوں نے اپنا چیلنج واپس لے لیا ہے۔

☆ محترم مہاشہ صاحب نے کئی سال جلسہ سالانہ کے مواقع پر تقاریر بھی کیں۔ نیز حکومت پاکستان کے کہنے پر ریڈیو پاکستان سے بلا معاوضہ متعدد تقاریر فرمائیں تا کہ اس پروپیگنڈا کا اثر زائل کیا جائے جو بھارتی ریڈیو آکاش وانی سے پاکستانی ہندوؤں کو گمراہ کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔

☆ آپ نے سندھ میں اچھوتوں میں تبلیغ اسلام کا کافی کام کیا۔ دل کی تکلیف کے باوجود سارے تھر کا دورہ اونٹوں پر بیٹھ کر کیا کرتے تھے۔

☆ محترم مہاشہ صاحب اپنے وقت کے ایک عظیم الشان مناظر تھے۔ ہندوستان کے طول وعرض میں کوئی ہندو عالم یا پنڈت ایسا نہیں تھا جو آپ کے مقابل پر آنے کی جرأت کرتا۔ ہندی اور سنسکرت کے علاوہ عربی اور قرآن کریم کے علم نے ان کو دو دھاری تلوار بنا دیا تھا۔ آپ توکّل کے اعلیٰ مقام پر بھی فائز تھے۔ چنانچہ ایک بار آپ کا مناظرہ کسی غیر احمدی عالم سے تھا۔ دوران مناظرہ آپ نے فرمایا کہ میں نے حضرت مرزا صاحب کو سچا سمجھ کر مامور زمانہ مانا ہے۔ اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ آپ حلف اٹھائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں پورے شرح صدر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر یہ حلفیہ اعلان کرتا ہوں کہ میں نے حضرت مرزا صاحب کو سچا سمجھ کر مانا ہے۔ اگر نعوذ باللہ آپؑ جھوٹے ہیں تو اس کا عذاب اللہ تعالیٰ مجھ پر اور میری اولاد پر نازل فرمائے۔ اور ساتھ ہی مولوی صاحب کو چیلنج کیا کہ آپ کے ایمان کے مطابق حضرت مرزا صاحب جھوٹے ہیں اور اپنے دعویٔ نبوت میں سچے نہیں۔ آپ یہ حلف اٹھائیں کہ اگر مرزا صاحب سچے ہیں تو آپ پر اور آپ کی اولاد پر عذاب نازل ہو۔ مولوی صاحب کی بیوی بھی سامعین میں شامل تھی۔ اس نے فوراً اپنے شوہر کو پیغام بھجوایا کہ خبردار میری اور میرے بچوں کی قسم نہ کھانا۔

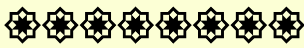
☆ ایک مناظرہ ہندو آریہ مت کے ایک پنڈت سے مسئلہ نیوگ پر ہو رہا تھا۔ پنڈت صاحب نیوگ کے حق میں دلائل دے رہے تھے اور اس کے فوائد گنوا رہے تھے۔ جب مکرم مہاشہ صاحب کی باری آئی تو آپ نے پنڈت صاحب سے کہا کہ آپ کے دلائل اپنی جگہ، میں آپ کی بات پر تب یقین کروں گا جب



غزل

(آدم چغتائی)

حرفِ حق بھی جرم ہے الفاظ پر تعزیر ہے
یا الٰہی، اہلِ دل کی کیا یہی تقدیر ہے
کِبر سے بڑھ کر کوئی انسان کا دشمن نہیں
اِنکساری میں نہاں انسان کی توقیر ہے
بے خطر ہیں اہلِ شر کی فتنہ سامانی سے وہ
جن کے سینوں میں بسی اخلاص کی تنویر ہے
دینِ مُلّاں مختلف ہے، دینِ حق ہے مختلف
زاویہ گرچہ جدا ہیں ایک ہی تصویر ہے
ظلمتوں میں نور کی تنویر دینِ مصطفیٰ
اتباعِ دینِ حق انسان کی توقیر ہے
بے کس و مظلوم پر کرتا ہے وہ لطف و کرم
درد مندوں کے لئے وہ صاحبِ تدبیر ہے
کیا ڈراتا ہے تو آدمؔ کو وہ اکیلا نہیں
ساتھ اُس کے ہر قدم ہر مالکِ تقدیر ہے



ان عورتوں میں سے کوئی ایک اُٹھ کر یہ کہہ دے کہ وہ نیوگ کرواتی رہی ہے۔ اس وقت پنڈال میں درجنوں عورتیں موجود تھیں۔ آپ کی بات سن کر عورتیں وہاں سے اٹھ کر بھاگیں اور چند منٹ کے اندر پنڈال عورتوں سے خالی ہو گیا۔

☆ ایک بار محترم مہاشہ صاحب اور محترم گیانی واحد حسین صاحب کا سکھوں کے ساتھ مناظرہ ہوا تو سکھ مناظر نے کوئی جھوٹا حوالہ پڑھ دیا۔ آپ کے پوچھنے پر گیانی صاحب نے بتایا کہ ایسا کوئی حوالہ موجود نہیں۔ اس پر آپ نے بھی خود ہی ایک تحریر بنائی اور جواب میں پڑھ دی جسے سن کر سکھ حضرات بہت تلملائے اور آپ سے حوالہ مانگا۔ آپ نے جواباً کہا کہ جس صفحے پر آپ والا حوالہ لکھا ہوا ہے اُس سے اگلے صفحے پر یہ حوالہ موجود ہے۔ اس پر سکھ مناظر نے سٹیج پر آ کر

اپنی بددیانتی کا اقرار کیا۔جس پر سکھ شرفاء نے اُس پر بہت طعن کیا۔

☆ اکتوبر 1938ء میں بدوملہی میں آریہ سماج کے پنڈت رام چندر دھوری کے ساتھ مکرم مہاشہ صاحب کا مناظرہوا۔آپ نے اپنی تقریر میں ایک حوالہ پیش کیا لیکن یہ کتاب آپ کے پاس نہیں تھی۔آپ بیان کرتے ہیں کہ پنڈت رام چندراس حوالہ کے دکھانے کا مطالبہ کرنے لگے۔آخران کو معلوم ہو گیا کہ اصل کتاب ان کے پاس نہیں ہے۔اس اثنا میں ایک شخص سیٹھ ہاڑی مل میز پر کھڑا ہو کر زور زور سے بولنے لگا اور مطالبہ کیا کہ یہ حوالہ دکھادو تو میں مع اپنے خاندان کے مسلمان ہو جاؤں گا اور پچاس ہزار کی جائیداد بھی دے دوں گا۔اس کے اس مطالبہ سے عوام میں ایک ہیجان سا پیدا ہو گیا اور خود احمدی بھی اس سے بہت بری طرح متاثر ہوئے۔حضرت مولوی راجیکی صاحب میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔فرمانے لگے: کیا بات ہے؟ مَیں نے عرض کیا حوالہ تو درست ہے لیکن میرے پاس کتاب موجود نہیں۔اس پر آپؓ وضو کر کے نماز کے لیے تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی کہ اے اللہ! تُو نے مسیح موعود علیہ السلام کو یہ الہاماً فرمایا ہے کہ

انی معین من اراد اعانتک وانی مھین من اراد اھانتک ،

اس وقت تیرے مسیح کی اہانت ہورہی ہے۔اسی وقت محترم مولوی غلام مصطفی صاحب مرحوم میرے پاس آئے اور کہا کہ کون سی کتاب ہے، شاید ہمارے گھر ہو۔مَیں نے غصہ میں کہا کہ آپ کے پاس وہ کتاب کیسے ہوسکتی ہے؟ لیکن انہوں نے اصرار کیا کہ آپ کتاب کا نام لیں۔مَیں نے جب کتاب کا نام لیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے گھر میں ایک بہت بڑی کتاب ہے شاید وہ ہو۔وہ دوڑ کر لائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہی کتاب تھی اور حوالہ موجود تھا۔میں کتاب کو لے کر میز پر چڑھ گیا اور سیٹھ ہاڑی مل سے کہا کہ اب چوٹی کٹوانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔پھر مَیں نے جب اونچی آواز سے وہ حوالہ پڑھا تو مجمع میں سناٹا چھا گیا اور آریہ سماجی پنڈت مع سیٹھ ہاڑی مل اور دیگر ہندو بھاگ گئے۔مسلمانوں نے خوشی میں ڈھول لے کر تمام گاؤں میں اعلان کیا کہ سیٹھ ہاڑی مل مسلمان ہو گیا، اب وہ مسجد میں آکر کلمہ پڑھے۔لیکن سیٹھ ہاڑی مل ایک ہفتہ تک اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا اور اسی دوران میں وہ مرگیا۔

☆ مکرم مہاشہ صاحب بیان فرماتے ہیں کہ جون 1939ء میں آریہ سماج دہلی نے اپنی گولڈن جوبلی منائی اور تمام مذاہب کے علماء کو آریہ سماج کے سٹیج پر آکر اختلافی مسائل پر بات چیت کرنے کی دعوت دی۔چنانچہ اہلِ حدیث کی طرف سے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری پیش ہوئے اور آریہ سماج کی طرف سے پنڈت دھرم بھکشو صاحب پیش ہوئے۔جس مسئلہ پر گفتگو ہونی قرار پائی وہ ''حدوث روح ومادہ'' تھا۔آریہ سماج کا یہ عقیدہ ہے کہ روح ومادہ قدیم ہیں جو ازل سے چلے آتے ہیں اور خدا تعالیٰ ان کا خالق نہیں ہے۔حالانکہ اسلام کی رُو سے یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ ہیں۔

دورانِ مناظرہ دھرم بھکشو صاحب نے ایک آیت کریمہ کو غلط طریقے پر پڑھا تو مولوی صاحب نے فوراً اس پر استہزاء کرتے ہوئے ٹوکا کہ آریہ سماج کے مشہور ترین مناظر کو عربی کی آیت صحیح نہیں پڑھنی آتی۔اس پر پنڈت جی نے کہا کہ بیشک میں عربی کے الفاظ غلط پڑھتا ہوں مگر پڑھ ضرور لیتا ہوں۔لیکن آپ تو ہندی زبان کا ایک لفظ بھی نہیں پڑھ سکتے۔میں کتاب پر نشان لگا کر دیتا ہوں آپ اس کو پڑھ دیں اور یہ دس روپے انعام لے لیں۔ساتھ ہی پنڈت جی نے دس روپے کا نوٹ نکال کر رکھ دیا۔اس پر مجمع میں سناٹا چھا گیا۔مولوی صاحب اس چیلنج کو منظور نہ کرسکے اور اسی حال میں مناظرہ تتر بتر ہو گیا۔مسلمانوں کا شرم سے برا حال تھا۔

اسی دن شام کو مسلمانوں کا ایک وفد بابو نذیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ دہلی کے پاس گیا اور درخواست کی کہ ہندو مناظر سے مناظرہ کرنے کے لیے جماعت احمدیہ اپنا کوئی مناظر بھیجے۔جماعت احمدیہ نے پنڈت جی سے مناظرہ کرنے کے لیے مجھے بھیجا۔مہاشہ فضل حسین صاحب میرے معاون تھے۔اگلے روز مناظرہ ہونا قرار پایا اور گفتگو کا موضوع ''کیا وید کامل الہامی کتاب ہے یا قرآن شریف'' مقرر کیا گیا۔دورانِ مناظرہ میں نے وید کی رُو سے خدا تعالیٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے دو منتر پیش کیے۔ایک منتر کی رُو سے خدا تعالیٰ کھانے پینے والی ہستی ثابت کی گئی ہے اور دوسرے منتر میں یہ پرارتھنا تھی کہ 'خدا ہماری چیزیں مت چرا اور مت چروا'۔اس پر دھرم بھکشو نے یہ چیلنج کیا کہ اس منتر کے یہ معنی نہیں ہیں بلکہ اس منتر سے خدا تعالیٰ سے دعا کی گئی

ہے کہ وہ ہمارے سامان کی حفاظت کرے۔ جب میری باری آئی تو میں نے جان بوجھ کر اس مسئلہ کے متعلق خاموشی اختیار کی۔ پنڈت جی نے سمجھا کہ مجھ سے کوئی جواب نہیں بن آیا لہٰذا وہ شیر ہو گئے اور نہایت زور دار آواز میں للکارتے ہوئے کہا کہ مرزائی مبلغ نے نہایت کذب وافترا اور دیدہ دلیری سے کام لیا ہے۔ اگر یہ ثابت کردے کہ ان منتروں کے معانی وہی ہیں جو اس نے بیان کیے ہیں تو میں ابھی اپنی چوٹی کٹوا دوں گا یعنی میں اپنی ہار مان لوں گا۔ اور اگر وہ یہ ثابت نہ کر سکے تو وہ آریہ سماجی ہو جائیں۔ مَیں نے اس بات کے جواب میں کہا کہ اصولاً یہ بات صحیح نہیں کہ اگر میں یہ بات ثابت نہ کر سکوں تو اپنے مذہب کا جھوٹا ہونا تسلیم کرلوں اور غیر مذہب میں شامل ہو جاؤں۔ یہ میری غلطی ہوگی نہ کہ اسلام کی۔ لیکن میں نے جو کہا ہے وہ صحیح ہے اور میں پنڈت بھکشو رام کا چیلنج بخوشی منظور کرتا ہوں۔ اور اگر میں ثابت نہ کر سکا تو میں لکھ کر دے دوں گا کہ میں پنڈت جی سے ہار گیا اور آئندہ کبھی ان سے مناظرہ نہیں کروں گا۔ پھر میں نے حضرت مسیح موعودؑ کا یہ شعر پڑھا

جو خدا کا ہے اسے للکارنا اچھا نہیں

ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبۂ زار ونزار

پھر میں نے منتروں کے معانی لغت اور سوامی دیانند کے اپنے کیے ہوئے معانی کی رُو سے ثابت کیے اور زور سے پکارا کہ ہے کوئی نائی جو پنڈت جی کی چوٹی کاٹے!۔ اس پر تمام مسلمان مارے خوشی کے اٹھ کھڑے ہوئے اور آریہ سماج سٹیج کی طرف بڑھے تا کہ پنڈت جی کو پکڑ کر ان کی چوٹی کاٹ ڈالیں۔ مگر فوراً پولیس کے ایک جتھے نے آکر پنڈت جی کو سنبھال لیا اور محفوظ جگہ پر پہنچا دیا۔ مسلمانوں نے خوب نعرے لگائے اور فضا اسلام زندہ باد، نعرہ ہائے تکبیر اور مہاشہ محمد عمر زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔

☆ مکرم مہاشہ صاحب فرماتے ہیں: 1942ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد کے ماتحت خاکسار حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکیؓ کے ساتھ ہندوستان کے دورہ پر گیا۔ ہمارا وفد جب جگن ناتھ پوری پہنچا تو وہاں کے مہنت نے خواہش ظاہر کی کہ اُن کے مندر میں جلسہ ہو اور اس کی صدارت وہ خود کریں گے۔ چنانچہ جلسہ کا تمام انتظام خود مہنت جی نے کیا اور خود جلسہ کی صدارت کی۔ جب جلسہ شروع ہوا اور مہنت جی مہاراج کرسی صدارت پر آکر بیٹھ گئے تو ایک گہرا بادل آناً فاناً آسمان پر چھا گیا اور بڑی بڑی موٹی بوندیں گرنی شروع ہوگئیں۔ لوگ جو کئی ہزار تھے، اٹھنے شروع ہوگئے۔ مہنت جی نے اُٹھنے سے منع فرمایا۔ ادھر حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ زور زور سے کچھ پڑھنے لگے جس کی وجہ سے مجھے تکلیف ہورہی تھی کہ ایک تو لوگ جلسہ گاہ سے اٹھ رہے تھے اور دوسری طرف حضرت مولوی صاحب نے اپنا جلسہ شروع کیا ہے۔ آخر چند منٹ کے بعد بادل ہٹ گئے اور مولوی صاحب بھی خاموش ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جلسہ بہت ہی کامیاب رہا۔ جلسہ کے اختتام پر مَیں نے حضرت مولوی راجیکی صاحب سے عرض کیا کہ آپ اونچی اونچی کیا لیکچر دے رہے تھے؟ فرمانے لگے کہ جب جلسہ شروع ہوا تو مَیں نے دیکھا کہ فرشتے بادلوں کو اٹھا کر لا رہے ہیں۔ تو مَیں نے ان سے کہا کہ یہ احراریوں والا کام کب سے تم نے شروع کیا ہے کہ صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جلسہ ہو اور تم اس کو خراب کرو۔ تم یا تو رُک جاؤ ورنہ میں ابھی اللہ تعالیٰ سے تمہاری شکایت کروں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے فرشتے فوری طور پر بادلوں کو دُور لے گئے اور اس زبردست نشان کا نہ صرف عوام پر بلکہ مہنت صاحب پر بھی بہت اثر ہوا۔ اور میرے لیے یہ ایمان میں زیادتی کا باعث ہوا۔

☆ ایک بار خاکسار تبلیغی دورہ پر جالندھر چھاؤنی گیا اور صدر جماعت محترم بابو فضل دین صاحب اوورسیئر کے ہاں مقیم ہوا کہ تین آدمی وہاں آئے جن میں سے ایک رو رہا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ اس آدمی کا لڑکا علاولپور میں پولیٹیکل کلرک ہے اور وہ آریہ سماجی ہو رہا ہے۔ علاولپور کے کسی عالم کو پنڈت سے مناظرہ کی جرأت نہیں ہوئی۔ جبکہ امرتسر کا ایک مولوی اتنے پیسے مانگتا ہے کہ مَیں اپنا گھر بیچ کر بھی ادا نہیں کر سکتا۔ ان کی یہ دردناک داستان سن کر بابو صاحب نے اُن کو فرمایا ہم چلتے ہیں، اپنا کرایہ دیں گے، اپنا کھانا کھائیں گے اور آپ کا بھی جانے کا کرایہ ہمارے ہی ذمہ ہے۔ پھر ہم چار بجے کے قریب علاولپور پہنچے تو دیکھا کہ آریہ سماج میں پنڈت رام چندر دھوری تقریر کر رہے ہیں اور وہ لڑکا ان کے پاس کرسی پر بیٹھا ہے۔ پنڈت جی نے لیکچر ختم کر دیا تو اُس لڑکے نے اُٹھ کر کہا کہ مجھے اسلام کے بارے میں یہ یہ اعتراض ہیں۔ اگر کوئی مسلمان مولوی میری تسلی کر دے تو اچھا ہے ورنہ میں آریہ سماجی ہو جاؤں گا۔ اس پر مجمع

میں کئی منٹ تک برابر سکون رہا۔ جلسہ میں علاوہ اَور علماء کے مولوی محمد علی صاحب جالندھری بھی موجود تھے۔ آخر خاکسار کھڑا ہوا اور پنڈت جی سے کہا کہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ آج کا دن تو ہم نے مسلمانوں کے لیے رکھا ہے، آپ کو کل وقت دیا جائے گا۔ میں نے کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ وہ بولے کہ دوسرے مسلمان آپ کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ میں نے کہا آپ اپنے آپ کو آریہ سماجی کہتے ہیں حالانکہ گورو کل پارٹی آپ کو غیر آریہ سمجھتی ہے لیکن میرا کوئی حق نہیں کہ میں آپ کو غیر آریہ سماجی سمجھوں۔ پھر مَیں نے اونچی آواز سے مولوی محمد علی صاحب سے کہا کہ ہمیں خوشی ہوگی اگر آپ تمام مسلمانوں کی طرف سے آریہ سماج کے مناظر سے گفتگو کریں۔ اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ یہ مقابلہ کفر اور اسلام کا ہے، اسلام کی طرف سے مہاشہ محمد عمر صاحب پیش ہوں گے جو کہ مسلمانوں کے نمائندہ ہیں۔ آخر میں نے پنڈت جی کے ساتھ مناظرہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اُس نوجوان نے اعلان کیا کہ میرے شکوک رفع ہوگئے ہیں۔ اس پر مسلمانوں کے ایک بہت بڑے مجمع نے جلوس نکالا۔

☆ 1924ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد پر جب ہمارا وفد دورہ کرتے ہوئے نیپال کی سرحد پر واقع مولوی فضل محمود صاحب (کراچی والے) کے گاؤں پہنچا تو وہاں کے مسلمان اکٹھے ہوکر ایک مولوی صاحب کی معیت میں ہم سے گفتگو کرنے کے لیے آئے۔ یہ مولوی صاحب دشنام طرازی میں حد سے بڑھے ہوئے تھے اور گندے اعتراضات کرنے لگے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لوگ ہمارے خلاف بھڑک اٹھے۔ دوسرے دن پھر مسلمانوں کا ایک جم غفیر اسی مولوی صاحب کی معیت میں پہنچا اور مولوی صاحب نے ہمارے قریب آکر حضرت مسیح موعودؑ کو گندی گالیاں دیتے ہوئے اعتراضات کرنے شروع کردیے۔ اس پر میرا دل خدا تعالیٰ کے آستانہ پر جھک گیا اور میں نے خدا تعالیٰ سے نشان مانگا۔ یہ مولوی صاحب شدت جذبات میں آکر اپنا بازو فضا میں لہراتے تھے۔ جونہی انہوں نے اپنا بازو اٹھایا تو آستین اوپر چڑھ گئی اور جو حصہ ننگا ہوا وہاں ہندی میں ''دھرم سیوک'' کندہ تھا۔ میری نظر فوراً اس پر پڑی اور مجھے یاد آگیا کہ اس شخص ''دھرم سیوک'' نامی سے میرا مناظرہ چند سال پہلے گجرات میں ہوچکا ہے۔ یہ شخص مسلمان تھا لیکن بعد میں مرتد ہوکر آریہ سماجی بن گیا تھا۔ مَیں نے مسلمانوں کو کہا کہ یہ شخص جو آج اسلام کا ہمدرد بنا پھرتا ہے مُرتد ہوگیا تھا اور کہ اس نے میرے ساتھ مناظرہ کے دوران آنحضرت ﷺ کو گندی گالیاں دی تھیں۔ یہ سننا تھا کہ مسلمانوں میں ایک ہیجان برپا ہوگیا اور وہ اُلٹا اسی کو گالیاں دینے لگے اور قریب تھا کہ وہ اسے جسمانی ایذا پہنچاتے مگر ہم نے مداخلت کی اور کہا کہ اگرچہ وہ مُرتد ہوگیا تھا لیکن چونکہ اب وہ پھر مسلمان ہوگیا ہے اس لیے ہمارا بھائی ہے۔ لیکن اس پر بھی فرض ہے کہ وہ اسلامی اخلاق وآداب کا لحاظ رکھے اور جھوٹے الزام نہ لگائے۔ اس طرح ہم محض خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس شر سے محفوظ رہے۔

(مطبوعہ ''انصارالدین'' جنوری وفروری ومارچ اپریل 2022ء)

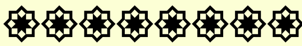
☆......☆......☆



غزل

(آدم چغتائی)

اُمید و یاس بہت محشر خیال میں ہے
مگر عروج بشر عزم لازوال میں ہے
مدارِ شمس و قمر کی حدود قائم ہے
مگر حیات کا ہر لمحہ انتقال میں ہے
ہم اُن کی چشم عنایت سے ہیں ابھی محروم
ہمارے بخت کا سورج ابھی زوال میں ہے
زبانِ حضرت ناصح جو شعلہ بار ہوئی
یہ کس کا بخت زبوں آج ابتذال میں ہے
جو بچھڑے خوف سے آخر ملے یقیں کے ساتھ
عجیب معجزہ رفتارِ ماہ وسال میں ہے
ہم انتہا سے جو گذرے تو یہ شعور ملا
سکونِ قلب اگر ہے تو اعتدال میں ہے
خرابی کم نہیں اب بھی نصیب آدمؔ میں
فقیہہ شہر کو دیکھو بڑے جلال میں ہے





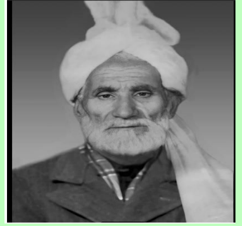
جنگ

ساحرلدھیانوی

خون اپنا ہو یا پرایا ہو
نسل آدم کا خون ہے آخر
جنگ مشرق میں ہو کہ مغرب میں
امن عالم کا خون ہے آخر
بم گھروں پر گریں کہ سرحد پر
روحِ تعمیر زخم کھاتی ہے
کھیت اپنے جلیں کہ اوروں کے
زیست فاقوں سے تلملاتی ہے
ٹینک آگے بڑھیں کہ پچھے ہٹیں
کوکھ دھرتی کی بانجھ ہوتی ہے
فتح کا جشن ہو کہ ہار کا سوگ
زندگی میتوں پہ روتی ہے
جنگ تو خود ہی ایک مسئلہ ہے
جنگ کیا مسئلوں کا حل دے گی
آگ اور خون آج بخشے گی
بھوک اور احتیاج کل دے گی
اس لئے اے شریف انسانو !
جنگ ٹلتی رہے تو بہتر ہے
آپ اور ہم سبھی کے آنگن میں
شمع جلتی رہے تو بہتر ہے
برتری کے ثبوت کی خاطر
خوں بہانا ہی کیا ضروری ہے
گھر کی تاریکیاں مٹانے کو
گھر جلانا ہی کیا ضروری ہے
جنگ کے اور بھی تو میداں ہیں
صرف میدان کشت و خوں ہی نہیں
حاصلِ زندگی خرد بھی ہے
حاصلِ زندگی جنوں ہی نہیں
آؤ اس تیرہ بخت دنیا میں
فکر کی روشنی کو عام کریں
امن کو جن سے تقویت پہنچے
ایسی جنگوں کا اہتمام کریں
جنگ وحشت سے بربریت سے
امن تہذیب و اِرتقا کے لئے
جنگ مرگِ آفریں سیاست سے
امن انسان کی بقا کے لئے
جنگ افلاس اور غلامی سے
امن بہتر نظام کی خاطر
جنگ بھٹکی ہوئی قیادت سے
امن بے بس عوام کی خاطر
جنگ سرمائے کے تسلط سے
امن جمہور کی خوشی کے لئے
جنگ جنگوں کے فلسفے کے خلاف
امن پر امن زندگی کے لیے

☆......☆......☆☆......☆......☆☆......☆......☆

☆......☆......☆☆......☆......☆



میرے شفیق والد محترم خواجہ محمد حسین بٹ صاحب کی یاد میں

خواجہ محمد افضل بٹ امریکہ



ابتدائی تعارف

میرے والد محترم خواجہ محمد حسین صاحب بٹ ابن حضرت خواجہ میاں محمد عیسیٰ صاحب صحابی رضی اللہ عنہ، وادیٔ کشمیر جنت نظیر میں موضع باٹجہ ہالن (ژَمر) ناروا ؤ تحصیل کولگام ضلع اننت ناگ (اسلام آباد) مقبوضہ کشمیر کے باشندہ تھے۔ جب کشمیر میں قحط سالی ہوئی تو آپ کے افراد خاندان وہاں سے ہجرت کر کے پنجاب (ہندوستان) موضع بھاگووال میں آباد ہو گئے تھے۔ بھاگووال گاؤں قادیان سے دس کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

آپ 1935ء میں اپنی والدہ حضرت جنت بی بی صاحبہ صحابیہ رضی اللہ عنہا اور بہن بھائیوں کے ہمراہ بھاگووال تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور سے قادیان دارالامان کے محلہ ناصر آباد بالمقابل بہشتی مقبرہ منتقل ہو گئے تھے۔

ولادت

آپ کی ولادت 1901ء میں حضرت خواجہ میاں محمد عیسیٰ صاحب صحابی رضی اللہ عنہ وحضرت جنت بی بی صاحبہ صحابیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں موضع بھاگووال تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور میں ہوئی۔ آپ پیدائشی احمدی تھے۔

شادی

آپ کی شادی مخلص اور دیندار گھرانے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جلیل القدر صحابی حضرت میاں امام الدین صاحب رضی اللہ عنہ، المعروف "سیکھوانی برادران" کی بیٹی محترمہ رمضان بی بی صاحبہ سے ہوئی۔ آپ" خالد احمدیت" حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس صحابی رضی اللہ عنہ، کے بہنوئی تھے۔

اولاد

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کو نیک اور خادم دین اور خلافت کے ساتھ عشق کی حد تک وابستہ اولاد سے نوازا۔ آپ کی اولاد میں چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔

1۔ مکرم خواجہ احمد حسین صاحب مرحوم درویش قادیان

2۔ مکرم خواجہ محمد اسلم بٹ صاحب مرحوم مولوی فاضل ٹیچر

3۔ خاکسار خواجہ محمد افضل بٹ امریکہ

4۔ مکرم خواجہ شوکت حسین صاحب بٹ جرمنی

5۔ مکرمہ امتہ المجید بیگم صاحبہ مرحومہ اہلیہ مکرم رفیق احمد صاحب بٹ مرحوم

6۔ مکرمہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ مرحومہ اہلیہ مکرم مولانا بشیر احمد قمر صاحب مرحوم مربی سلسلہ مبلغ غانا و فجی۔

7۔ مکرمہ امتہ العزیز بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم محمد احسان صاحب بٹ مرحوم

آپ کے دادا

آپ کے دادا کا نام حضرت خواجہ میاں محمد دین صاحب بٹ تھا اور آپ کے تین بیٹے تھے۔

1۔ حضرت خواجہ میاں محمد عیسیٰ صاحب صحابی رضی اللہ عنہ

2۔ حضرت خواجہ میاں نظام الدین صاحب صحابی رضی اللہ عنہ،

3۔ حضرت خواجہ میاں غلام محمد صاحب صحابی رضی اللہ عنہ،

آپ وادیٔ کشمیر جنت نظیر میں موضع" باٹجہ ہالن" ضلع اننت ناگ رہائش رکھتے تھے۔ یہ موضع باٹجہ ہالن ایک خوبصورت پہاڑی کے دامن میں واقع ہے۔ کشمیر میں اس جگہ پر بہت زیادہ چشمے تھے اور بہت خوبصورت جگہ تھی۔ اب یہ پہاڑی ختم ہو چکی ہے اور جگہ ہموار کر دی گئی ہے۔ اس جگہ کے ضلع کا نام اننت ناگ ہے۔ یہ کشمیری زبان میں ہے اور اس کا مطلب ہے بہت زیادہ چشموں والی جگہ۔

اِن کے دور میں کشمیر میں ڈوگرہ راج تھا اور مسلمانوں پر بہت سختی ہوتی تھی۔ آپ تجارت کی غرض سے پنجاب آئے ہوئے تھے۔ ذرائع آمدورفت کی دِقت اور سختی کی وجہ سے اپنے وطن کشمیر میں واپس نہ جا سکے۔ خاندان کے

جو افراد کشمیر میں تھے وہ بھی اپنا سب کچھ چھوڑ کر پنجاب (انڈیا) آ گئے اور ہمارے خاندان کے افراد موضع بھاگووال میں رہائش پذیر ہو گئے۔

سمندری کے علاقہ ڈجکوٹ آمد

آپ کے والد حضرت خواجہ میاں محمد عیسیٰ صاحبؓ اپنے دونوں بھائیوں کے ہمراہ تجارت کی غرض سے سمندری کے علاقہ ڈجکوٹ آئے اور اپنے رشتہ داروں کے ہاں رہائش اختیار کی اور باغات ٹھیکہ پر لے کر روزگار چلاتے رہے۔ آپؓ کے رشتہ دار نے حضرت میاں محمد عیسیٰ صاحبؓ کو کہا کہ زمین آباد کر لیں، میں یہ زمین آپ کے نام منتقل کر دیتا ہوں۔ مگر حضرت میاں محمد عیسیٰ صاحبؓ نے اس آفر کو قبول نہیں کیا۔ البتہ اُن کی زمین کو آباد کر دیا۔ یہ گاؤں بھاگووال کے نام سے معروف ہے آپ کچھ عرصہ وہاں رہ کر زمینداری کرتے رہے مگر حالات کی تنگی اور مقامی لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے یہ علاقہ چھوڑنا پڑا اور واپس اپنے گاؤں بھاگووال (انڈیا) آ گئے۔

اولاد حضرت میاں محمد عیسیٰ صاحب رضی اللہ عنہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص کرم سے آپ کو نیک اور سلسلہ کی خادم اور خلافت کے ساتھ جان نچھاور کرنے والی اولاد سے نوازا۔ آپ کی اولاد میں تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے جن کے نام درج ذیل ہیں۔

1۔ حضرت حکیم محمد عبد اللہ صاحب صحابی رضی اللہ عنہ

2۔ حضرت خواجہ محمد حسین صاحب بٹ

3۔ حضرت خواجہ محمد یوسف صاحب بٹ

4۔ حضرت فضل بی بی صاحبہ صحابیہ رضی اللہ عنہا

خاکسار کے دادا مقدس وجود تھے

حضرت خواجہ میاں محمد عیسیٰ صاحب صحابیؓ برگزیدہ ہستی اور مقدس وجود تھے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کا قلب خلق اللہ کی ہمدردی کے لئے بنایا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ غمگساروں کی محبت میں محض لِلّٰہ مشغول رہتے تھے۔ آپ وجیہہ اور نورانی چہرہ مبارک کے مالک تھے اور اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں میں شامل تھے۔ آپ رؤیا کی آسمانی برکتوں کے حامل تھے۔ آپ کو سچی خوابیں آتی تھیں

غزل



ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔ لندن

ہوں تو انسان مگر ان سے سروکار نہیں
جو ہیں انسان پر انساں سے انہیں پیار نہیں

دین کے نام پہ کر گزریں نہ جانے کیا کیا
اُس کو پھر کہنے سے اسلام انہیں عار نہیں

ہم نے تعلیم جو پائی وہ محبّت کی تھی
ہم ہوئے اس پہ فدا اس سے تو انکار نہیں

ہم ہوئے خیرِ امم جس سے ہے وہ خیرِ رُسل
اس سے بڑھ کر کوئی رحمت مری سرکار نہیں

اُس کی آغوش میں آ کر تو سکوں ملتا ہے
اس کے دامن میں تو سب گل ہیں کوئی خار نہیں

اُس کی شفقت میں غلام آ ئے تو بس اس کے ہوئے
نرم تھی اُس کی نگہ ، دیدۂ خوں بار نہیں

اس کی ہر بات محبّت سے بھری ہوتی تھی
گفتگو اس کی کبھی دیکھی ، دل آزار نہیں

چند لوگوں نے ہی بدنام کیا انساں کو
سارے انسانوں سے طارق ہوئے بیزار نہیں



۔ آپ متقی پرہیزگار، ہمدردِ نوعِ انسان اور نہایت خشوع وخضوع سے عبادت کرنے والے بزرگ تھے۔ آپ کا دین کی طرف بہت رجحان تھا۔ قرآن وحدیث سے اچھی طرح واقف تھے۔ آپ نے بے نوروں کو نور بخشا۔ آپ کی خداداد قابلیت ووجاہت اور روحانی فیض صحبت کے سبب گاؤں والوں پر آپؓ کا رعب تھا۔ آپ حکمت بھی جانتے تھے اور عوام الناس کا مفت علاج کرتے تھے۔

آپ امانت و دیانت میں اعلیٰ نمونہ تھے

حضرت خواجہ میاں محمد عیسیٰ صاحب صحابیؓ کی امانت ودیانت پر لوگوں کو مکمل اعتماد تھا۔ بھا گووال گاؤں کے ہندو، مسلم، سکھ سب لوگ آپؓ پر مکمل اعتماد کرتے تھے اور آپ کے پاس رقم، قیمتی اشیاء امانتاً رکھواتے۔

اسی طرح لوگ اپنے ہر قسم کے تنازعات کا فیصلہ کروانے آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آتے تھے۔ لوگوں کو آپ پر اعتماد تھا کہ:

حضرت میاں صاحبؓ منصفانہ فیصلہ فرمائیں گے۔

آپؓ فریقین کا کیس سننے سے قبل اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے۔ جب فیصلہ تحریر کرنے کا وقت آتا تو آپؓ فیصلہ تحریر کرنے سے قبل نوافل ادا کرتے اور طویل سجدہ کرتے۔ اس کے بعد فریقین کو بلا کر اپنا فیصلہ سناتے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے دونوں فریق فیصلہ سے مطمئن ہو کر آپس میں بغل گیر ہوتے اور خوشی خوشی واپس لوٹتے۔

دعوت الی اللہ

حضرت خواجہ میاں محمد عیسیٰ صاحب صحابیؓ تینوں بھائیوں میں سے بڑے تھے اور پڑھے لکھے تھے اور پڑھنے لکھنے میں بہت شغف تھا۔ آپ مسلمانوں اور ہندوؤں، سکھوں میں بہت مقبول تھے اور لوگ آپ کی عزت وتکریم کرتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کی بات سنتے تھے۔ آپ کو دعوت الی اللہ کا بہت شوق تھا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ کا سارا خاندان "امام مہدی" کے ہاتھ پر بیعت کر کے "احمدیت حقیقی اسلام" کے جھنڈے نیچے آ گئے تو مسلمانوں نے فطری مخالفت کی۔

مگر چونکہ حضرت خواجہ میاں محمد عیسیٰ صاحب رضی اللہ عنہ لوگوں میں مقبول شخصیت تھے اور لوگ آپؓ کو عزت واحترام سے دیکھتے تھے اس وجہ سے آپ کی مخالفت نہ ہونے کے برابر تھی بلکہ آپؓ کی دعوت الی اللہ میں تیزی آ گئی تھی اور آپؓ کے دعوت الی اللہ کے نتیجہ میں پانچ چھ فیملیز احمدی ہو گئیں اور ان کا جماعت احمدیہ بھا گووال میں پورا پورا تعاون رہا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بھا گووال میں احمدیت کا قیام تینوں بھائیوں کی دعوت الی اللہ سے ہوا تھا اور بہت مضبوط جماعت قائم ہوئی تھی۔

خاکسار کے ددھیال، ننھیال آپس میں رشتہ دار ہیں

خاکسار کے دادا حضرت خواجہ (میاں) محمد عیسیٰ صاحب صحابیؓ آف بھا گووال اور نانا جان حضرت میاں امام الدین صاحب صحابیؓ سیکھوانی آپس میں رشتہ دار ہیں اور کشمیر میں دونوں خاندان موضع ''باٹجہ ہالن'' (ژمر) نارواؤتحصیل کولگام ضلع اننت ناگ (اسلام آباد) میں رہائش پذیر تھے اور دونوں ہی پھلوں کی تجارت کرتے تھے۔ جب کشمیر کے حالات خراب ہوئے تو وہاں سے ہجرت کر کے پنجاب (انڈیا) آ کر قیام کر لیا۔ خاکسار کے ننھیال نے قادیان کے قریب سیکھواں گاؤں میں رہائش اختیار کر لی۔ سیکھواں گاؤں قادیان سے چار میل کے فاصلہ پر جانب غربی واقع ہے۔ اور ددھیال خاندان کے افراد بھا گووال گاؤں میں جو قادیان سے دس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے رہائش پذیر ہو گئے۔

واقعہ بیعت خاندان بھا گووال

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے 23 مارچ 1889ء کو جماعت احمدیہ کی بنیاد رکھی اور 23 مارچ 1889ء کو ہی بیعت کا پہلا دن تھا اور لدھیانہ میں حضرت صوفی احمد جان صاحب رضی اللہ عنہ کے مکان میں بیعت لی۔

میرے ننھیال کے خاندان نے 23 نومبر 1889ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر ہاتھ رکھ کر بیعت کی سعادت حاصل کی۔ خاکسار کے نانا جان حضرت میاں امام الدین صاحب سیکھوانی رضی اللہ عنہ نے خاکسار کے دادا جان حضرت خواجہ میاں محمد عیسیٰ صاحب رضی اللہ عنہ کو بھا گووال رابطہ کر کے کہا کہ

''حضرت مرزا غلام احمد صاحب آف قادیان نے ''امام مہدی'' ہونے کا اعلان فرمایا ہے ہم سب افراد خاندان نے بیعت کر لی ہے اور آپ سب افراد خاندان بھی بیعت کر لیں۔''

دادا جان نے نانا جان کو کہا کہ:

''میں سب افراد خاندان سے مشورہ کے بعد فیصلہ کرونگا''

چنانچہ دادا جان حضرت خواجہ میاں محمد عیسیٰ صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنے افرادِ خاندان اور اپنے دونوں بھائیوں کے خاندان کو اکٹھا کر کے کہا کہ قادیان میں ایک بزرگ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے مسیح موعود ومہدی موعود

ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔کیا آپ سب بیعت کے لئے تیار ہیں؟ سب نے یک زبان کہا کہ آپ ہمارے بڑے اور پڑھے لکھے ہیں آپ جو ہدایت دیں گے ہم سب اس پر عمل کریں گے۔ چنانچہ دادا جان نے اس روز سب کو کہا کہ آپ سب بھی دعا کریں اور میں بھی دعا کرونگا اور اللہ تعالیٰ سے رہنمائی حاصل کر کے آپ سب کو بتلاؤنگا۔

حضرت دادا جان خواجہ میاں محمد عیسیٰ صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنا جائے نماز بچھالیا اور دعائیں شروع کردیں۔آپ قادیان سے قرب کی وجہ سے قرآن وحدیث سے واقفیت رکھتے تھے اور آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پہلے سے جانتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ ہونے پر آپ نے دونوں بھائیوں کی فیملیز کو بلا کر فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے شرح صدر ہے اور میرا ضمیر مطمئن ہے کہ حضرت مرزا صاحب نیک اور سچے امام مہدی ہیں اور میں بیعت کے لئے تیار ہوں اور آپ سب بھی بیعت کرلیں۔ چنانچہ خاندان کے سب افراد نے تحریری طور پر بیعت کی چٹھی لکھ دی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے بیعت کی قبولیت کا خط بھی موصول ہوا۔23 مارچ 1889ء کو آغاز بیعت کے تقریباً ایک سال بعد حضرت خواجہ میاں محمد عیسیٰ صاحب رضی اللہ عنہ اور بھائیوں اور بہن نے قادیان جا کر دستی بیعت بھی کرلی تھی۔آپ کی بیعت کا عام چرچا ہوا تو آپ نے بھاگووال میں مقیم دوسرے مسلمانوں میں تبلیغ شروع کردی۔آپ کے زیر اثر پہلے ہی کچھ فیملیز تھیں۔ان میں پانچ چھ فیملیز نے بیعت کرلی اور احمدیت حقیقی اسلام کے جھنڈے کے نیچے آگئے۔اس کے بعد مسلسل دوسرے مسلمانوں اور سکھوں میں دعوت الی اللہ کا سلسلہ جاری رہا۔

بھاگووال میں اذان دینے کا تاریخی کارنامہ

موضع بھاگووال میں سکھوں کی اکثریت تھی اور مسلمانوں کی سخت مخالفت تھی۔سکھوں کے علاوہ ہندو اور مسلمان بھی رہتے تھے مگر ان کی تعداد بہت کم تھی۔مسلمانوں نے سکھوں سے کئی بار اذان دینے کے بارے بات کی مگر وہ قطعاً اذان دینے کی اجازت دینے کے لئے تیار نہیں تھے ان کا کہنا تھا کہ ہمارے برتن پلید ہوجاتے ہیں اس لئے اذان دینے کی کوشش نہ کی جائے ورنہ لڑائی ہوگی۔حضرت حکیم محمد عبداللہ صاحب صحابی رضی اللہ عنہ (تایا جان) نے جواباً کہا کہ:

"ہم اذان دیں گے اگر آپ روک سکتے ہیں تو روک کر دیکھ لیں۔
بفرض محال آپ لوگوں نے لڑائی ہی کرنی ہے تو ہم تیار ہیں"

حضرت حکیم محمد عبداللہ صاحب صحابی رضی اللہ عنہ نے بھاگووال میں مقیم غیر احمدی مسلمانوں سے بات کی کہ وہ ہماری مدد کریں مگر انہوں نے کہا کہ سکھ اکثریت میں ہیں اس لئے خاموش رہا جائے۔ان کا خیال تھا کہ ہم سکھوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔کسی حد تک بات درست تھی مگر حضرت حکیم محمد عبداللہ صاحب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "ہم اذان دیں گے اور سکھوں کا مقابلہ کریں گے" چنانچہ اگلے روز ہی اپنے خاندان کے افراد کو اکٹھا کیا گیا۔ ہمارے خاندان کے افراد کے علاوہ 5-6 خاندان کشمیری مسلمان بھاگووال میں رہتے تھے جو ہمارے خاندان کے زیر اثر تھے اور احمدیت قبول کر چکے تھے، سب نے مل کر فیصلہ کیا کہ :

(1) فلاں دن ظہر کی اذان دی جائے گی۔اذان حضرت خواجہ محمد یوسف بٹ صاحب (چچا) دیں گے۔

(2) نماز ظہر کی امامت حضرت خواجہ محمد حسین صاحب بٹ (والد ماجد) فرمائیں گے۔نماز میں کامیابی کیلئے دعا کی جائے گی۔

(3) حضرت حکیم محمد عبداللہ صاحب رضی اللہ عنہ خود اور چند نوجوان احمدی ان مخصوص حالات کی بناء پہرہ دیں گے۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق ایک روز ظہر کی اذان حضرت خواجہ محمد یوسف صاحب بٹ نے مسجد کی چھت پر چڑھ کر خوش الحانی اور بلند آواز سے دی۔ اذان کی آواز سنتے ہی سکھوں میں جیسے بھونچال آ گیا ہو۔بڑی تعداد میں سکھ مرد اور عورتیں لاٹھیوں، ڈنڈوں اور برچھیوں کے ساتھ ہماری مسجد پر حملہ کے لئے آ گئے۔ادھر حضرت حکیم محمد عبداللہ صاحب رضی اللہ عنہ کے زیر نگرانی احمدی بھائیوں نے مسجد کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا اور لاٹھیوں کے ساتھ پوزیشن لیکر کھڑے تھے ۔ادھر حضرت خواجہ محمد حسین صاحب بٹ نماز ظہر پڑھا رہے تھے اور بڑے سوز کے ساتھ دعاؤں میں مصروف تھے۔

باہر کا ماحول بہت سنگین صورت اختیار کر چکا تھا۔سکھ حملہ آور ہونے کی کوشش کرتے تو ہمارے چند جاں نثار احمدی بھائی سکھوں کو للکار کر کہتے کہ آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں۔اللہ تعالیٰ کے فضل اوراس کی مدد سے سکھوں پر ہمارا رعب پڑ گیا اوران میں سے کسی کو آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔اسی اثناء میں سکھوں کے ایک معزز سکھ سردار منگل سنگھ نے مداخلت کی اوردونوں فریقین کو سمجھایا کہ لڑائی نہ کریں۔صلح صفائی سے معاملہ کو حل کریں۔چنانچہ طے ہوا کہ سکھ اپنا مقدمہ انگریز افسر کے پاس لے جائیں۔اس طرح لڑائی کی نوبت نہ آئی۔چنانچہ سکھوں کی طرف سے ہمارے خلاف اذان دینے کے جرم میں مقدمہ انگریز افسر کے پاس لے جایا گیا۔انگریز افسر جس کے سپرد مقدمہ سننے اور فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا اس نے دونوں فریق کو بلایا۔دونوں فریق کے سرکردہ لیڈر انگریز افسر کے سامنے پیش ہوئے اس موقع پر فریقین کا جم غفیر جمع ہو گیا تھا۔

انگریز افسر نے دونوں فریقین کی باتیں سن کر باہمی رضامندی سے مشروط فیصلہ کیا کہ

"اگر سکھ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی اذان سے ان کے برتن پلید ہوجاتے ہیں تو وہ پانچوں وقت نمازوں کے اوقات میں احمدیوں کے گھر جا کر دستک دیں گے اور کہیں کہ" نماز کا وقت ہو گیا ہے"اس فیصلہ پر سکھ حضرات کی عملدرآمد کی صورت میں احمدی مسلمان اذان نہیں دیں گے۔"

سکھوں نے اس فیصلہ کو اپنی فتح قرار دیا اور بڑی خوشی کا جشن منایا اوراحمدیوں نے اس فیصلہ پر شکرانے کے طور پر نوافل ادا کئے۔

اس فیصلہ پر اگلے دن سے عملدرآمد ہونا تھا۔سکھوں کے لیڈر نے اپنے آدمیوں کو احمدی مسلمانوں کے گھروں میں جا کر دستک دینے کے لئے بھیجا۔ان کے آدمی ہر مسلمان کے گھر کے دروازہ پر دستک دیتے اوراونچی آواز میں کہتے کہ "نماز کا وقت ہو گیا ہے" ایک دوروز عملدرآمد کے بعد سکھ تھک گئے اوردروازے کھٹکھٹانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم یہ کام نہیں کر سکتے۔چونکہ انگریز سرکار کے فیصلہ کے مطابق سکھ حضرات عملدرآمد برقرار نہ رکھ سکے بلکہ عملدرآمد سے انکار کر دیا اسطرح ہمارے خاندان کی کاوشوں کے نتیجہ میں کامیابی ملی اوراللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدیوں کی مسجد میں پانچوں اوقات میں باقاعدگی سے اذان دینے کا آغاز ہو گیا بلکہ غیراحمدی مسلمانوں نے بھی اپنی مساجد میں اذان دینی شروع کر دی اورانہوں نے احمدیوں کا شکریہ ادا کیا اوراس کامیابی پر مبارک باد دی۔اس طرح بھاگووال میں اذان دینے کی ابتداء ہمارے خاندان سے ہوئی اور یہ بہت بڑا تاریخی واقعہ رونما ہوا۔احمدیوں نے اس کامیابی پر صدقات وخیرات کئے اور شکرانے کے نوافل ادا کئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بہت بڑی کامیابی سے نوازا۔

حضرت حکیم محمد عبداللہ صاحب صحابی رضی اللہ عنہٗ نے واقعہ اذان کی مفصل رپورٹ بنفس نفیس حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہٗ کی خدمت میں پیش کی۔حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔

تربیت اولاد

والدصاحب نے تربیت اولاد کے سلسلہ میں بہت کوشش کی ہے خصوصاً نمازوں کے اوقات میں بچوں کو نماز کے لئے اپنے ساتھ لے کر مسجد جانا،مختلف مواقع پر حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی کتب سے اقتباسات پڑھکر سنانا اور بعض اقتباس بار بار سنانا اور تلقین فرمانا کہ ان نصائح کو پلے باندھ لیں اوران نصائح پر پوری طرح عمل کریں۔آج مجھے ان کی بہت سی نصائح میں سے ایک کا ذکر کرنا ہے۔آپ فرماتے تھے:

بچو!یہ چندروزہ زندگی ہے۔میری آپ بچوں کو نصیحت ہے کہ آپ جسقدر نیکیاں کر سکتے ہیں کر لیں۔ہمیشہ سچ بولیں اور ہمیشہ سچائی پر مضبوطی سے قائم رہیں خواہ حالات کچھ بھی ہوں،کتنے بھی مخالف ہوں سچائی کو نہیں چھوڑنا،خواہ نقصان اٹھانا پڑے۔دوسروں سے نرم لہجے میں بات کریں۔اپنے سے بڑوں کا احترام کریں اور عاجزی اختیار کریں۔اپنی عادتوں کو سنواریں اوراچھی صحبت کی مجلس کو اختیار کریں،اگر کسی مجلس میں بری صحبت اور غلط کردار کے حامل افراد ہوں تو اس مجلس سے اٹھ کر چلے جائیں۔لڑائی جھگڑوں اور بُرے دوستوں سے اپنے آپ کو بچائیں۔حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات پر پوری طرح عمل کریں اور خلافت سے سچے دل سے چمٹے رہیں۔

اباجان کی ان نصائح پر ہمارے خاندان نے ہمیشہ عمل کرنے کی کوشش کی

ہے ان پر عمل کرنے کے نتیجہ میں ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی بارش ہوتے دیکھی۔ الحمد للہ۔

پوری زندگی درویشانہ گزاری

آپ بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔آپ کی پوری زندگی نیکی اور تقویٰ شعاری میں گزری۔آپ نیک، صالح، تہجد گزار، دعا گو اور صوم وصلوٰۃ کے پابند اور عبادت کا ذوق رکھنے والی شخصیت کے مالک تھے۔آپ کی زندگی کا نصب العین دین اسلام کی خدمت اور مخلوق خدا سے ہمدردی تھا۔اس نیک فطرت اور درویش صفت انسان کے مبارک وجود سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔البتہ اکثر (احمدی وغیر احمدی) احباب نے فائدہ ہی اٹھایا ہے خواہ امداد کی شکل میں ہو یا قرض کی صورت میں ہو یا رفاہی اور بھلائی کے کام کر کے ہو۔آپ کے نمایاں اوصاف مہمان نوازی، صلہ رحمی اور سخاوت تھے۔

آپ طبیعت کے لحاظ سے خاموش اور دھیمے لہجہ کے تھے۔اسی طرح آپ کسی ضرورت مند کی خدمت اور مدد کر کے پوشیدہ رکھتے اور کسی پر اشارۃً بھی ظاہر نہ کرتے، یہ وصف بہت قابل دید اس وقت ہوتا جب ہم ان لوگوں سے سنتے اور لوگ بہت تعریف کرتے ،لوگوں سے تعریف سن کر ہمیں خوشی ہوتی اور ہمارے ایمان کو تقویت ملتی۔میری یادداشت میں بہت واقعات ہیں۔آپ کے اوصاف حمیدہ آپ کے چہرہ مبارک اور آپ کے وجود سے بہت نمایاں ظاہر ہوتے تھے۔

خلافت سے عشق کا اعلیٰ نمونہ

تقسیم ملک کے وقت حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے تحریک فرمائی کہ

" ہمیں ایسے نوجوان چاہئیں جو اپنی جان دینے کے لئے تیار ہوں"

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی تحریک پر آپ کے بڑے بیٹے مکرم خواجہ احمد حسین صاحب نے اپنی خدمات پیش کرنے کی خواہش کا اظہار اپنے والد محترم سے کیا تو آپ کے عظیم والد محترم اور خلافت کے عاشق وجود نے بلاتردُّد بیٹے کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اور حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کی تحریک پر لبیک کہتے ہوئے اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا۔اسطرح آپ کے سب سے بڑے بیٹے نے قادیان رہ کر درویشی کی سعادت حاصل کی اور والد صاحب نے قادیان سے ہجرت کے وقت اپنے بیٹے کو اللہ کے سپرد کیا اور خدا حافظ کہا اور دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ثابت قدم رکھے اور خلافت سے وفا اور حضور کے ہر حکم کو بصدق دل قبول کرنے اور ماننے والا بنائے۔اسکے بعد آپ بڑے بیٹے کو قادیان چھوڑ کر باقی فیملی کے افراد کو ساتھ لیکر قادیان سے ہجرت کر کے بے سروسامانی اور بے کسی کی حالت میں رستے کی صعوبتیں برداشت کرتے پاکستان پہنچے اور جودھامل بلڈنگ لاہور کے ساتھ "رتن باغ" کے وسیع احاطہ میں جماعت احمدیہ کے انتظام کے تحت ٹھہرے۔اس وقت آپ کے بیٹے مکرم خواجہ احمد حسین صاحب کی عمر 20 سال کے قریب تھی۔باقی سب بیٹے اور بیٹیاں چھوٹے تھے۔

جودھامل بلڈنگ لاہور" رتن باغ" میں چند یوم قیام کے بعد حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہوا کہ" جو قادیان یا قادیان کے گردونواح کے احمدی گھرانے ہجرت کر کے رتن باغ پہنچے ہیں وہ سب احباب احمد نگر نزد ربوہ چلے جائیں"

حضور کے ارشاد کی تعمیل میں ہماری فیملی کے افراد رتن باغ لاہور سے احمد نگر منتقل ہو گئے۔ابتداء میں بہت مشکل حالات تھے۔نہ کوئی کام نہ کھانے پینے کی کوئی چیز نہ کوئی پیسہ تھا۔اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ ہمارے پاس خلافت کا پیارا نظام موجود تھا اور ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے تحت ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والوں کو کھانا وغیرہ دیا جاتا تھا۔

محترم والد صاحب کی خواہش

والد صاحب کی خواہش تھی کہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا چاہیے اور جماعت پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے۔چنانچہ چند دن بعد ہی بازار میں ایک دوکان میں چند چیزیں رکھ کر فروخت کرنی شروع کیں۔اس کی آمد سے گھر کی خوراک کے اخراجات کئے جانے لگے۔مگر اس آمد سے گزارہ نہیں ہوتا تھا تو آپ کو فیصل آباد میں کسی کارخانہ میں چوکیداری کا کام مل گیا۔چند ماہ وہاں کام کرنے کے بعد واپس احمد نگر آ گئے اور احمد نگر کے ساتھ زمین پر محترم والد صاحب اور تایا جان (حکیم میاں محمد عبداللہ صاحب) نے مل کر زمینداری کا کام شروع کر دیا۔

زمین داری

ابا جان زمینداری کرتے تھے۔زمینداری بہت محنت اور مشقت طلب کام ہے۔ہماری زرعی زمین احمد نگر آبادی کے ساتھ ملحق تھی اور" کشمیریوں کا کھوہ" مشہور تھا۔ابا جان اور آپ کے بڑے بھائی حکیم محمد عبداللہ صاحب نے مل کر زمین کا مشترکہ کام شروع کیا۔عملاً تو ابا جان ہی زمینوں کی نگہبانی اور کام کرتے تھے اور راتیں زمینوں پر ہی گزارتے تھے گھر میں تو کبھی کبھار نظر آتے۔جب کبھی ہم ابا جان سے پوچھتے کہ آپ گھر کیوں نہیں آتے؟ تو آپ کا جواب ہوتا کہ بیٹا! زمینوں کے کام سے فرصت ملے تو آؤں۔ایک کام مکمل نہیں ہوتا تو دوسرا کام کرنے کو نکل آتا ہے۔

سال میں دو فصلوں کی بوائی کی جاتی ہے۔فصل ربیع اور فصل خریف۔ان فصلوں کو لگانے کے موقع پر زمین میں ہل چلایا جاتا ہے اور سہاگہ لگا کر زمین کو ہموار کیا جاتا ہے اس کے بعد زمین میں بیج ڈالا جاتا ہے اور کنواں چلا کر یا نہری پانی کے ذریعہ سیراب کیا جاتا ہے۔نہری پانی کی باری اکثر آدھی رات کے وقت آتی ہے۔نہری پانی زمینوں کے لئے ناکافی ہوتا ہے اس لئے اکثر بیلوں کے ذریعہ رہٹ چلا کر فصلوں اور سبزیوں وغیرہ کو پانی دیا جاتا ہے۔نیز فصلوں سبزیوں وغیرہ کی گوڈی کی جاتی ہے۔اس تیار فصل کی حفاظت اور نگرانی بہت ضروری ہوتی ہے۔اس لئے راتیں زمینوں پر گزارنی پڑتی ہیں۔بعض فصلیں گرمیوں میں آتی ہیں۔جیسے گندم وغیرہ جب گندم تیار ہو جائے تو شدید گرمی میں کاٹی جاتی ہے اور بیلوں کے ذریعہ پھلا لگا کر گندم سے دانے نکالے جاتے ہیں۔اسی طرح سردیوں کی فصلیں جیسے چاول، کماد وغیرہ شدید سردی میں کام کرنا پڑتا ہے۔مثال ہے کہ زمیندار کو خود مٹی بننا پڑتا ہے پھر کہیں جا کر اناج گھر میں آتا ہے۔زمیندارہ کام بہت سخت ہوتا ہے۔مویشیوں کو بچوں کی طرح کھانا یعنی چارہ کھلایا جاتا ہے۔پانی پلایا جاتا ہے اور نہلایا جاتا ہے۔بھینسوں کی بہت سیوہ یعنی خدمت کی جاتی ہے۔پھر وہ دودھ دیتی ہیں جو بچوں کے استعمال میں آتا ہے۔یہ مختصر خاکہ پیش ہے۔

آخر پر کہوں گا کہ یہ سب کام ابا جان کرتے تھے۔تایا ابا! نمبرداری کرتے تھے۔یعنی پٹواری نمبردار سے رابطے، مالیہ کی ادائیگی، زمینوں سے متعلق دیگر امور کی انجام دہی۔

حسن سلوک کی اعلیٰ مثال

ابا جان! لوگوں سے ہمدردی اور رحم دلی رکھتے تھے اور نرم مزاج تھے۔بچوں سے شفقت، بڑوں سے حسن سلوک کا اعلیٰ نمونہ تھے۔جب ہمارا کنواں چالو ہوتا تو احمد نگر آبادی سے خصوصاً شدید گرمیوں کے ایام میں مرد، عورتیں اور بچے نہانے اور عورتیں کپڑے دھونے کے لئے آتیں۔ابا جان نے مستورات کے لئے کنوئیں (کھوہ) کے پانی کے حوض کے ساتھ کچھ حصہ میں چار دیواری بنوا دی تھی تا مستورات بے پردہ نہ ہوں اور پردہ کے اندر رہ کر آزادی سے بچوں کو نہلائیں، کپڑے دھوئیں۔ابا جان کو غیر احمدی عورتیں "فرشتہ صفت" کہتی تھیں۔عورتیں کنوئیں پر آنے سے قبل پتا کروالیتی تھیں کہ ابا جان موجود ہیں یا نہیں کیونکہ ابا جان کنوئیں پر آنے والوں کو ہر ممکن سہولت پہنچاتے تھے۔

جامعہ احمدیہ کے سٹوڈنٹ

ہمارے کنوئیں پر جامعہ احمدیہ کے سٹوڈنٹ بھی نہانے آتے تھے۔میرے بھائی مکرم خواجہ محمد اسلم صاحب بٹ جامعہ احمدیہ میں پڑھتے تھے۔ان کے ساتھ ان کے دوست سٹوڈنٹ آتے اور نہاتے اور اسکے بعد درختوں کی گھنی چھاؤں میں پڑھتے بھی تھے۔ابا جان نے جامعہ احمدیہ کے سٹوڈنٹ کے لئے ایک بڑا منجھا (چارپائی) بنوا دیا تھا جس پر بیک وقت چار پانچ سٹوڈنٹ بیٹھ سکتے تھے۔جامعہ احمدیہ کے سٹوڈنٹ کو اجازت تھی کہ جو چیز لینا چاہیں لے سکتے تھے۔

ہمارے کنوئیں پر آنے والے سٹوڈنٹ میں مکرم مولانا محمد عثمان صاحب چینی کا نام معروف ہے۔سب سٹوڈنٹ خوب انجوائے کرتے تھے بلکہ کنوئیں پر جوتے ہوئے بیلوں کو بخوشی ہانکتے تھے۔ابا جان آنے والے سٹوڈنٹ کی گنّوں، گاجروں، مولیوں، موسمی گنّے کے رس وغیرہ سے تواضع کرتے تھے۔

معزز شخصیت سے لنڈن میں ملاقات

خاکسار 1994ء کو پہلی بار جلسہ سالانہ لنڈن میں شامل ہوا۔خاکسار جس شخصیت سے لنڈن میں ملا انہیں بچپن میں اپنی زرعی زمین میں کنوئیں پر آتے جاتے دیکھا تھا اب یہ شخصیت بین الاقوامی شہرت اختیار کر چکے تھے۔حضرت

خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی اردو کلاس میں بھی رونق افروز ہوتے تھے۔

خاکسار لنڈن میں اپنے بھانجے عزیزم نصیر احمد قمر صاحب ایڈیشنل وکیل الاشاعت کے ہاں اسلام آباد ٹلفورڈ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ 1994ء کی ایک شام ٹلفورڈ اسلام آباد کی مسجد میں نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد مسجد سے باہر نکلا تو دیکھا کہ سامنے وہ عظیم شخصیت کسی کی منتظر ہے۔ جب خاکسار انکی طرف ملاقات کے لئے آگے بڑھا تو انہوں نے بھی میری طرف چند قدم بڑھائے۔ آپ سے بہت محبت بھرے چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ سے معانقہ ہوا۔ خیریت پوچھنے کے بعد مجھ سے کچھ یوں مخاطب ہوئے۔

کیا آپ محمد اسلم صاحب بٹ کے بھائی ہیں؟ میں نے انہیں جی میں جواب دیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ "محمد اسلم صاحب بٹ جامعہ احمدیہ میں میرے کلاس فیلو تھے اور ہم دوست آپ کے کنوئیں پر جایا کرتے تھے تو آپ کے ابو ہماری گنّوں وغیرہ سے خاطر تواضع کرتے اور ہمیں اجازت دی تھی کہ ہم اپنی پسند کی چیز لے سکتے تھے۔"

آپ سوچ رہے ہونگے کہ یہ عظیم شخصیت کون تھے تو سنئے یہ عظیم شخصیت حضرت مولانا محمد عثمان المعروف چینی صاحب تھے۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

بھائی کا اعلیٰ جذبہ خدمت

زمین داری بہت محنت طلب کام ہے۔ والد صاحب کی عمر کا تقاضہ اور صحت کی خرابی کی وجہ سے کام کرنا ناممکن ہو چکا تھا۔ بھائی جان (مکرم خواجہ محمد اسلم صاحب بٹ) نے فیصلہ کیا کہ والد صاحب کی خدمت اور مدد کرنا ضروری ہے بھائی کا خیال تھا کہ والد صاحب کی صحت کی کمزوری کے باعث ان کا سہارا نہ بننا نافرمان اولاد ہی کر سکتی ہے۔ والد صاحب نے اشارۃً کہا تھا کہ وہ اکیلے اب کام نہیں کر سکتے۔ اس بناء پر بھائی نے فیصلہ کیا کہ وہ والد صاحب کا نافرمان بیٹا کہلانا پسند نہیں کرتے۔

والدین کا آنحضرت ﷺ نے اس قدر مقام و مرتبہ بیان فرمایا کہ "والدین کی نافرمانی کو کبیرہ گناہ قرار دیا" ایک اور مقام پر فرمایا

اَلْوَالِدُ اَوْسَطُ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ۔

(سنن ابن ماجہ، باب الرجل یامرہ ابوہ بطلاق امراتہ، حدیث نمبر 2089)

باپ جنت کا بہترین دروازہ ہے۔ اور یوں بھی فرمایا

هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ

تمہارے والدین تمہاری جنت اور دوزخ ہیں۔ یعنی ان کی خدمت ہی کے نتیجے میں تم جنت کے وارث بن سکتے یا جہنم سے دور ہو سکتے ہو۔

والدین کی فرمانبرداری

والدین کی اطاعت اور خدمت کا فریضہ حقوق العباد میں دنیا کا سب سے مقدس حق قرار دیا گیا ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باپ کی خوشی میں خدا کی خوشی اور باپ کی ناراضگی میں خدا کی ناراضگی ہے۔

اولاد پر ماں باپ کے احسانوں کے بدلہ میں قرآن نے یہ دعا سکھلائی ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (بنی اسرائیل 25)

ترجمہ: اور تو کہہ کہ اے میرے رب! تو میرے ماں باپ سے اسی طرح رحم کا سلوک کرنا جیسا کہ انہوں نے میری پرورش میں محبت اور رحم کا سلوک کیا۔

چنانچہ بھائی جان نے والد صاحب کی محبت اور جذبہ خدمت میں اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہوئے والد صاحب کے ساتھ زمینوں پر کام کرنا شروع کر دیا۔ ان حالات میں جامعہ احمدیہ میں مزید تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور "شاہد" کی ڈگری نہ لے سکے۔ اس وقت جامعہ احمدیہ کے پرنسپل حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری" خالد احمدیت" تھے۔ انہوں نے بھائی کو بلا کر سمجھایا کہ آپ شاہد کی ڈگری حاصل کرنے کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ لہٰذا آپ شاہد کی ڈگری ضرور حاصل کریں مگر بھائی جان صاحب پھر دوبارہ جامعہ احمدیہ احمد نگر نہیں گئے۔ البتہ بھائی جان نے زمینداری کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ مولوی فاضل کی ڈگری حاصل کی اور پرائیویٹ ہی گریجوایشن (BA) کیا۔

باپ کی عظمت کے بارے

سنن ابن ماجہ حدیث نمبر 2375 میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول! میرے پاس کچھ مال ہے اور میری اولاد بھی ہے

اور میرا باپ میرا سارا مال لے لینا چاہتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا تو بھی اور تیرا مال بھی تیرے باپ کا ہے۔

ایک دوسری روایت میں باپ کی عظمت کے ایک واقعہ کا ذکر کچھ اس طرح ہے اس کا ذکر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک درس قرآن کے موقع پر بھی فرمایا ہے روایت درج ذیل ہے۔

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنے باپ کی شکایت کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم میرا باپ مجھ سے پوچھتا نہیں اور میرا سارا مال خرچ کر دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کے والد محترم کو بلوایا۔ جب ان کے والد کو پتا چلا کہ میرے بیٹے نے رسول ﷺ سے میری شکایت کی ہے تو دل میں رنجیدہ ہوئے اور رسول ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے چلے۔ چونکہ عرب کی گھٹی میں شاعری تھی تو راستے میں کچھ اشعار ذہن میں کہتے ہوئے پہنچے۔ ادھر بارگاہ رسالت میں پہنچنے سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کا معاملہ بعد میں سنیئے گا۔ پہلے وہ اشعار سنیں جو وہ سوچتے ہوئے آ رہے ہیں۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ کا مسئلہ بعد میں سنا جائے گا پہلے وہ اشعار سنایئے جو آپ سوچتے ہوئے آئے ہیں۔ وہ مخلص صحابی تھے یہ سن کر وہ رونے لگے کہ جو اشعار ابھی میری زبان سے ادا بھی نہیں ہوئے میرے اپنے کانوں نے ابھی نہیں سنے۔ آپ کے رب نے وہ بھی سن لئے اور آپ ﷺ کو بتا بھی دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ کیا اشعار تھے ہمیں سنائیں۔ ان صحابی نے اشعار پڑھنے شروع کئے۔ (ان اشعار کا اردو ترجمہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ اشعار عربی میں تھے اور جس اعلی پائے کے تھے اور جو جذبات کی کیفیت تھی ان کی صحیح ترجمانی اردو میں مشکل ہے۔ اشعار کچھ اس طرح سے تھے کہ:

اَے میرے بیٹے! جس دن تو پیدا ہوا ہماری محنت کے دن تبھی سے شروع ہو گئے تھے تو روتا تھا ہم سو نہیں سکتے تھے۔ تو نہیں کھاتا تو ہم کھا نہیں سکتے تھے۔ تو بیمار ہو جاتا تو تجھے لئے لئے کبھی کسی طبیب کے پاس اور کبھی کسی طبیب کے پاس علاج معالجے کے لئے مارے مارے پھرتے تھے کہ کہیں تجھے کچھ ہو نہ جائے۔ کہیں مر نہ جائے۔ حالانکہ موت الگ چیز ہے اور بیماری الگ چیز ہے۔ پھر تجھے گرمی سے بچانے کے لئے میں دن رات کام کرتا رہا کہ میرے بیٹے کو ٹھنڈی چھاؤں مل جائے۔ ٹھنڈ سے بچانے کے لئے میں نے پتھر توڑے۔ تغاریاں اٹھائیں کہ میرے بچے کو گرمی مل جائے۔ جو کمایا تیرے لئے جو بچایا تیرے لئے۔ تیری جوانی کے خواب دیکھنے کے لئے میں نے دن رات اتنی محنت کی کہ اب میری ہڈیاں تک کمزور ہو گئی ہیں اور تُو کڑیل جوان ہو گیا ہے پھر مجھ پر خزاں نے ڈیرے ڈال لئے لیکن تجھ پر بہار آ گئی۔ میں جھک گیا تُو سیدھا ہو گیا۔ اب میری خواہش اور امید پوری ہوئی کہ اب تُو ہرا بھرا ہو گیا ہے۔ چل اب زندگی کی آخری سانسیں تیری چھاؤں میں بیٹھ کر گزاروں گا مگر یہ کیا کہ جوانی آتے ہی تیرے تیور بدل گئے۔ تیری آنکھیں ماتھے پر چڑھ گئیں۔ تو ایسے بات کرتا کہ کوئی غلام سے بھی ایسے نہیں کرتا۔ پھر میں نے اپنی ساری زندگی کی محنت کو جھٹلا دیا کہ میں تیرا باپ نہیں نوکر ہوں۔ نوکر کو بھی کوئی ایک وقت کی روٹی دے ہی دیتا ہے۔ تُو نوکر سمجھ کر ہی مجھے روٹی دے دیا کر۔

یہ اشعار سناتے سناتے اس کی نظر اللہ کے رسول ﷺ کے چہرہ مبارک پر پڑی تو دیکھا کہ آپ ﷺ جلال میں اپنی جگہ سے اٹھے اور بیٹے کا گریبان پکڑ کر فرمایا کہ اَنْتَ وَمَا لُکَ لِاَبِیْکَ تُو اور تیرا سب کچھ تیرے باپ کا ہے۔ تُو اور تیرا سب کچھ تیرے باپ کا ہے۔ (تفسیر قرطبی)

اللہ کریم سے دعا ہے رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا

بیماری سے صحت یابی

محترم والد صاحب بوجہ Bedsore اور Lungs infection شدید بیمار ہو گئے فضل عمر ہسپتال میں ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب چیف میڈیکل آفیسر نے معائنہ فرمایا اور ضروری ٹیسٹ تجویز کئے اور تشویشناک حالت کی بناء پر ہسپتال میں داخل کرنے کی ہدایت فرمائی اور پرائیویٹ روم دے دیا گیا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ازراہ مہربانی بہت توجہ سے علاج شروع کر دیا اور میڈیسنز، ٹیکے لگانے شروع کر دیئے گئے۔ ابتدائی چند ہفتے ڈاکٹر مرزا

منور احمد صاحب باقاعدہ صبح وشام اور بوقت ضرورت معائنہ فرماتے رہے۔ دواڑھائی ہفتہ بعد میڈیسنز نے اپنا اثر شروع کر دیا اور مثبت ریزلٹ آنے شروع ہو گئے۔ ہسپتال کے تمام سٹاف نے بہت تعاون کیا اور خیال رکھا۔ مکرم لطف الرحمن صاحب شاکر انچارج لیبارٹری بروقت خون لیتے اور خون ٹیسٹ کی رپورٹ جمع کرواتے۔ اسی طرح ایکسرے کی ضرورت ہوتی تو مکرم محمد اسلم خان صاحب ایکسرے ٹیکنیشن کمرہ میں آکر ایکسرے لیتے۔ نرسنگ سٹاف کا مثالی تعاون تھا جن میں مکرم ضیاء الدین



حمید صاحب فزیوتھراپسٹ، مکرم نعمت اللہ بھٹی صاحب، مکرم راجہ محمد عباس صاحب نے والد صاحب کی خوب خدمت کی۔ مکرم نعمت اللہ بھٹی صاحب خاص طور پر والد صاحب کی تیل سے مالش کرتے اور نہلاتے اور کپڑے وغیرہ پہناتے۔ نرسنگ عملہ بروقت میڈیسنز کھلاتے۔ ٹیکے لگاتے۔ ٹمپریچر لیتے اور 24 گھنٹے جو صورت حال ہوتی وہ چارٹ میں درج کر کے چیف میڈیکل آفیسر صاحب کو پیش کرتے۔

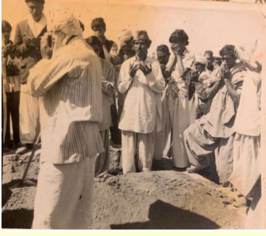
اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہوا کہ دوماہ بعد بہت اچھی صحت ہوگئی اور ہم



والد صاحب کو اپنے گھر (کوارٹر صدر انجمن) میں لے گئے اور گھر میں میڈیسنز وغیرہ دیتے رہے اور گاہ بگاہ حضرت ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب سے چیک اَپ کروالیتے تھے اور ٹیسٹ وغیرہ کروالیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے پانچ سال تک خوش وخرم وقت گزرتا رہا۔ اب عمر کا تقاضہ تھا اور کمزور بہت ہوگئے تھے۔

دوسری بار بیماری کا حملہ ووصال

پانچ سال بعد پھر دوسری بار والد صاحب کو Lungs infection کا شدید حملہ ہوا اور فضل عمر ہسپتال میں آپ کو داخل کیا گیا۔ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہی پوری توجہ سے معائنہ فرمایا اور علاج شروع

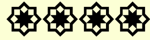


کر دیا گیا۔ آپ کی صحت بھی کافی کمزور ہو چکی تھی۔ علاج بہت بہترین ہو رہا تھا۔ تقریباً ایک ماہ ہسپتال داخل رہے مگر طبیعت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ آخر خدائی تقدیر غالب آئی اور آپ اس جہان فانی سے رحلت فرما کر اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کا وصال مورخہ 7 مارچ 1978ء کو ستتر 77 سال کی عمر میں ہوا۔ آپ موصی تھے اور آپ کا وصیت نمبر 16365 تھا۔ جنازہ میں لوگ کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ جنازہ حضرت مرزا منصور احمد صاحب ناظر اعلیٰ نے پڑھایا۔ آپکی تدفین بہشتی مقبرہ ربوہ قطعہ نمبر 13 میں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا کرے۔ آپ کے ساتھ خصوصی محبت کا سلوک کرے۔ اور آپ کے درجات قرب کو ہر لحظہ وہر آن بڑھاتا چلا جائے۔ آمین۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا، اسی پہ اے دل تو جان فدا کر

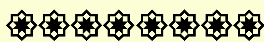


لمبی عمر پانے کا نسخہ

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

”دوسروں کے لیے دعا کرنے میں ایک عظیم الشان فائدہ یہ بھی ہے کہ عمر دراز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ دوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں اور مفید وجود ہوتے ہیں اُن کی عمر دراز ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (ترجمہ) اور جو چیز لوگوں کو نفع دینے والی ہوتی ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے (الرعد:١٨) اور دوسری قسم کی ہمدردیاں چونکہ محدود ہیں اس لیے خصوصیت کے ساتھ جو خیر جاری قرار دی جاسکتی ہے وہ یہی دعا کی خیر جاری ہے۔ جب کہ خیر کا نفع کثرت سے ہے تو اس آیت کا فائدہ ہم سب سے زیادہ دعا کے ساتھ اُٹھا سکتے ہیں

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 353)





میری والدہ۔عزیزہ بیگم زوجہ ماسٹر فضل الرحمن بسمل

(انجینئر محمود مجیب اصغر)

ان امھتھم الا الی ولدنھم (سورۃ المجادلۃ آیت 3)

یعنی ان کی مائیں وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے

ارشاد امام مھدی مسیح موعود

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں" پہلی حالت انسان کی نیک بختی کی ہے کہ والدہ کی عزت کرے اویس قرنی کے لئے بسا اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمن کی طرف کو منہ کر کے کہا کرتے تھے کہ مجھے یمن کی طرف خدا کی خوشبو آتی ہے آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنی والدہ کی فرمانبرداری میں بہت مصروف رہتا ہے اور اسی وجہ سے میرے پاس بھی نہیں آسکتا بظاہر یہ بات ایسی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں مگر وہ ان کی زیارت نہیں کر سکتے صرف اپنی والدہ کی خدمت گزاری اور فرمانبرداری میں پوری مصروفیت کی وجہ سے مگر میں دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو ہی آدمیوں کو السلام علیکم کی خصوصیت سے وصیت فرمائی یا اویس کو یا مسیح کو یہ ایک عجیب بات ہے جو دوسرے لوگوں کو ایک خصوصیت کے ساتھ نہیں ملی۔"

(الحکم 12 مئی 1899ء تفسیر مسیح موعود جلد 6 صفحہ 7،6)

میری والدہ (عزیزہ بیگم)

Behind every successul man is a woman

یہ مشہور مقولہ ہے کہ ہر کامیاب شخص کے پیچھے عورت کا ہاتھ ہوتا ہے

میرے والد ماسٹر فضل الرحمن بسمل بی اے بی ٹی سابق امیر جماعت احمدیہ پر سہ ماہی رسالہ قندیل حق جولائی ستمبر 2021ء میں میرا ایک مضمون شائع ہوا تھا میرے والد صاحب کی جب شادی ہوئی تو وہ مڈل کلاس کے ٹیچر تھے اپنی محنت، ہماری والدہ کے ایثار، تعاون اور دعاؤں کے طفیل چند سالوں میں پرائیوٹ طور پر پڑھ کر بی اے بی ٹی ہو گئے اور گورنمنٹ ہائی سکول میں انگلش ٹیچر لگ گئے ساتھ ساتھ دین کی خدمت میں بھی والد صاحب کا ہاتھ بٹایا کئی ابتلاؤں کے دوران والدہ صاحبہ نے کمال استقامت اور وفا کا نمونہ دکھایا بچوں کو پڑھایا لکھایا اور ان کا مستقبل سنوارنے کی انتہائی جدوجہد کی ان کا خلافت اور مرکز سے تعلق مستحکم کیا اور خدمت دین کا جذبہ پیدا کیا۔

ان کی ساری عمر یہ دعا رہی کہ ان کے بچے دیندار ہوں اور ان کو اچھے دوست اور ساتھی ملیں نیز چوہدری ظفر اللہ خان صاحب اور ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی طرح لائق بنیں لیکن ہر انسان اپنی استعدادوں کے اندر ہی رہ سکتا ہے۔

والدہ کی دادی عمر بانو کے ذریعے خاندان میں احمدیت

میری والدہ (عزیزہ بیگم) کے آباؤ اجداد بھی حضرت مولوی نور الدین صاحب کی ہمسائیگی میں بھیرہ کے رہنے والے تھے

والدہ کی دادی عمر بانو صاحبہ کی بدولت والدہ کے خاندان میں احمدیت آئی جیسا کہ" بھیرہ کی تاریخ احمدیت" میں لکھا ہے

" حضرت عمر بانو صاحبہ بڑی دانا اور نیک خاتون تھیں ایک رات انہوں نے خواب دیکھا کہ کوئی بزرگ اونٹنی پر سوار ہو کر اعلان کر رہے ہیں کہ امام مھدی صاحب قادیان میں ظاہر ہو گئے ہیں یہ بات ان کے دل کی گہرائی میں پہنچ گئی یقین ہو گیا کہ حضرت مرزا صاحب کا دعوی...درست ہے چنانچہ بیعت کر لی ان کے ذریعے سارا خاندان احمدی ہو گیا" (بھیرہ کی تاریخ احمدیت صفحہ 111)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب کرم دین کے مقدمہ کے سلسلہ میں جہلم تشریف لائے تو بھیرہ کے کئی احمدیوں نے جنہوں نے بذریعہ خط بیعت کی تھی جہلم جا کر دستی بیعت کر کے حضرت مسیح موعود کے صحابہ میں شامل ہونے کا شرف پالیا ان میں عمر بانو صاحبہ کے شوہر یعنی میری والدہ صاحبہ کے دادا غلام محی الدین بھی شامل تھے۔

والدہ صاحبہ کے دادا 1903ء کے آخر میں انتقال فرما گئے تاہم والدہ صاحبہ کی بزرگ دادی حضرت عمر بانو صاحبہ 1925ء تک زندہ رہیں کہتے ہیں انہوں نے 100 بیعتیں کروائیں۔

میری نانی فاطمہ بی بی

تاریخ احمدیت بھیرہ کے مطابق میری نانی فاطمہ بی بی اور نانا میاں امام دین بھی اپنے آباء کے نقش قدم پر چل کر احمدیت پر مضبوطی سے قائم رہے ہمارے نانا تو 1930ء میں فوت ہو گئے تھے میری والدہ صاحبہ کی شادی ان کی وفات کے بعد 1936ء میں ہوئی تھی۔

میں نے بچپن میں اپنے grand parents میں سے صرف اپنی نانی اماں (فاطمہ بی بی) کو دیکھا ہے جو مادر مہربان سے بڑھ کر مہربان تھیں نہایت صاف ستھرے سفید کپڑے پہنے ہوتے تھے صوم وصلواۃ کی پابند تھیں کئی سورتیں مثلاً سورۃ یاسین، سورۃ رحمان، سورۃ ملک، سورۃ مزمل یاد کی ہوئی تھیں اکثر زبانی تلاوت کر رہی ہوتی تھیں جب بھی ہمارے گھر آتیں منع کرنے کے باوجود کام میں والدہ صاحبہ کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیتیں۔

مجھے بچپن میں کئی بار حکیم کے پاس لے جاتی تھیں ایک دفعہ مجھے اونٹنی کا دودھ پلوا کر لائیں غصہ نام کی کوئی چیز ان میں نہیں تھی میں جب چھٹی ساتویں میں تھا تو میرے بڑے ماموں کو جو فوج میں نائب صوبیدار تھے خط لکھوایا کرتی تھیں۔

خط میں مضمون تھوڑا اور دعائیں زیادہ لکھواتی تھیں جب میں آٹھویں میں ہوا تو ان کی وفات ہوگئی انہی کے نقش قدم پر ہماری والدہ کے اندر بھی نیکی اور انسانی ہمدردی کا بہت جذبہ تھا۔

میری والدہ اور بچوں کی تعلیم وتربیت

ہمارے والد بہت معمور الاوقات تھے سکول ٹیچر تھے ٹیوشنز بھی پڑھاتے تھے جماعت کے کئی شعبے ان کے ذمے ہوتے تھے والدہ صاحبہ نے ہماری تعلیم وتربیت میں بڑا کردار ادا کیا بچوں سے بڑا مشفقانہ سلوک تھا ایک دو تین دفعہ میں ضد میں خالی پیٹ سکول چلا گیا والدہ سے برداشت نہ ہوا اور انہوں نے والد صاحب کے ہاتھ سکول کھانا بھجوا دیا جہاں وہ خود ٹیچر تھے یعنی گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ میٹرک تک ہمارے گھر میں بجلی نہیں ہوتی تھی والدہ صاحبہ رات دیر تک ساتھ بیٹھتیں سکول کا ہوم ورک کرنے تک پنکھا کرتی رہتیں والد صاحب اور بچوں کے لئے بہت دعا کرتیں۔

اکرموا اولادکم و احسنوا ادبھم (اپنی اولاد سے عزت کا برتاؤ کرو اور انہیں اچھے طور پر ادب آداب سکھاؤ) کی حدیث پر عمل کرتیں۔ فرض نمازوں کے ساتھ نوافل اور ذکر الٰہی کثرت سے کرتیں جمعہ کے روز مسجد نور میں ہماری والدہ اور چچی اور تائی جو مسجد کی سامنے والی گلی میں رہتی تھیں بلا ناغہ وقار عمل (صفائی) کرتیں ان کا موقف تھا صفائی ایمان کا نصف حصہ ہے اور پہلا حق مسجد کا ہے پھر گھر کا ہے۔

ہماری اطفال کی ڈیوٹی دوپہر سے شروع ہوتی تھی والدہ ہمیں مسجد بھجواتیں جہاں ہم صفیں بچھانے اور وضو کے لئے پانی کی ٹینکی بھرنے اور صحن مسجد میں شامیانہ لگانے میں ایک بزرگ میاں فضل الٰہی صاحب (ٹال والے) جو مسجد کی طوعی خدمت پر معمور رہتے تھے کا ہاتھ بٹاتے تھے۔

کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم

میرے کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم کے لئے والدہ صاحبہ نے بہت قربانی دی ہم آٹھ بہن بھائی تھے ہم تین بھائی بیک وقت کالجوں اور اس کے بعد یونیورسٹی میں چلے گئے والد صاحب کی آمدنی قلیل تھی ہماری والدہ نے نہایت کفایت شعاری سے کام لیا اور ہماری پڑھائی کے دوران کبھی مالی کمی نہیں آنے دی۔

مرکز میں مکان بنانے کی خواہش

والدہ صاحبہ کی شدید خواہش تھی کہ ہم ربوہ مکان بنا کر وہاں چلے جائیں والد صاحب کا دارالرحمت شرقی میں 10 مرلے کا ایک پلاٹ تھا جہاں والد صاحب مکان بنانے میں کامیاب ہو گئے ہم دو بھائیوں نے اس مکان سے ٹی آئی کالج میں تعلیم کے دوران استفادہ کیا لیکن عملاً اس میں پورا کنبہ شفٹ نہ ہو سکا صرف جلسہ سالانہ کے ایام وہاں گزارتے تھے۔

انجینئرنگ یونیورسٹی میں داخلہ

اللہ تعالیٰ کے فضل اور ٹی آئی کالج کی برکت سے ایف ایس سی میں میرے اچھے نمبر آ گئے جن دنوں ہمارے خاندان میں انجینئرنگ یونیورسٹی میں داخلے کی باتیں ہو رہی تھیں ہمارے ایک رشتہ دار جو سروے آف انڈیا میں شملہ وغیرہ رہ چکے تھے نے کہا وہاں تو داخلہ بہت مشکل ہے وہاں تو بڑے بڑے لوگوں وزیروں کے بچوں کو داخلے ملتے ہیں میری متوکل والدہ جو بچپن سے مجھے انجینئر

دیکھنا چاہتی تھیں کہنے لگیں کہ ہمارا خدا ہی وزیر اور سب پر فائق ہے میرے بچے کو ضرور داخلہ مل جائے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور والدہ کے ایثار اور دعاؤں سے میں نے 1966ء میں بی ایس سی (سول) انجینئرنگ کر لی۔

بنکاک تھائی لینڈ (seato) سکول آف انجینئرنگ) کا سکالرشپ

اگلے سال 1967ء میں مجھے سیٹو سکول آف انجینئرنگ بنکاک تھائی لینڈ میں ایم ایس سی سٹرکچرل انجینئرنگ کے لئے سکالرشپ مل گیا میری والدہ کو شرح صدر نہیں تھا گھر میں یہ طے پایا کہ خلیفہ وقت سے مشورہ لیا جائے۔

میں نے ساری صورت حال حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی خدمت میں لکھی حضور نے والدہ صاحبہ کی رائے کو ترجیح دی اور فرمایا مجھے انشراح صدر نہیں ہوا (اس وقت میں ایک یوگوسلاوین فرم میں کام کر رہا تھا) فرمایا اسی سروس پر رہیں چنانچہ میرا تھائی لینڈ کا پروگرام رہ گیا۔

میرے نکاح کی تقریب

حضرت سردار عبدالرحمن سابق مہر سنگھ کو بچپن میں ہی مسلمان ہو کر حضرت مسیح موعود کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا تو حضور نے اس نومسلم بچے کو تعلیم و تربیت کے لئے حضرت مولوی نورالدین صاحب کے حوالے کر دیا آپ اس وقت مہاراجہ جموں رنبیر سنگھ کے شاہی طبیب تھے لیکن انہوں نے اس بچے کو بھیرہ بھجوا دیا جہاں 5 سال (مڈل تک) وہ بھیرہ میں رہے جہاں اور بھی کئی بچے آپ کی کفالت میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اور ان کی رہائش آپ کے آبائی گھر جو خلافت اولیٰ میں "مسجد نور احمدیہ" کی شکل اختیار کر گیا میں تھی۔

سردار عبدالرحمن مہر سنگھ میرے دادا جن کا نام بھی عبدالرحمن تھا کے دوست اور کلاس فیلو تھے کئی سال بعد یہی تعلق ان کی پوتی کے ساتھ میرے رشتے کا باعث بنا۔ جب اس رشتے کی تجویز آئی تو میری والدہ نے اس رشتہ کو ربوہ جا کر پسند کیا والد صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث سے مشورہ کیا حضور نے فرمایا ٹھیک ہے محمود اور مریم کے ناموں میں بھی مماثلت ہے چنانچہ یہ رشتہ طے ہو گیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے ازراہ شفقت 26 اگست 1967 بعد نماز عصر مسجد مبارک ربوہ میں خود ہمارا نکاح پڑھا میرے ساتھ میری اہلیہ کے بھائی سردار خلیل احمد ناصر (جو اس وقت پاکستان آرمی میں کیپٹن تھے) کے نکاح کا بھی اعلان فرمایا۔

حضور نے اپنے مختصر خطبہ نکاح میں حضرت مہر سنگھ کے نام سے میری اہلیہ کے دادا کا ذکر فرمایا اور ہمارے بارے میں فرمایا کہ (بھیرہ کا) یہ خاندان بھی بڑا مخلص ہے۔

میرے خسر ڈاکٹر سردار نذیر احمد صاحب کی عدم موجودگی میں ان کے ایک بیٹے سردار رفیق احمد (جو اب فوت ہو چکے ہیں) وکیل مقرر ہوئے تھے۔

(شادی ہماری 23 فروری 1969ء کو ہوئی)

میرے نکاح کے موقعہ پر میرے والد ماسٹر فضل الرحمن صاحب بسمل بی اے بی ٹی نے جو نظم لکھی تھی

اس کے چند اشعار یہ ہیں:

حضرت اقدس کے نوٹس میں یہ جب لایا گیا
جو ہوا ارشاد بندہ اس پہ ہی مفتون ہے
مریم و محمود کے ناموں میں باہم جوڑ ہے
اس لئے رشتہ مبارک اور بہت موزوں ہے
خود نکاح پڑھ کر کیا احسان مبارک ذات نے
بندہ عاجز ان کی منت کا بہت ممنون ہے

ان دونوں نکاحوں کا اعلان حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری کی طرف سے دو تین دن بعد الفضل میں شائع ہوا مولانا صاحب ان کے بھائی کے نکاح کے لئے لڑکی کے والد کے وکیل مقرر ہوئے تھے جو کہ لندن میں تھے

خلافت اور خاندان مسیح موعود کی عزت وتکریم

میری والدہ کو خلیفہ وقت اور افراد خاندان مسیح موعود علیہ السلام کا بہت احترام تھا حضرت خلیفہ ثانی کی صحت کے لئے نفلی روزے رکھتی تھیں اور روزانہ نوافل ادا کرتی تھیں یہی کیفیت خلیفہ ثالث کے عہد میں رہی جب خلیفۃ المسیح الثالث نے دعاؤں اور ذکر الٰہی کی تحریک فرمائی تو حضور کے ارشاد کے مطابق کچن میں بھی کام کرتے ہوئے حتی کہ جیسا کہ حضور نے فرمایا تھا ہانڈی میں چمچہ ہلاتے وقت بھی ذکر الٰہی کرتی رہتیں

جتنی دیر ہم بھیرہ میں رہے سفر کے لئے عموماً پہلی بس پکڑتے تھے جو صبح 3 بجے چلتی تھی آپ علی الصبح ناشتہ کروا کر خود نفلی روزہ رکھ لیتی تھیں اور بچوں بلکہ اس روز سارے سفر کرنے والوں کی خیر و عافیت کے لئے دعائیں کرتی رہتی تھیں مجھے یاد ہے اگر کسی بچے کا رات کا سفر ہوتا تو ساری ساری رات جاگ کر دنیا بھر کے مسافروں کے لئے دعائیں کرتی تھیں

والد صاحب نے ان کی وفات پر ایک نظم لکھی جس میں والدہ کی ذکر الٰہی کی عادت کے متعلق لکھا

تمہاری اچھی فطرت میں بھری نیکی ہی نیکی تھی۔
تجھے مصروف دیکھا ہر گھڑی تسبیح جوانی میں

1974ء کی انٹی احمدیہ تحریک

1974ء کے زمانے میں ہمارے والد بھیرہ کی جماعت احمدیہ کے مقامی امیر تھے اس لئے ہمارے گھر کو ٹارگٹ کیا گیا 31 مئی 1974ء بعد نماز جمعہ معاندین نے ہمارے گھر پر حملہ کیا والد صاحب شدید زخمی ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے جان بچا لی۔ حملہ سے کچھ دیر پہلے کسی ہمدرد نے پیغام بھجوا دیا تھا میری والدہ ہنگامی طور پر میرے بیوی بچوں، بہنوں اور سب سے چھوٹے بھائی کو مسجد نور کے سامنے والی سربستہ گلی میں ہمارے تایا جان کے گھر لے گئیں جو نسبتاً محفوظ جگہ تھی میں اس وقت نواب شاہ میں تھا۔

اس حملے کی خبر سرگودہا سے شائع ہونے والے ہفت روزہ اخبار عقاب میں بھی شائع ہوئی بعد میں دھوکے سے معاندین نے مکان پر بھی قبضہ کر لیا مجبوراً والدین کو بھی ربوہ ہجرت کرنی پڑی ۔

ہفت روزہ عقاب سرگودہا

”31 مئی بھیرہ سے بذریعہ فون اطلاع ملی ہے کہ حادثہ ربوہ کے سلسلہ میں آج بعد نماز جمعہ ایک مشتعل ہجوم نے شہر میں گھس کر کئی دکانوں کو لوٹنے کے بعد نذر آتش کر دیا......تھوڑی دور جا کر ان لوگوں نے ماسٹر فضل الرحمن امیر جماعت احمدیہ بھیرہ کے مکان پر ہلہ بول دیا اور اس کے مکان سے متعدد ٹرانسسٹر، زیورات اور پارجات لوٹ لئے اور باقی سامان بجلی کے پنکھوں کو آگ لگا دی۔“



غزل

آدم چغتائی

گردش، دوراں رواں دواں ہے جسکا کوئی انجام نہیں
اہل وفا پہ کچھ بھی گزرے اس سے تمہیں کچھ کام نہیں
میرے لبوں پہ حرف شکایت یہ تو اک مجبوری تھی
دل والوں کو اس دنیا میں چین نہیں، آرام نہیں
صبر کیا ہے برسوں ہم نے اُن کے ایک اشارے پر
ورنہ یوں چُپ سا رہنا اہلِ جنوں کا کام نہیں
یوں بھی اس فانی دنیا کی ہر شہ آنی جانی ہے
موت تو خوداک زیست ہے یارو، زیست کا یہ انجام نہیں
عرصہ فرقت میں بھی ہم کو تیری رفاقت یاد رہی
دل میں جو بس جائے اُس آنکھوں کے کچھ کام نہیں
نفس کی دوئی ہرگز وحدت والوں کا دستور نہیں
ایک خدا اور ایک پیمبر اس میں کوئی ابہام نہیں
مست شرابِ عشق ہے آدمؔ کیسے اُجڑے عالم میں
موسم کا پیمانہ ویراں، دستِ صبا میں جام نہیں

(ہفت روزہ عقاب سرگودہا ضمیمہ یکم جون 1974ء)

یہی ہیں پنجتن جن پر بناء ہے

والدہ صاحبہ جب بھیرہ سے ربوہ شفٹ ہوئیں تو باقاعدہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے پاس ملاقات اور دعا کے لئے جانا شروع کر دیا حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی 1977ء میں وفات ہو گئی اس کے بعد بھی حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے پاس جاتی رہیں اور ان سے تعلق زیادہ استوار ہو گیا۔

ایک بار والدہ بیمار تھیں کچھ عرصہ ان کے پاس نہ گئیں تو حضرت نواب امۃ الحفیظ صاحبہ کا مجھے خط آیا کہ آپ کی والدہ آجکل نہیں آ رہیں ان کو بھجوائیں انہوں نے اپنا ایک پاجامہ بھی والدہ صاحبہ کو تبرک دیا۔

حضرت مصلح موعود کی صاحبزادی امۃ الرشید بیگم صاحبہ حضرت خلیفۃ المسیح اول کی نواسی تھیں حضرت خلیفۃ المسیح اول کا مولد و مسکن بھی بھیرہ تھا اس حوالے سے ان کے ساتھ بہت تعلق ہو گیا جب والدہ ان کے پاس جاتیں تو وہ کبھی کبھی فرماتیں میرے نانکے (ننھال) آ گئے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے دور خلافت کے آخری چند سال میری تقرری اسلام آباد میں ہو گئی والدہ صاحبہ اور چھوٹے بھائی میرے پاس آئے ہوئے تھے بڑی بہن (اہلیہ میاں شبیر احمد اختر مرحوم) اور ان کے بچے میرے پاس رہتے تھے ایک اور بہن راولپنڈی رہتی تھی میری تحریری درخواست پر حضور نے ازراہ شفقت ہم سب کو ملاقات کا شرف عطا فرمایا حضور کا وسیع ڈرائنگ روم سارے کا سارا بھر گیا حضور نے فرمایا سب کا تعارف کرواؤ میری والدہ نے بتایا کہ وہ ربوہ حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ سے ملنے جاتی رہتی ہیں حضور یہ سن کر بہت خوش ہوئے مختلف باتیں ہوتی رہیں والد صاحب اور ایک بہن ربوہ رہ گئی تھی والدہ نے جب حضور کی خدمت میں والد صاحب کے لئے دعا کی درخواست کی تو حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا ان کو ربوہ چھوڑ آئی ہیں اور خود یہاں سیریں کر رہی ہیں باتوں باتوں میں حضور نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے والدہ صاحبہ سے فرمایا خدا نے آپ کو یہ "ہیرا بیٹا" دیا ہوا ہے آپ سب کا خیال رکھتا ہے اور دعا کے لئے لکھتا رہتا ہے۔

اس ملاقات سے والدہ اور ہم سب میرے بیوی بچوں سمیت بہت خوش تھے والد صاحب کے ہمراہ تو ربوہ کئی ملاقاتیں کی ہوئی تھیں والدہ صاحبہ کے ہمراہ یہ پہلی ملاقات تھی جس میں تقریباً سارا کنبہ شامل تھا میری ایک بچی جو حضور کے پاس لپک لپک کر جاتی تھی اور حضور محظوظ ہوتے تھے اگلے دن جب روانہ ہونے لگے تو مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔

مجیب! کیا حال ہے" پٹاخہ بیگم" ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد فرمایا ''تمہاری بیٹی جو کل بڑی شرارتیں کر رہی تھی۔''

اسلام آباد میں چند بار سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ کو ملنے کے لئے گئیں سیدہ کو موتیئے کے پھول کی کلیاں بہت پسند تھیں والدہ ان کی ملاقات کے دوران انہیں موتیئے کی کلیاں پیش کرتیں۔ ان کی وفات پر بہت غم کیا اور جب حضور نے نکاح ثانی فرمایا تو سیدہ طاہرہ صدیقہ صاحبہ سے بڑی عقیدت ہو گئی انہوں نے والدہ کی وفات پر مجھے گہری ہمدردی اور تعزیت کا خط لکھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی وفات پر انہیں بڑا غم ہوا اور اس کا اظہار کرتیں۔

میری توام بچیاں والدہ کے پاس

میری دو توام بچیاں اپنی infancy میں میری والدہ کے پاس رہیں ان کو اتنا پیار دیا اور ایسی اچھی تربیت کی کہ شاید ہم ماں باپ بھی ایسا نہ کر سکتے گرمیوں کی چھٹیوں میں سب میرے پاس اسلام آباد آ جاتے تھے اگر کبھی میری اہلیہ باقی بچوں کے ساتھ ان کو ڈانٹتیں تو میری والدہ کو کہتیں دادی اماں! ربوہ چلیں یہاں امی ہمیں ڈانٹتی ہیں۔

بچیاں بتاتی ہیں کہ دادی اماں ہر وقت سلاما قولا من رب الرحیم پڑھتی رہتی تھیں دعائیں بہت کرتی تھیں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی ہجرت کے بعد حضور اور جماعت کے لئے رو رو کر دعائیں کرتی تھیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع سے ربوہ میں فیملی ملاقات

خلافت رابعہ کے انتخاب کے بعد میں جلد ہی سلطنت عمان بھجوا دی گیا سال میں دو تین چکر میرے گھر کے لگ جاتے تھے حضور کی ہجرت سے کچھ پہلے ہماری فیملی ملاقات ہوئی والدہ صاحبہ بھی ساتھ تھیں والد صاحب بھی تھے اسی روز قبل دوپہر ایک اہم جماعتی کام کی رپورٹ میں حضور کے افسر حفاظت بریگیڈئر (ر) وقیع الزمان صاحب کے ساتھ discuss کر کے آیا تھا اس ملاقات میں حضور نے پوچھا کہ رپورٹ کے بارے میں گھر والوں کو تو نہیں بتایا میں نے عرض کیا "نہیں حضور"

بے شک والدہ سے پوچھ لیں اس پر حضور بہت خوش ہوئے

حضرت خلیفہ رابع کی ہجرت

جب حضور نے 1984ء میں ہجرت فرمائی تو میں اس وقت سلطنت عمان میں تھا میری بچیوں نے مجھے بتایا کہ دادی اماں حضور کی ہجرت کے بعد بہت رو رو کر حضور اور جماعت کے لئے دعائیں کرتی تھیں۔

وصیت اور مالی تحریکات میں شرکت

والد صاحب کی وصیت بہت پرانی تھی والد صاحب کی تحریک پر 1964ء میں والدہ صاحبہ نے بھی وصیت کر لی غالبا مولانا عبد المالک خان صاحب بھیرہ کے دورے پر تشریف لے گئے انہوں نے والد صاحب کو توجہ دلائی تھی والدہ صاحبہ کا وصیت نمبر 17502 ہے ان کو مقدور بھر مالی خدمات کی توفیق ملتی رہی مثال کے طور پر لجنہ کی تاریخ جلد پنجم میں مہمان خانہ مستورات کے لئے قربانی کرنے والوں کی فہرست میں صفحہ 218 پر نمبر 261 پر والدہ کا نام لکھا ہوا ہے۔

وفات اور نماز جنازہ

والدہ صاحبہ غیر متوقع طور پر صد سالہ احمدیہ جوبلی کے سال اچانک 15 مارچ 1989ء بروز اتوار وفات پا گئیں ڈاکٹر کا خیال ہے کہ برین ہیمرج brain hemorrhage سے وفات ہوئی ہے اگلے روز مسجد مبارک ربوہ میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور بہشتی مقبرہ میں تدفین ہوئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے دورے کے دوران مسجد طہ سنگا پور میں 21 جولائی 1989ء کو خطبہ جمعہ کے دوران اعلان فرمایا اور نماز کے بعد ان کی نماز جنازہ پڑھائی فجز اہم اللہ احسن الجزاء

والدہ کی وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کا تعزیتی مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسول الکریم

لندن

89.1.31

PK 8387

پیارے عزیزم مکرم محمود مجیب اصغر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی والدہ محترمہ کی المناک وفات کی اطلاع ملی بہت افسوس ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور پسماندگان کو اس کی رضا پر راضی رہنے کی توفیق دے اور صبر جمیل عطا فرمائے میری طرف سے سب عزیروں کو دلی تعزیت اور دعاؤں بھرا ہمدردی کا پیغام پہنچا دیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو سب عزیزوں کو السلام علیکم کہہ دیں

والسلام

خاکسار

مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

چترال میں پانی کا کنواں (water well)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ بیٹوں اور تین بیٹیوں سے نوازا (اب 4 بیٹے اور 2 بیٹیاں رہ گئے ہیں)

والدہ صاحبہ کہتی تھیں آپس میں حساب کتاب نہ کرنا بلکہ ایسے رہنا جیسے ماں باپ کی زندگی میں رہ رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ آپ کی اولاد کو والدہ صاحبہ اور والد صاحب کی طرف سے مالی قربانی کی توفیق دیتا رہتا ہے۔

حال ہی میں ہم بہنوں بھائیوں نے والدین کی طرف سے ہیومینٹی فسٹ کے ذریعے چترال میں ایک water well لگوایا ہے دعا کریں اللہ تعالیٰ والدین کی طرف سے اسے صدقہ جاریہ کے طور پر قبول فرمائے آمین

عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تیری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی

خادم دین اولاد

آپ کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹیوں اور پانچ بیٹوں سے نوازا تھا اللہ کے فضل سے ساری اولاد پڑھی لکھی اور خادم دین ہے

* ۔سب سے بڑی اور سب سے چھوٹی بیٹی یکے بعد دیگرے چمن زار (راولپنڈی) کی صدر لجنہ رہیں (سب سے چھوٹی بیٹی وفات پا کر اب بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں)

* بڑا بیٹا گورنمنٹ کالج سرگودہا میں لیکچرار تھا ان کی اہلیہ جامعہ نصرت ربوہ میں لیکچرار تھیں دونوں نے وقف کر کے نصرت جہاں سکیم میں گھانا 14 سال تدریسی خدمت کی توفیق پائی ان کے بہت دور جانے پر والدہ اداسی محسوس کرتی تھیں لیکن خوش تھیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں خدمت دین کی توفیق دے رہا ہے

* آپ کے ایک بیٹے نے گورنمنٹ پولی ٹیکنک انسٹی ٹیوٹ سے 3 سال کا ایسوسی ایٹ انجینئر کا ڈپلومہ کیا اللہ تعالی نے انہیں سدھنائی بیراج (عبدالحکیم اور مظفر گڑھ شہر کا صدر جماعت کے طور پر خدمت کی توفیق دی (اب وہ وفات پا چکے ہیں اور بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں)

* خاکسار کی انجینئرنگ یونیورسٹی کی تعلیم کے دوران والدہ کی بہت دعاؤں اور قربانیوں کا حصہ ہے والدہ کی دعا سے

اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کو یکے بعد دیگرے دو ضلعوں کے امیر کے طور پر خدمت کی توفیق دی خلافت خامسہ کے انتخاب میں شامل ہونے کا اعزاز بخشا اور چند کتابیں تصنیف کرنے اور متعدد مضامین لکھنے کی توفیق دی

* ۔ایک بہن کو ربوہ تدریسی خدمات کی توفیق دی اور لاہور کے ایک حلقہ میں لجنہ اماء اللہ میں خدمت کی توفیق دے رہا ہے

* چوتھا بیٹا سلطنت عمان میں ایک جماعت کے صدر کے طور پر اور ربوہ میں محلہ کی سطح پر سیکریٹری تحریک جدید کے طور پر خدمت کی توفیق پا رہا ہے

* اللہ تعالیٰ سب سے چھوٹے بیٹے کو بھی محلہ کی سطح پر خدمت دین کی توفیق دے رہا ہے۔

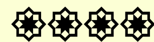
حرف آخر

اس دعا کے ساتھ میں اپنا یہ مضمون ختم کرتا ہوں جو قرآن کریم کی ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ ترجمہ فرمایا ہے

"اے میرے رب اب مجھے توفیق دے کہ تیری ان نعمتوں کا شکر کروں جو مجھ پر اور میرے والدین پر ہیں

اے میرے رب اب مجھ سے تو وہ کام کرا جس سے تو راضی ہو جاوے اور میری اولاد کو میرے لئے صلاحیت بخش یعنی اگر میں نے والدین کے حق میں تقصیر کی تو ایسا نہ ہو کہ وہ بھی کریں اور اگر میرے پر کوئی آوارگی کا زمانہ رہا تو ایسا نہ ہو کہ ان پر آوے اے میرے خدا اب میں توبہ کرتا ہوں اور تیرے فرماں برداروں میں سے ہو گیا ہوں۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 322 ج د)



غزل



عبدالجلیل عباد

شہر بھر کو تمہی سے عشق ہے کیا
تجھ کو بھی اِن سبھی سے عشق ہے کیا

رات بھر جاگتا ہے میری طرح
چاند کو بھی کسی سے عشق ہے کیا

ذکرِ حیدر کریں جو شام و سحر
اِن کو میرے علیؓ سے عشق ہے کیا

گھومتے ہیں جو شہرِ طیبہ میں
اِن کو ربّ کے نبی سے عشق ہے کیا

کوئے جاناں تُو جاتا متواتر
تجھ کو اُس کی گلی سے عشق ہے کیا

رہتا بے چین ہے ترا شاعر
اِس کو بھی بےکلی سے عشق ہے کیا

یاد کرتے عبادؔ ہیں ہر دم
اِن کو شہرِ ولی سے عشق ہے کیا



صبح کی نماز

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں۔''صبح کی نماز کو چھوڑنا اس مرکزی نیکی کو چھوڑنا ہے جس پر باقی نیکیاں قائم ہیں۔اگر یہ ہاتھ سے جاتی رہے تو باقی سب نمازیں ہاتھ سے جاتی رہیں۔''(خطبہ جمعہ 10 راکتوبر 1997ء)

صبح کے وقت کی گہری نیند سے بیدار ہو کر رب کے حضور کھڑے ہو جانا گویا تمام دن کی عبادات کے لیے تیاری کا اہتمام کرنا ہے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دن کے آغاز میں دعا سے تمام دن کی عبادات کے لیے توفیق مانگنا افضل قرار دیا گیا ہے۔



الوداعی خطوط لکھ رکھے ہیں

محمد کولمبس خان

مارچ 2003 کی بیس تاریخ، جمعرات کا دن اور عصر کا وقت ہے کہ ٹیکسی سٹینڈ پر میری پہلی باری آ جاتی ہے۔ایک لگ بھگ اسی سال کی خاتون آ کر ٹیکسی میں بیٹھ جاتی ہے۔علیک سلیک کے بعد گاڑی چلاتے ہوئے سامنے مین روڈ پر پہنچنے پر میں اس خاتون سے اس کی منزل دریافت کرتا ہوں تو جواب ملا۔

" میں نے ہائی وے پُل تک جانا ہے"

ہائی وے کے دو پل شہر کے وسط سے دائیں اور بائیں جانب ہیں اس پر دریافت کیا کہ:

" کون سے پل تک جانا ہے؟"

" جو بھی قریب ہے"

" دونوں کا فاصلہ کم وبیش برابر ہے۔ایک کے لئے آگے جا کر دائیں طرف مڑنا ہوگا اور دوسرے کے لئے بائیں طرف"

" مجھے کسی پل پر لے جائیں"

" وہاں کوئی منتظر ہے آپ کا یا قریب رہتی ہیں۔یا؟"

" مجھے پل تک لے جائیں بس۔آپ کو پتہ نہیں کہ جنگ لگ چکی ہے اور تمام لوگ فوت ہو جائیں گے"

" لیکن آپ کے پل پر جانے کے نتیجہ میں جنگ تو بند نہیں ہو سکتی"

" میں اس موتا ماتی سے تو بچ جاؤں گی"

" وہ کیسے؟"

" چھلانگ لگا کر"

" یہ تو کوئی حل نہیں ہے آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے"

" آپ نے مجھے لے کر جانا ہے تو ٹھیک ورنہ میں دوسری ٹیکسی لے لیتی ہوں"

روزی روٹی کو چھوڑ کر اب اس کی زندگی کو بچانا ایک فرض اور چیلنج بن جاتا ہے۔

" آپ کے رشتہ داروں کو آپ کے ارادہ کا علم ہے؟۔

" میں نے الوداعی خطوط لکھ رکھے ہیں" اور اس نے مجھے وہ دکھا دیئے

" تو یہ چھلانگ لگانے کے بعد ضائع بھی ہو سکتے ہیں بہتر ہے کہ انہیں ابھی ڈاک خانے میں ڈال لیں یہ پاس ہی تو ہے

خاتون اس پر رضامند ہو گئیں اور میں واپس آ کر ٹیکسی سٹینڈ پر ٹیکسی کھڑی کر کے خطوط لے کر تیس میٹر کے فاصلہ پر ڈاکخانے کے بکس میں ڈالنے کے لئے باہر نکل کر چل پڑا۔اس دوران وہ ٹیکسی میں انتظار کرنے لگی۔ذرا فاصلہ پر جا کر ہنگامی ضرورت کے نمبر پر فون کر کے صورتحال سے آگاہ کرنے کے بعد میں اِدھر اُدھر چلنے لگا۔جلد ہی پولیس اور ایمبولینس کی گاڑیاں پہنچ گئیں۔میں نے قریب جا کر اپنا تعارف اور معاملہ سے ان کو آگاہ کیا۔اس پر انہوں نے خاتون کو بڑی محبت سے محفوظ کر لیا اور ایمبولینس میں بٹھا کر ساتھ لے گئے۔

خاتون نے جنگ عظیم دوم کے دکھ برداشت کیئے ہوئے تھے اور اُس نسل کے اکثر لوگوں نے اگلی جنگ کی صورت میں ان مصائب کا سامنا نہ کر سکنے کے خوف سے یہ پلان بنا رکھا تھا کہ وہ جنگ کے آغاز میں ہی خودکشی کر لیں گے۔

میرے بس میں جو تھا اس کے مطابق جہاں مجھے ایک جان بچا لینے میں کامیابی پر سکینت ہے وہیں لاکھوں معصوموں کے اسی جنگ (خلیج) کے دوران قتل ہو جانے کا شدید دکھ بھی ہے۔

دانشکدہ عظیم۔تجدیدِ عہد

تعلیم الاسلام سکول اور کالج کی درخشندہ تاریخ



(پروفیسر محمد شریف خان، فلاڈلفیا، سابق صدر المنائی تعلیم اسلام کالج، امریکہ)

تقریباً ڈیڑھ دو سال پہلے پروفیسر حمید احمد صاحب صدر الومنائی تعلیم الاسلام کالج، جرمنی نے مجھ سے ای میل کے ذریعے رابطہ کیا اور المنائی جرمنی کے زیر انتظام تعلیم الاسلام کالج کے بارے میں سوینیئر چھاپنے کا عندیہ دیتے ہوئے میری تصویر اور مضمون بھیجنے کی خواہش کا اظہار کیا، میں نے فوری حکم کی تعمیل میں مطلوبہ معلومات مہیا کر دیں۔ ایک عرصہ سے میری خواہش تھی کی مادرِ علمی سے متعلق کوئی مٹتے ہوئے آثار کو بچانے کے سلسلے میں ایسا کوئی کام شروع ہو، جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے اثار دھندھلے پڑتے جا رہے ہیں۔

عرصہ بعد جب میں نے سوینیئر پراجیکٹ کی پراگرس دریافت کرنے کے سلسلے میں چوہدری صاحب سے رابطہ کیا، تو چوہدری کا جواب تھا

''خان صاحب، فکر نہ کریں اب یہ کام ہو جائے گا، رانا عبدالرزاق صاحب لندن والوں نے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا ہے۔''

میں رانا صاحب سے اُس وقت ذاتی طور پر متعارف نہیں تھا، البتہ نام سے "المناریو کے" اور "قندیل ادب" کے حوالے سے واقف ضرور تھا۔ اس دوران ورجینیا، امریکہ سے ایک دوست کا فون آیا کہ رانا عبدالرزاق صاحب لندن سے آپ سے اس فون نمبر پر بات کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح میرا رانا صاحب سے براہِ راست رابطہ ہوا۔ مکرم رانا صاحب نے سوینیئر کے لئے میرے طبع شدہ مضامین کی لسٹ اور کالج سے متعلق کچھ تصاویر مہیا کرنیکی فرمائش کی۔

اور ان کاوشوں کا نتیجہ ساڑھے چھ صد سے زائد صفحات پر محیط ضخیم موٹی کتاب "دانشکدہ عظیم" میرے میز پر پڑی میرے ذوقِ سلیم کو دعوتِ مطالع دے رہی ہے۔ واہ رانا صاحب واہ! جس کام میں ہاتھ ڈالا، کر دکھلایا، خوب!

عرصہ پہلے commitment to goal کے تعلق میں ایک پنجابی کہاوت سنی تھی، وہ رانا صاحب کی محنت و ہمت پر صادق آتی ہے: لگ کسیا اڑوڑیاں مُنّاں کوہ لاہور! ماشا اللہ اس پہاڑ جیسے کام میں ہاتھ ڈالا اور قلیل عرصے میں مکمل کر دکھایا۔ ہمتِ مرداں مددِ خدا!

نام کتاب دانشکدہ عظیم۔۔۔تعلیم الاسلام اسکول و کالج کی درخشندہ تاریخ

کتاب کا طول وعرض: 644 صفحات، چورائی 30.5 انچ، لمبائی 30.8 انچ، موٹائی 30.1 انچ۔ دیدہ زیب کارڈ بورڈ مضبوط جیکٹ۔

نام مولّف و پبلشر: رانا عبدالرزاق خان کاٹھگڑھی۔ لندن

سنِ اشاعت: 2017

قیمت: درج نہیں، (رانا صاحب سے رابطہ پر 10$)۔

ملنے کا پتہ رانا عبدالرزاق خان کاٹھ گڑھی۔ لندن)

فون نمبر: 00-44-7886304637)



تعلیم الاسلام کالج عصرِ حاظر میں وہ شہرہ آفاق واحد تعلیمی ادارہ ہے جو امامِ زماں علیہ الاسلام اور بزرگ صحابہ کرامؓ کی مقبول دعاؤں کے طفیل قائم ہوا، جس کے قیام کی غائت ادارے کے موسس اعلیٰ مسیحِ پاک علیہ السلام کے الفاظ میں:

" میں ان مسلمانوں کو غلطی پر جانتا ہوں جو علومِ جدیدہ کے مخالف ہیں۔ وہ دراصل اپنی غلطی اور کمزوری کو چھپانے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ ان کے ذہن میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ علومِ جدیدہ کی تحقیقات اسلام سے بدظن کر

دیتی ہے اور وہ یہ قرار دیئے بیٹھے ہیں کہ گویا عقل اور سائنس اسلام سے بالکل متزاد چیزیں ہیں۔ کیونکہ خود فلسفہ کی کمزوریوں کو ظاہر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لئے اپنی اس کمزوری کو چھپانے کے لئے یہ بات تراشتے ہیں کہ علومِ جدیدہ کا پڑھنا ہی جائز نہیں۔ انکی روح فلسفہ سے کانپتی ہے اور نئی تحقیقات کے سامنے سجدہ کرتی ہے۔'' (ملفوظات جلد اول صفحہ 43)

خاکسار یہاں کالج کے سو اصدی سے زائد عرصہ پہلے منائے گئے یومِ تاسیس کی ایمان افروز جھلک پیش کرنا چاہتا ہے، جس سے اس مبارک تقریب میں شرکاء کی اس وقت کی ایمانی اور قلبی کیفیات کا پتہ چلتا ہے:

''کالج کی افتتاحی تقریب کا اہتمام 28/مئی 1903 کو کیا گیا۔ حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام علالتِ طبع کے باعث رونق افروز نہ ہو سکے، حضورؑ نے وعدہ فرمایا کہ افتتاحی تقریب کے دوران حضور بیت الدعا میں کالج کے لئے دعا فرمائیں گے۔ حضور نے حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کو افتتاحی تقریب کی صدارت کرنے کا ارشاد فرمایا۔

نواب محمد علی خان صاحبؓ ڈائیریکٹر کالج کمیٹی نے اپنے مختصر خطاب میں فرمایا:" خدا کی ذات سے بڑی امید ہے کہ یہ کالج بہت جلد ایک یونیورسٹی ہو گا اور اس احمدی جماعت کے لئے ایک مفید دارالعلوم ثابت ہو گا۔ یہ کالج خدا کے فضل سے چلے گا اور خدا کے صادق بندے مسیحِ موعود کی دعاؤں سے نشوو نما پائے گا۔''

حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ نے اپنے صدارتی خطاب میں طلباء کو مخاطب کرتے ہوئے مندرجہ ذیل guide lines سے نوازا:

☆ علوم کی تحصیل آسان ہے، مگر خدا کے فضل کی نیچے اسے تحصیل کرنا یہ مشکل ہے۔

☆ تم بھی اللہ پر کامل یقین کرو اور دعاؤں کے ذریعے، جو کہ دنیا کی مخالفت میں سپر ہیں، فضل چاہو۔

☆ کتاب اللہ کو دستور العمل بناؤ تا کہ تم کو عزت حاصل ہو۔

☆ باتوں سے نہیں بلکہ کاموں سے اپنے آپ کو اس کتاب کے تابع ثابت کرو۔

☆ ہنسی، تمسخر، ٹھٹھا، ایذا، گالی یہ سب اس کتاب کے برخلاف ہے۔

☆ جھوٹ سے، لعنت سے تکلیف اور ایذا دینے سے ممانعت اور لغو سے بچنا اس کتاب کا ارشاد ہے۔

☆ صوم اور صلوٰۃ اور ذکر شغل الٰہی کی پابندی اس کا اصول ہے۔

(الحکم 24/جون 1903ء)

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جس نظامِ تعلیم کی طرف حضور پاک اور ان اکابرین نے اشارہ کر کے آغاز فرمایا، اور جسے خلفاء عظامؓ نے اپنی ہدایات اور شبانہ روز دعاؤں سے سینچا، اساتذہ نے اپنے علم سے پروان چڑھایا اور اپنی دعاؤں سے ایک منفرد خلقِ خدا کی خدمت گزار فوج سال بہ سال تیار کی، جو زندگی کے ہر شعبے میں ایک صدی سے زائد اکنافِ عالم میں انسانیت کی خدمت کر رہی ہے، اور آئیندہ نسلوں کی خدمت کے لئے دامے درہمِ اپنا حصہ ڈال رہی ہے، جس کا ربوہ کی skeyline میں نئے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی کی بلند و بالا عمارات کا اُبھرنا منہہ بولتا ثبوت ہیں۔

یہ ہے امامِ زماں کی 1889 میں کالج کے تاسیسی اجلاس کے دوران کی ہوئی مستجاب دعاؤں کی براکات کا تسلسل! اب یہ فیض پاکستان اور ہندوستان سے چھلک چھلک کر جدھر دیکھیں چہار دانگِ عالم میں پھیلے جا رہا ہے، افریقہ کیا بعض یورپ کے ممالک میں اس کے فیوض سرائت کرتے نظر پڑتے ہیں، الحمدُ للہ۔

دنیا بھر میں پھیلے اس مادرِ علمی سے فیض یافتہ سپوت، اپنی اپنی المنائی کے اجلاسات میں بیٹھے اس دانشکدہ عظیم کی براکات کو یاد کر کے پھر سے جذبہ خدمتِ انسانیت کے لئے مستعد ہوتے رہتے ہیں۔ الھم ذفزد

کتاب پر ایک نظر

کتاب کی تعارفی ورق گردانی کرتے ہوئے قاری مرتب کی محنتِ شاقہ کو خراجِ تحسین ادا کیئے بغیر رہ نہیں سکتا، رانا صاحب نے سلسلے کی سو سال پر محیط تاریخِ احمدیت کی درجن سے زائد جلدوں اور، سینکڑوں خبارات ورسائل کے

شماروں سے معلومات کو زیرِ نظر کتاب میں یکجا کر دیا ہے، گویا یہ تعلیم الاسلام کالج کی سوسالہ تاریخ کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔

کتاب کو دس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے:

پہلا باب قارئین کے تبصروں پر مشتمل ہے۔

دوسرے باب میں حضرت مسیح الموعود علیہ السلام کے عہدِ مبارک میں تعلیم الاسلام ہائی اسکول اور کالج کے تاسیسی حالات بیان ہوئے ہیں۔

تیسرا باب دورِ مصلح موعودؓ میں تعلیم الاسلام کالج کے از سرِ نو اجراء کے واقعات پر مشتمل ہے۔

چوتھا باب 1945 سے 1947 تک کے کالج کے حالات کو احاطہ کیئے ہے۔

پانچواں باب تقسیمِ ملک کے بعد لاہور میں کالج کے قیام کے حالات پر مشتمل ہے۔

چھٹا باب ربوہ میں کالج کے قیام کے حالات پر مشتمل ہے۔

چھٹا باب: کالج کے اساتذہ کرام اور طلباء کے ذکر از کار پر مشتمل ہے۔ علم و تعلم کی دنیا میں ان اساتذہ کی خدمات اور اثرات مادرِ علمی پر ایک معجزہ سے کم نہیں، یہ نیک روحیں امامِ زماںؑ کی نداء پر لبیک کہتے ہوئے بڑی بڑی تنخواہوں اور بڑے شہروں میں مہیا سہولیات پر لات مار کر قادیان کے سادہ سے ماحول میں دنیا کی اسائیشوں سے دور، تھوڑے سے گزارے پر خدمت کے لئے اپنی زندگیوں کو وقف کر کے آ حاضر ہوئے، اور یہیں کے ہو رہے۔ یہ devoted اساتذہ دن کو کلاس رومز میں چاک و تختہ سیاہ کی زبان سے طلباء کے متجسس ذہنوں کو جلا بخشتے اور رات کے سجدوں میں ان کے لئے دعا کرتے!

کالج کی نیک نامی طلباء کے چال چلن اور علمی قابلیت سے ظاہر ہوتی ہے، طلباء کو کالج کے یومِ تاسیس کے دن جو code of conduct حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے دیا تھا طلباء نے خدا تعالی کے فضل سے اس پر پورا عمل کیا جس کی گواہی اور تعریف کتاب کے دسویں باب کے پہلے حصے میں مذکور پاکستان کے مشاہیر نے زبان و تحریر سے دی ہے۔ یہی وجہ ہے ہمارے طلباء کی ایمانداری سے ڈر کر پاکستان میں ملاؤں نے انہیں کلیدی عہدوں سے چُن چُن کر ہٹوایا اور آج ملک کو کرپشن اور چور بازاری کے گہرے سمندر میں ڈبو دیا ہے!

ساتواں اور آٹھواں، دونوں ابواب کالج کے اساتذہ اور طلباء کی ان حسین لمحات کی یادوں پر مشتمل ہیں، جو انہوں نے کالج میں گزارے، کس سعادت مندی اور احترام کے ساتھ طلباء اور کس محبت سے اساتذہ اپنے شاگردوں کا ذکر کرتے ہیں، ایسا لگتا ہے جیسے ایک ہی سکے کے دو رُخ ہوں۔ جہاں شاگرد اساتذہ کا احترام کرتے، وہاں اساتذہ اپنے شاگردوں کا! اِدھر بھی صاحب اُدھر بھی صاحب! یہ ہماری مادرِ علمی کا منفرد انداز تھا۔

اساتذہ کی لسٹ میں میرے (1956-58) کے اساتذہ کرام میں مرحوم مسعود احمد صاحب عاطف (فزکس) مرحوم مبارک انصاری صاحب (کیمسٹری) مرحوم سعید اللہ خان صاحب (ڈیماسٹریٹر کیمسٹری)، مرحوم عبدالرشید غنی صاحب (ڈیماسٹریٹر فزکس)، مرحوم ملک محمد عبداللہ صاحب (دینیات)، مرحوم چوہدری محفوظ الرحمٰن صاحب (پی ٹی آئی)، مرحوم چوہدری محمد لطیف صاحب (انگریزی)، مرحوم ڈاکٹر نصیر احمد بشیر صاحب (بیالوجی)، اس لسٹ میں کنور ادریس صاحب (انگریزی)، اور ایم ایچ زیدی صاحب، انگریزی) جو میرے استاد تھے کا ذکر نہیں۔

نواں باب زیادہ تر مولّف کتاب ھٰذا کے حسنِ انتخاب کا مظہر ہے، مرحوم بشیر احمد رفیق، سر افتخار ایاز کی قد آور شخصیات کے ساتھ چند غیر معروف شخصیات کا ذکر ہے۔ مادرِ علمی کے دامن میں کئی ہیرے چھپے پڑے تھے (ڈاکٹر نصیر احمد خان، ڈاکٹر سلطان محمود شاہد، عطاالکریم، عطا المجیب راشد صاحب، ڈاکٹر ناصر احمد خان صاحب پرویز پروازی وغیرہ)، لگتا ہے ان پر مکرم رانا صاحب کی نظرِ انتخاب شتابی میں نہیں پڑی، جب کام کی زیادتی اور وقت کی کمی ہو تو ایسی سہو کے امکانات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ ظاہر ہے دوسرے ایڈیشن میں اس کھٹک کا ازالہ کیا جائے گا۔

دسویں باب میں تعلیم الاسلام کالج کے خوش نصیب شہید طلباء کا ذکر کیا گیا

ہے۔ یہ تعلیم السلام کالج کے سپوت اپنے مقصد کے دفاع میں اپنی مادر علمی کی پیشانی کا جھومر بن گئے۔ الحمدُ للہ۔

اس شہداء میں ڈاکٹر مظفر احمد شہید کا ذکر شامل کر لیجئے جو چندر کے مگولے چونڈہ سے کالج کے طالبعلم رہے، اور میرے ذہین شاگردوں میں شامل تھے، عزیز کی 9 اگست 1983 میں امریکہ میں ڈیٹرائیٹ شہر میں تبلیغ کرتے ہوئے شہادت پر حضرت خلیفہ المسیح الرابعؒ نے اپنے خطبہ جمعہ 12 اگست 1983 میں تمام احمدیوں کو جو عالمی پیغام دیا وہ ہمارے لئے قیامت تک مشعلِ راہ ہے اور رہے گا۔۔۔ شہدائے احمدیت کی یہ لڑی تو قیامت تک ممتد ہے:

" اے ڈیٹرائٹ اور امریکہ کے دوسرے شہروں میں بسنے والے احمدیو! اے مغرب اور مشرق میں آباد اسلام کے جانثارو! اس عارضی غم سے غمگین نہیں ہونا، یہ ان گنت خوشیوں کا پیش خیمہ بننے والا ہے، اس شہید کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہے۔ اُس راستے سے ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹو جس سے وہ مرد صادق چلتے ہوئے بہت آگے بڑھ گیا۔ تمہارے قدم نہ ڈگمگائیں، تمہارے ارادے متزلزل نہ ہوں۔" آمین۔

دسواں باب کچھ گڑبڑ ہے، اس باب کے پہلے حصے میں:

مادرِ علمی کی انفرادیت اور شاندار کامیابیوں پر رتب السان پاکستان بھر کے مشاہیر کے تحسینی کلمات کو نقل کیا گیا ہے۔

جبکہ دوسرے حصے میں: انگلستان، جرمنی اور امریکہ میں تعلیم اسلام کالج کے اولڈ بوائیز کی لسٹیں دی گئی ہیں۔ ان تین ممالک پر ہی اکتفا کیوں؟ جبکہ ان ممالک کے علاوہ اکنافِ عالم میں اولڈ بوائیز پھیلے ہوئے ہیں اور موجودہ سائینسی دور میں انکا سراغ لگانا کچھ مشکل نہیں تھا، اُمید کی جاتی ہے اگلے ایڈیشن میں یہ کمی نہیں رہے گی۔ خاص طور پر ربوہ میں بسنے والے اولڈ بوائے کا ذکر نہ کرکے انکے ساتھ بڑی زیادتی ہے۔

ان فہرستوں میں سرسری نظر سے کچھ فروگزاشت جو میری نظر سے گزری ہیں:

جرمنی کے المنائی کی فہرست میں 71 نمبر پر زندہ محمود باجوہ صاحب کا اندراج ہے، جبکہ باجوہ صاحب امریکہ کے وسنیک ہیں، اسی فہرست میں 132 پر پھر تشریف فرما ہیں۔

یو کے کی فہرست میں مکرم پروفیسر شکور اسلم صاحب کا نام رہ گیا ہے

امریکہ کی فہرست میں:

سید ساجد احمد صاحب اور ڈاکٹر محمد راشد زبیر خان صاحب کا نام رہ گیا ہے۔

میرے کلاس فیلو محمد عظیم قریشی صاحب کا نام دوبار درج ہے: 81,47

میرے شاگرد ڈاکٹر مبشر احمد سولنگی صاحب کا نام تین بار مذکور ہے: 69, 133,78.

محترم ڈاکٹر عبدالکریم صاحب کے انگریزی میں پیغام کے ساتھ یہ کتاب اختتام کو پہنچتی ہے۔

درایں چہ شک یہ کتاب تعلیم الاسلام کالج سے متعلق معلومات کا خزانہ ہے اور تحقیق کرنے والوں کے لئے مخزن، البتہ کتاب کا سائیز reader friendly بالکل نہیں (644 صفحات، چورائی 30.5 انچ، لمبائی 30.8 انچ، موٹائی 30.1 انچ)، کتاب پڑھتے وقت اسے کوشش سے کھولے رکھنا پڑتا ہے، اب جبکہ ہم اولڈ بوائیز اب بوائز نہیں رہے ہم میں سے اکثر اس کتاب کے مطالع کو کما حقہ enjoy نہیں کر سکیں گے۔ اس کتاب کا سائیز بڑا ہونا چاہیئے تھا، جس سے اس کے اوراق کی تعداد میں معتدبہ کمی ہوتی اور اسے میز پر کھلا رکھ کو با آسانی پڑھا جاسکتا!

کتاب میں شامل تصاویر کا چھوٹا سا سائیز بھی محلِ نظر ہے، جس سے اکثر تصاویر کی صفائی میں فرق پڑا ہے۔

امید ہے آئندہ اشاعت میں یہ سقم دور کر دیئے جائیں گے۔

تا ہم میں اولڈ بوائیز ایسوسی ایشنز کی طرف سے خاکسار مکرم رانا عبدالرزاق خان صاحب کو ان کی محنتِ شاقہ پر سلام پیش کرتا ہوں۔ جزاک اللہ تعالیٰ احسن الجزا۔

☆☆☆



محترم مکرم مولوی محمد احمد صاحب جلیل رحمت اللہ کی یاد میں

(پروفیسر) رشیدہ تسنیم خان۔فلاڈلفیا،امریکہ

سن 1955-56 کا زمانہ تھا میرے ابا جی نے ہمیں حافظ آباد سے ربوہ کے پرسکون ماحول میں پڑھنے کے لیئے بھجوا دیا۔گرمیوں کی تعطیلات کے بعد نصرت گرلز ہائی سکول کی کچی عمارت میں آج میرا پہلا دن تھا۔گرمیوں کے دن تھے ہماری کلاس کمرے کے سائے میں ٹاٹوں پر ہوا میں بیٹھی تھی۔انگلش کی استانی صاحبہ تشریف لائیں۔محترمہ استانی صاحبہ کی عادت تھی کہ جونہی گاڑی کی آواز آتی،ماتھے پر ہاتھ کا چھجا بنا کر گاڑی کا نظارہ کرتیں۔ آج نظارہ کرنے کے بعد فرمانے لگیں:" سالانہ امتحان میں تھوڑا وقت رہ گیا ہے۔اب تم لوگوں کو محنت سے پڑھنا ہوگا۔پرائیویٹ طالبات ایک طرف ہو جائیں۔" اس کے ساتھ ہی ایک جمِ غفیر باقی کلاس سے الگ ہو گیا۔یہ وہ طالبات تھیں جنکو نظارت تعلیم کی طرف سے فری کلاسیں اٹینڈ کرنے کی اجازت تھی۔استانی صاحبہ نے ان کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا اور کہا:" یہ تو موسمی پرندے ہیں" پھر ان طالبات کی لائین بنوائی جن سے فرسٹ ڈویژن لینے کی امید تھی۔ بعد ازاں کلاس کی عمومی لیاقت پرکھنے کے لیئے سوالات پوچھنے شروع کیئے۔gardener" کے کیا سپیلنگ ہیں؟" میں نے ہاتھ بلند کیا،اور جواب دیا: " garden کے آگے -er لگا دیں"۔استانی صاحبہ نے انگلی کے اشارے سے مجھے ذہین فطین لائین میں بیٹھنے کے لیئے اشارہ کیا۔جہاں ٹاٹ پر بیٹھی ایک لڑکی نے اپنی خورد بینی نظر سے میرا جائیزہ لیا۔ اور پرے کھسک کر میرے بیٹھنے کے لیئے جگہ بنا دی۔یوں استانی جی کی دریا دلی سے ایک کم مایہ قطرے کو گہر ہونے میں چند لمحے لگے!

ان talented لڑکیوں نے اچھے نتائج دکھا کر سکول کا نام روشن کرنا تو تھا ہی،اس کے علاوہ انکے ذمے چھٹی کے بعد نلکے سے نمکین پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر کمرے کے اندر اور باہر چھڑکاؤ اور جھاڑو بہارو بھی کرنا ہوتا تھا۔

یہ حاتم طائی صفت لڑکی جس نے میرے لیئے اپنے پاس ٹاٹ پر جگہ بنائی تھی، حضرت مولانا محمد اسماعیل حلال پوریؓ کی پوتی اور مولانا محمد احمد جلیلؒ کی بڑی صاحب زادی امت المجید ناصر عرف "جیدی" تھی۔قصہ مختصر یوں میرا مولوی صاحب کے گھر سے تعارف ہوا۔ جیدی مجھے بڑے اصرار اور محبت سے اپنے گھر لے کر گئی۔اس زمانے میں مولانا انجمن کے کواٹر میں رہا کرتے تھے،جو دو کمروں اور ایک باورچی خانے پر مشتمل تھا۔اس بابرکت گھر میں چار پانچ چارپائیاں اور اتنی ہی کین کی کرسیاں تھیں، جو سرمائی اور گرمائی ضرورت کے مطابق اندر باہر جگہ بدلتی رہتی تھیں۔

سارا دن آنے جانے والوں کا تانتا سا بندھا رہتا۔مولوی صاحب کے ساتھ اکثر اوقات کوئی نہ کوئی مہمان ہوتا، جو آپ کے چھابے کی روٹیوں اور سالن کے پیالے میں شریک طعام ہوتا۔مولوی صاحب سب سے پہلے روٹیوں کے نیچے سے بچا ہوا ٹکرا نکال کر کھاتے۔اور ٹھنڈا پانی پی کو نسبتاً اونچی آواز میں الحمدُ للہ پڑھتے۔میں نے آپ کو کبھی اونچی آواز میں بات کرتے اور کسی پر اعتراض کرتے نہیں سنا۔جب ہم سہیلیوں کا گروپ قرآنِ پاک کے درس اور تراویوں میں شامل ہونے کا پروگرام بناتا،تو دور جانے والیوں کو انکے گھروں تک چھوڑ کر آتے۔اور مولوی صاحب کے گھر سے کسی کو ساتھ لے لیتے۔

گریجویشن کے بعد ہم نے پنجاب یونی ورسٹی لاہور میں داخلہ لیا،تو مولوی صاحب اس زمانے میں جماعتی کاموں کے لیئے اکثر لاہور آتے جاتے رہتے تھے۔کئی بار ہمارے ہمسفر ہوتے، اکثر خاموش رہتے،ایک دو بار کھانے کا پوچھتے،اور ہمیں ہوسٹل تک چھوڑ کر آتے۔جیدی اکثر اپنی روم میٹس کو جسونت بلڈنگ میں اپنے ماموں فدا صاحب اور ممانی آپا نعیمہ کے ہاں مدعو کرتی۔ جہاں پر اچھی ضیافتوں کے ساتھ مولوی صاحب کی دعاؤں سے بھی حصہ ملتا

رہتا۔ مجھے یاد نہیں مولوی صاحب نے ہماری پڑھائی اور رزلٹ وغیرہ کے بارے میں کبھی پوچھا ہو۔سلام کا جواب ایک مطمئن سی مسکراہٹ کے ساتھ دیتے، اور یہی کافی ہوتا۔

پڑھائی سے فراغت پاتے ہی جامعہ نصرت کالج کا جان سے پیارا ماحول پھر سے ہمارا منتظر تھا۔ 1960 کی دہائی میں پروازی صاحب بھی جیدی کی انتہائی مصروف بزم میں آ گئے۔آئے تو تھے اس خیال سے کہ چراغوں میں روشنی نہ رہیگی، لیکن "ہر چہ در کانِ نمک رفت، نمک شُد" کے مصداق اندر ہی کہیں گھل مل گئے۔حسنِ اتفاق سے میری شادی بھی تعلیم الاسلام کالج کے ایک لیکچرر کے ساتھ ہوگئی۔اب ہمارا سماجی، معاشرتی اور سیاسی ماحول ایک سا ہو گیا، روابط مزید گہرے ہو گئے۔بچوں کی پیدائیشوں، خوشیوں اور غمیوں میں ایک دوسرے کے گھر راتوں کو بھی قیام کرلیا کرتے۔بچوں کی ایک دوسرے کے ساتھ خوب دوستیاں بڑھیں۔ ہر اہم کام میں مولوی صاحب سے مشورے اور دعائیں لی جاتی تھیں۔

اسی زمانے میں مولوی صاحب جامعہ احمدیہ کے کوارٹر نمبر ایک میں منتقل ہو گئے۔یہاں تین کمرے تھے۔ایک دروازہ جامعہ کی طرف اور دوسرا ریلوے لائین کی طرف کھلتا تھا۔میں نے یہ دونوں دروازے کبھی بند نہیں دیکھے۔جامعہ کے اردگرد چار دیواری کی وجہ سے جن خواتین کو اپنا گھر دور پڑتا، ان کے لیئے مولوی صاحب کے گھر کا صحن شاہراہِ عام تھا۔

عین صحن کے درمیان پلنگ پوشوں سے ڈھکی دو چار پائیوں کے ساتھ چند کرسیاں رکھی رہتیں اور درمیان میں ایک چھوٹی سی میز، جس پر ساری ہانڈی کا سالن ڈونگے میں آ جاتا۔روٹیاں پک کر آتی رہتیں۔اس دستر خوان پر اکثر پانچ سے بیس تک مہمان کھانے والے ہوتے۔عصر کی نماز کے بعد مولوی صاحب کے پاس کوئی نہ کوئی عورت اپنے نہایت نجی قسم کے جھگڑوں کی تفاصیل بیان کر رہی ہوتی۔گھر سے باہر مردانے میں بھی یہی سلسلہ جاری رہتا، جبکہ گھر والے گرد و پیش سے بے نیاز اپنی روزمرہ کی زندگی کو جاری رکھے رہتے۔امی جی (جیدی کی امی) کا اگر کوئی زیادہ لاڈلا مہمان آ جاتا تو چائے کے ساتھ برفی یا سیب ضرور منگوا لیتیں۔مولوی صاحب اور امی جی کے بہن بھائی ہوں یا دیہات سے علاج کی غرض سے آنے والے غیر از جماعت رشتہ دار، سب کو یہاں حتی الوسع آرام دہ سکونت ملتی۔ اگلی نسل کے بچوں کے رشتے یہاں طے پاتے۔اور موت و حیات میں یہی گھر دیوانوں اور فرزانوں کی اماجگاہ بنا رہتا۔

آپ کبھی کبھار نہایت سادہ الفاظ میں کسی آیہ کریمہ کی تفسیر بھی کر دیا کرتے تھے۔ایک دن گھر میں ملکی حالات کے خراب ہونے پر تبصرے ہو رہے تھے۔ تو مولوی صاحب نے فرمایا: " بچپن میں اس آیہ کریمہ کی سمجھ نہیں آیا کرتی تھی کہ جس نے ایک معصوم بے گناہ کو قتل کیا اس نے سارے لوگوں کو قتل کیا" اب سمجھ آئی ہے کہ ایک انسانی جان لینے کے بعد احترامِ انسانیت ختم ہو جاتا ہے۔

رمضان میں اگر زیادہ لوگ روزہ سے ہوتے تو گرم اور سرد مشروب اور اچھے کھانوں کا اہتمام ہوتا۔اگر اکیلے مولوی صاحب کا روزہ ہوتا تو قطعی کوئی تکلف نہ ہوتا۔مولوی صاحب کا معمول تھا کہ ٹھنڈے پانی کے دو چار گھونٹ پی کر نماز پڑھنے چلے جاتے، اور واپس آ کر کھانا کھاتے۔ایک بار میں نے حیران ہو کر پوچھا "مولوی صاحب آپ کا روزہ تھا؟" آپ نے اچٹتی سی نگاہ ڈال کر کہا: "ہاں روزہ رکھ لیں پھر تو بوڑھے ہو جانا ہے"۔ہماری چائے کی جمی ہوئی مجلس میں چائے پی کر نل پر دانت نکال کر دھوتے۔اور کلی کر کے دوبارہ منہ میں لگا کر مسکراتے ہوئے کہتے:" لوگ کہتے ہیں چائے کے بعد ٹھنڈے پانی سے کلی نہیں کرنی چاہیے، دانت نکل جاتے ہیں۔اسی لیئے میں پہلے دانت نکال لیتا ہوں"۔ اور خاموشی سے ہمیں کچھ کہے بغیر نماز کے لیئے چلے جاتے۔۔ہمارے اندر کا ملامتی تیشہ اتاری بت پر ٹھائیں ٹھائیں تراش خراش شروع کر دیتا، اور ہم اکثر کھسیانی سی ہو کر جہاں بیٹھی ہوئی ہوتیں وہیں نماز کی نیت کر لیتیں

غروبِ آفتاب کے ساتھ ہی مہمانوں کے سونے کا انتظام ہونا شروع ہو جاتا۔گرمیوں میں سارا صحن چار پائیوں سے کچھا کچھ بھر جاتا۔اگر کوئی مہمان جانے کا پروگرام بنانے لگتا تو امی جی اُسے" صرف چند دن اور" رکھنے کا اس طرح اصرار کرتیں کہ جیسے یہ نعمت پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گی۔گرمیوں میں ایک درمیانی سی عام چار پائی جس کی پائینتی پر دری بچھی ہوتی اور اوڑھنے کے لیئے ایک تہ شدہ چادر اور ایک تکیہ ہوتا، مولوی صاحب عشاء کی نماز کے بعد

آکر صحن میں شور و ہنگامے سے بے نیاز سکون سے اس پر سو جاتے۔کسی کو اپنے آرام کے لیئے خاموش وغیرہ کرانے کا اس گھر میں رواج نہیں تھا۔ مولوی صاحب آنکھ کے اپریشن کے بعد بھی ایک چھوٹی حمائل شریف ہاتھ میں رکھتے ، اور ہلکی آواز میں تلاوت کرتے رہتے۔آپ اتنے انہماک سے کرسی پر بیٹھ کر مطالع کرتے کہ نوارد کے لیئے فیصلہ مشکل ہوتا کی آپ سو رہے ہیں کہ جاگ رہے ہیں۔بیماریوں میں بھی آپکا یہی رویہ ہوتا۔

پرواذی صاحب کے سویڈن اور آپ کے بڑے نواسے ماہر احمد کے لندن جانے کے بعد جیدی کی امی جان کی لمبی نازک علالت میں جیدی مجھے اکثر رات کے لئے روک لیتی۔میری جب آنکھ کھلتی مولوی صاحب نفل ادا کر رہے ہوتے۔تازہ دم ہونے کے لیئے نل پر جا کر بار بار ٹھنڈے پانی سے وضو کرتے۔یہ سلسلہ اتنا لمبا ہوتا کہ میں تھک کر سو جاتی۔سردیوں میں گیس کے ہیٹر اور گرمیوں میں پنکھے کے نیچے مولوی صاحب کی چارپائی کے پاس ایک یا دو بلیاں ضرور بیٹھی ہوتیں۔کتے کی اس گھر میں گنجائش نہ تھی بچارا کسکو اپنا اور کسکو غیر جانتا!

اس تین کمروں پر مشتمل حیرت کدہ میں مولوی صاحب کے سب بچوں نے وظیفے لیئے،اور اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔دو بچے ڈاکٹر بنے، پتہ نہیں ان کی کتابیں کہاں ہوتی تھیں اور یہ پڑھتے کہاں تھے؟ انہیں کمروں میں مہمان ٹھہرتے اور انہی میں سب بچوں کی شادیاں ہوئیں۔

مولوی صاحب کا مزاح بہت مختصر اور ذومعنی ہوتا۔ایک بار فرمانے لگے: ربوہ کے resident megistrate ملنے آئے ہوئے تھے۔ایک احمدی دوست کے بارے میں پوچھنے لگے کہ" نماز پڑھتا ہے کہ نہیں؟" میں نے جواب دیا:" ولی ولی رامی شناسد" (دراصل یہ صاحب خود بھی پابند صوم و صلوٰۃ نہیں تھے)۔مولوی صاحب جواب دے گئے اور کسی کی پردہ دری بھی مناسب نہ سمجھی۔

عصر کی نماز اکثر ہمارے محلے کی مسجد الانوار میں پڑھتے اور بعد از نماز ہمارے گھر تشریف لاتے اور اچھی محفل رہتی۔ایک بار میرے کسی واقف کار نے ویزے کے سلسلے میں شو آف کرنے کے لیئے مجھ سے کچھ رقم مانگی۔ہم سفید پوشوں کے ساتھ یہ بڑی مشکل ہوتی ہے کہ ہم اپنی اوقات چھپا کر رکھتے ہیں۔ میرے پاس ذاتی طور پر اتنی رقم نہ تھی مگر کسی کی امانت میرے پاس موجود تھی۔۔اب میں پریشان کہ اگر دے دوں اور یہ واپس نہ کر سکے تو کیا کروں گی۔اچانک مولوی صاحب تشریف لے آئے۔میں نے ساری بات آپ کو بتا دی۔آپ نے رقم پوچھی اور چیک کاٹ دیا۔ ہفتے عشرے میں رقم واپس مل گئی اور میری عزت بھی رہ گئی۔

میرے بیٹے محمد مسعود خان کا نکاح اسکی خواہش پر مولوی صاحب نے پڑھایا۔اسی دن شام کو ملنے چلے آئے،اور فرمایا: "میں دیکھنے آیا ہوں کہ نکاح میں نے پڑھایا تھا کہیں ٹوٹ نہ گیا ہو"! شادی کے لیئے ہم نے بذریعہ ہوائی جہاز کراچی جانا تھا۔نماز فجر کے بعد مولوی صاحب بھی تشریف لے آئے۔میں نے کہا: منہ اندھیرے تو آپ ایسے آئے ہیں، جیسے پلے رقم باندھ کر لائے ہوں"۔فرمانے لگے" تم مانگ کر تو دیکھو"۔ساتھ ہی کہا "مسعود کو اگر کنیڈا جانے کے لیئے پیسوں کی ضرورت پڑی تو زمین بیچنے سے پہلے مجھ سے بات کر لینا"۔اللہ تعالیٰ کے خاص فضل اور آپ کی دعا سے کبھی ایسی ضرورت ہی نہیں پڑی۔مسعود کو کینیڈا جاتے وقت نصیحت کی" قرضہ وغیرہ لیکر پڑھ لینا۔اگر چھوٹے موٹے کام سے پیسے کا چسکہ پڑ گیا تو پڑھ نہیں سکو گے۔''اس بچے نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے مولوی صاحب کی اس نصیحت کو پلے باندھ لیا اور کنیڈا اور امریکہ کی یونیورسٹیوں سے C.P.U اور chartered accountant کی ڈگریاں حاصل کیں۔الحمدللہ

جب جیدی کی امی شدید بیماری کے باعث ہسپتال میں داخل تھیں۔میں حسبِ دستور ساتھ ٹھہری ہوئی تھی۔کہ ڈاکٹر میاں مبشر احمد صاحب راؤنڈ پر آئے۔میری طرف اشارہ کر کے مولوی صاحب سے پوچھنے لگے۔آپ کی آپس میں کیا رشتہ داری ہے؟" مولوی صاحب کچھ سوچ میں پڑ گئے۔ڈاکٹر صاحب دو بار" ہوں ہوں" کہہ کر مریضہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔مجھے تھوڑا سا برا لگا اور خفگی کا اظہار میرے چہرے سے ہو گیا۔مولوی صاحب اگلے دن ہی ملنے چلے آئے ، اس وقت میری بڑی سمدھن بھی موجود تھیں۔مولوی صاحب انکو مخاطب کر کے کہنے لگے:" رشتہ داری پکی کر لی ہے، پتہ کر لیا ہے نہ کہ رشیدہ

کیسی ہے؟" انہوں نے جواب دیا: "جی بڑی اچھی ہیں" ۔مولوی صاحب نے کہا: "ہاں اچھی ہے ذرا غصے والی ہے" ۔اور ساتھ ہی ہسپتال والا سارا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا۔کہ" میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ میں اسکا جیدہ کی سہیلی کےطور پر تعارف کراؤں، میں سوچ ہی رہا تھا کہ بھانجی کہوں یا بھتیجی؟ اور یہ ناراض ہی ہوگئی" ۔اور پھر ایک کہانی سنائی:

" دو دوستوں نے آپس میں ایک کچا دھاگہ پکڑ رکھا تھا، دھاگہ کبھی ٹوٹتا نہ تھا۔لوکوں نے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا: جب ایک طرف سے کھچاؤ بڑھتا ہے تو دوسرا ڈھیلا کر دیتا ہے۔آج میں یہ کھچاؤ کم کرنے آیا ہوں" ۔

مختلف وقتوں میں جب جیدی جاپان اور سویڈن چلی گئی تو بھی ہمارے روابط میں کوئی فرق نہ پڑا۔ اپنے پیارے والدین کی وفات کے بعد مولوی صاحب کودعا کا کہہ کر مجھے بڑی تسلی ہوجایا کرتی تھی۔

مولوی صاحب نے امی جی کی وفات کے بعد جب اپنے بیٹے ڈاکٹر مبشر احمد سلیم کے پاس لندن میں منتقل ہوجانا تھا، تو ہم سرِ شام ہی آپ کو الوداع کہہ آئے۔دل کے اندر ایک عجیب طرح کی اداسی تھی۔اگلے دن صبح صبح جب میں اور شریف صاحب سیر کو نکل رہے تھے تو آپ تشریف لے آئے۔میں نے کہا: مولوی صاحب! آپ نے بڑا ہی اچھا کیا، ہم اُداس ہو رہے تھے۔مسکرا کر فرمانے لگے:

ابھی تو میں جب مروں گا تو تمکو پتہ چلے گا۔۔۔۔!" اور یہ ہماری آپ سے آخری ملاقات تھی۔

مولوی صاحب! میرا رحیم و کریم خدا آپکو اپنی خوشنودی کی بے حساب جنتیں عطا فرمائے۔اور جب آپکو اپنے وعدے کے مطابق اذن فرمائے کہ اپنے سے کم درجے والوں کو اپنے قریب بلالیں۔تو یاد رکھئے گا! کہ آپ کی معزز و مکرم بڑی بیٹی کیپکی سہیلی ابھی تک اس دوستی کے کچے دھاگے کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے!!

یہ لوگ چمنستانِ مہدی موعود علیہ السلام کے ثمرِ اثمر تھے۔اے میرے خالق اور رحیم خدا، ہم کمزوروں کو بھی ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین ثم آمین

مَیں خدا کا شیر ہوں وہ مجھ پر ہاتھ ڈال کر تو دیکھے

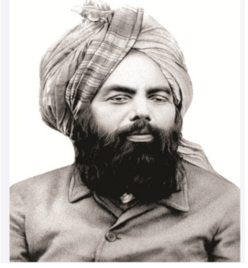
سیدنا حضرت مصلح موعودؓ تفسیر کبیر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نصرتِ الٰہی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جب کرم دین بھیں والا مقدمہ ہوا تو مجسٹریٹ ہندو تھا۔آریوں نے اسے ورغلایا اور کہا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ضرور کچھ نہ کچھ سزا دے اور اس نے ایسا کرنے کا وعدہ بھی کر لیا۔

خواجہ کمال الدین صاحب نے یہ بات سنی تو ڈر گئے ۔وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں گورداسپور حاضر ہوئے جہاں مقدمہ کے دوران میں آپؑ ٹھہرے ہوئے تھے اور کہنے لگے حضور بڑے فکر کی بات ہے۔آریوں نے مجسٹریٹ سے کچھ نہ کچھ سزا دینے کا وعدہ لے لیا ہے۔اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام لیٹے ہوئے تھے۔آپ فوراً اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: خواجہ صاحب خدا کے شیر پر کون ہاتھ ڈال سکتا ہے؟ مَیں خدا کا شیر ہوں وہ مجھ پر ہاتھ ڈال کر تو دیکھے ۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔دو مجسٹریٹ تھے جن کی عدالت میں یکے بعد دیگرے یہ مقدمہ پیش ہوا اور ان دونوں کو بڑی سخت سزا ملی۔ان میں سے ایک تو معطل ہوا اور ایک کا بیٹا دریا میں ڈوب کر مر گیا اور وہ اس غم میں نیم پاگل ہو گیا۔اس پر اس واقعہ کا اتنا اثر تھا کہ ایک دفعہ میں دہلی جا رہا تھا کہ وہ لدھیانہ کے سٹیشن پر مجھے ملا اور بڑے الحاح سے کہنے لگا کہ دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے صبر کی توفیق دے مجھ سے بڑی غلطیاں ہوئی ہیں اور میری حالت ایسی ہے کہ مَیں ڈرتا ہوں کہ میں کہیں پاگل نہ ہوجاؤں۔اب میرا ایک اور بیٹا ہے دعا کریں اللہ تعالیٰ اسے اور مجھے دونوں کو تباہی سے بچائے ۔غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وہ بات پوری ہوئی کہ خدا تعالیٰ کے شیر پر کون ہاتھ ڈال سکتا ہے اور آریوں کو اُن کے مقصد میں ناکامی ہوئی۔''

(تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ 359)

جو خدا کا ہے اسے للکارنا اچھا نہیں
ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبہٴ زار و نزار



خلافت کے ساتھ خدا

(شیخ رفیق احمد طاہر۔ یوکے)



نبی دنیا سے اپنا کام کرکے ہوتا رخصت ہے
تو اس کا مقصد اعلیٰ بڑھاتي يہ خلافت ہے
خلافت ماننے والوں سے گر دنیا بھي ٹکرائے
کرے تسخیر یہ سب کو خلافت ایسي طاقت ہے

’خلیفہ‘ جانشین، قائم مقام یا نائب کو کہتے ہیں۔ خلافت کي دو اقسام ہیں۔ انبیاء، خلیفۃ اللہ کہلاتے ہیں اور ان کے جانشین، خلیفۃ الرسول۔

خلیفۃ اللہ کا نزول

سُنّتِ خداوندی ہے کہ جب زمین پر بسنے والے لوگ بگڑ جاتے ہیں اور معبودِ حقیقی سے منہ پھیر لیتے ہیں، صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر ضلالت و گمراہی کی راہوں میں گم ہو جاتے ہیں، فسق و فجور اور ظلم و تعدّی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور عذاب الٰہی کو آوازیں دینے لگتے ہیں تو رحیم و کریم خدا تکمیل رحمت کی خاطر، سعید روحوں کو بچانے کی خاطر اور عذاب کے مستحق اور حد سے بڑھ جانے والوں کو تنبیہ کی خاطر اپنے کسی انتہائی پیارے اور بزرگ انسان کو خلعتِ نبوت عطا فرماتا ہے۔ اس کی آمد سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔ گمراہی کے اندھیرے کافور ہو جاتے ہیں اور صداقت کی روشنی ہر سُو پھیلنے لگتی ہے۔ معرفت کے جام انڈیلے جاتے ہیں۔ روحانیت کی لذّتیں بانٹی جاتی ہیں اور مومنین، اک عجب وارفتگی کے عالم میں حق و صداقت کے اس مہر تاباں کے گرد پروانوں کی طرح منڈلانے لگتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر صحابہ کرام کی ایسی ہی کیفیت کا نقشہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اشعار میں یوں کھینچا ہے:

أَحْيَيْتَ أَمْوَاتَ الْقُرُوْنِ بِجَلْوَةٍ
مَا ذَا يُمَاثِلُكَ بِهٰذَا الشَّانِ
تَرَكُوا الْغَبُوْقَ وَ بَدَّلُوْا مِنْ ذَوْقِهٖ
ذَوْقَ الدُّعَاءِ بِلَيْلَةِ الْأَحْزَانِ
فَطَلَعْتَ يَا شَمْسَ الْهُدٰى نُصْحًا لَّهُمْ
لِتُضِيْئَهُمْ مِنْ وَّجْهِكَ النُّوْرَانِيْ

تو نے صدیوں کے مردوں کو ایک ہی جلوہ سے زندہ کر دیا، کون ہے جو اس کام میں تیرا نظیر ہو سکے؟

انہوں نے شام کی شراب چھوڑ دی اور اس کی لذّت کو غم کی راتوں میں کی جانے والی دعا کی لذّت سے بدل دیا۔

سو تُو نے اے آفتاب ہدایت! ان کی خیر خواہی کے لیے طلوع کیا تا کہ اپنے نورانی چہرہ سے تُو ان کو منوّر کر دے۔

یہ دنیا دارِ فانی ہے خدا تعالیٰ کے مقدس اور برگزیدہ نبی حق و صداقت کی تخم ریزی کرنے کے بعد جب اس بے وفا گھر سے رخصت ہو جاتے ہیں تو اس ننھے پودے کی نگہداشت اور آبیاری کے لیے خدا تعالیٰ کی دوسری قدرت ظاہر ہوتی ہے۔

خلیفۃ الرسول

نبی کی وفات کے بعد شیطان خصلت مخالفین کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور وہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ اب یہ سلسلہ کچھ ہی دنوں کا مہمان ہے۔ اس کے مقابل پر مومنین وقتی طور پر شدید بے چینی اور اضطرب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ تب خدا تعالیٰ کی رحمت پھر جوش میں آتی ہے اور وہ سورت النور میں مومنین کے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا فرماتا ہے جو کہ حسب ذیل ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (النور:56)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اُن سے اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اُس نے اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور اُن کے لئے اُن کے دین کو، جو اُس نے اُن کے لئے پسند کیا، ضرور تمکنت عطا کرے گا اور اُن کی خوف کی حالت کے بعد ضرور اُنہیں امن کی حالت میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جو اُس کے بعد بھی ناشکری کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد یہ الٰہی وعدہ پوری شان کے ساتھ پورا ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات صحابہ رضوان اللہ علیہم کے لیے ایک سانحہ عظیم تھی۔ ایسا شخص ان سے جدا ہوا کہ آپ کے علاوہ ایسا محبوب دل نواز چشم فلک نے نہ دیکھا تھا نہ قیامت تک دیکھنا نصیب ہونا تھا۔ آپ کی وفات پر صحابہ سہم سے گئے، حواس باختہ ہو گئے اور ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنے لگے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ جیسے جری صحابی بھی اپنے حواس پر قابو نہ رکھ سکے اور کہنا شروع کیا کہ جو بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات یافتہ کہے گا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ (بخاری)

ایسے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ باہر سے تشریف لائے آپ نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کو بوسہ دیا اور منبر پر چڑھ کر یہ اعلان فرمایا: لوگو تم میں سے جو کوئی محمدؐ کی عبادت کرتا تھا تو محمدؐ یقیناً فوت ہو گئے اور جو کوئی تم میں سے اللہ کی عبادت کرتا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔

پھر آپؓ نے سورت آل عمران کی درج ذیل آیات تلاوت فرمائیں: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۔ (آلِ عمران: 145) اور محمدؐ نہیں ہے مگر ایک رسول۔ یقیناً اس سے پہلے رسول گزر چکے ہیں۔ پس کیا اگر یہ بھی وفات پا جائے یا قتل ہو جائے تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس عارفانہ نکتہ نے صحابہؓ کو عظیم حوصلہ عطا کیا کہ ہاں! اگر ہمارا حیّ و قیوم خدا ہے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں تو ہمیں کس بات کا ڈر ہے۔ وہ تو ہمیشہ کے لیے زندہ ہے اور قائم ہے۔ بعد ازاں تلاوت فرمودہ آیاتِ قرآنی نے انہیں اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر آمادہ کیا کہ آنحضرتؐ وفات پا گئے۔

خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کا پہلا نظارہ

مخبر صادق حضرت محمد ﷺ نے یہ خبر دی تھی کہ ”تم میں نبوت قائم رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر وہ اس کو اٹھا لے گا اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوگی۔ پھر اللہ اس نعمت کو بھی اٹھا لے گا۔ پھر اس کی تقدیر کے مطابق ایذا رساں بادشاہت قائم ہوگی۔ یہاں تک کہ اللہ کا رحم جوش میں آئے گا اور اس ظلم و ستم کے دور کو ختم کر دے گا۔ اس کے بعد پھر خلافت علیٰ منہاج نبوت قائم ہوگی۔ پھر آپ خاموش ہو گئے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 273)

چنانچہ اس الٰہی تقدیر کے مطابق لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ چنا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور ان سارے نیک عہدوں کی تجدید کی جو اس سے قبل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کر چکے تھے۔ مومنوں کے قافلے کو امیر عطا ہوا، اور یہ قافلہ ایک بار پھر کشاں کشاں اپنی منزل مقصود کی جانب رواں دواں ہوا۔ تائید ایزدی اور نصرت الٰہی کے جلوے پھر سے ظاہر ہونا شروع ہوئے اور دین کو تمکنت عطا ہوئی۔

تاریخی سبق

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ، پھر حضرت عثمانؓ اور آخری خلیفہ راشد کے طور پر حضرت علیؓ کا انتخاب عمل میں آیا۔ پھر جب مسلمانوں نے خلافت کی ناقدری کی تو یہ نعمت اٹھا لی گئی۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب تک مسلمان خلافت سے وابستہ رہے وہ دنیا کی عظیم ترین قوم بن گئے۔ دنیا میں جو بھی ان کے مقابل کھڑا ہوا خائب و خاسر ہوا۔ یہاں تک کہ قیصر و کسریٰ جیسی عظیم الشان سلطنتیں پارہ پارہ ہو گئیں اور ان عاجز مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ جب تک مسلمانوں نے خلافت کے دامن کو تھام کر رکھا، خدائے عزّ وجل نے مسلمانوں کا ہاتھ تھامے رکھا۔ مگر جب انہوں نے خلافت کے دامن سے علیحدگی اختیار کی اور اللہ جلّ شانہٗ کو چھوڑا تو وہ رفعتوں اور بلندیوں کے آسمان سے گرے اور قعرِ مذلّت کی عمیق ترین پنہائیوں میں گم ہو گئے۔

اسلام کی نشأۃ ثانیہ

پھر وہ وقت آیا جب ایمان کے ثریا پر اٹھ جانے کی پیشگوئی پوری ہوئی۔

اسلام کا فقط نام اور قرآن کی صرف رسم باقی رہ گئی۔قرآن کے حروف رہ گئے، عمل ختم ہوگیا۔اس پر اہل ایمان مضطرب ہوئے،سعید روحیں بے چین ہوئیں تو خدا تعالیٰ کی رحمت کاملہ میں جوش پیدا ہوا۔اس رحیم وکریم اور سمیع وعلیم خدا کے دربار تک یہ پکار پہنچی

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے

صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ

الٰہی نوشتوں کے مطابق مہدی دوراں کا ظہور عمل میں آیا۔زخمی دلوں کو تسکین وراحت کا پھاہا نصیب ہوا۔توحید پھیلنے لگی،شرک کی نحوست بھاگنے لگی اور تثلیث ٹوٹنے لگی۔اور وہ سعید روحیں جو کبھی یسوع مسیح کی خدائی کا دم بھرتی تھیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے گیت گانے لگیں۔

خلافت علیٰ منہاج نبوت کا دوسرا نظارہ

اب اسی حدیث مبارکہ کے آخری حصّے کا پورا ہونے کا وقت آچکا تھا۔دوبارہ خلافت علی منہاج نبوت کے قیام کی ضرورت تھی۔سیدنا حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی وفات پر دشمن اور مخالفین بہت پُر امید نظر آتے تھے۔بالکل ویسی ہی صورت حال تھی جیسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر تھی۔مومنوں کی صفیں بکھرنے کو تھیں۔حاسدوں کی سازشیں رنگ لانے کو تھیں۔وہ اس نوتعمیر شدہ عمارت کے گرنے کا نظارہ کرنے کے لیے بے چین تھے۔مگر اسی حیّ وقیوم خدا نے دوبارہ خلافت اور تمکنت دین کا وعدہ پوری شان سے پورا فرمایا۔خدا تعالیٰ کی تقدیر نے حضرت مولوی حکیم نورالدینؓ کا انتخاب فرمایا اور آپ کو وہ طاقت اور بصیرت عطا فرمائی جس نے سب مخالف منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔اس بظاہر گرتی ہوئی عمارت کو از سرنو مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر کھڑا کر دیا گیا۔مومنین کی حفاظت کے لیے خلافت کا مضبوط قلعہ قائم ہوگیا اور مومنین کا یہ قافلہ اپنے امام کی زیر قیادت کامیابیوں کے نئے سفر پر گامزن ہوگیا۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا:''میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔''

(روحانی خزائن جلد 20 تذکرۃ الشہادتین صفحہ 67)

گو کہ احمدیت کا یہ الٰہی درخت حضورؑ کی زندگی میں ہی بڑھنا اور پھولنا پھلنا شروع ہوگیا تھا اور اس کی شاخوں پر لاکھوں پھل بھی لگ چکے تھے۔مگر خلافت کی نگہداشت اور آبیاری نے اس درخت کو اکناف عالم تک پہنچا دیا ہے۔آج اس درخت کی شاخیں دنیا کے ہر حصے میں پہنچ چکی ہیں۔حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ کیے گئے خدائی وعدے کچھ تو آپ کی زندگی ہی میں پورے ہوگئے تھے، باقی خلافت کے ذریعہ پورے ہوتے چلے جارہے ہیں۔گویا کہ خلافت کا زمانہ نبوت کے دَور ہی کا تسلسل ہے۔وہی رحمتیں، وہی برکتیں، وہی انعامات، وہی تائیدات وہی نصرتیں، وہی سلوک، وہی پیار، وہی انوار جو مسیح پاک کے زمانہ میں آسمان سے اترتے تھے آج بھی موسلادھار بارش کی طرح نازل ہورہے ہیں۔یہ خلافت کی برکات نہیں تو اور کیا ہے؟

اب میں خلفائے احمدیت کی تائید ونصرت کے چند نظارے نہایت اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔

حضرت حکیم مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ

آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہی کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی جو کردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ادا کرنے کی توفیق پائی تھی۔آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کرکے لوگ دوبارہ ایک مرکز اور محور کے گرد اکٹھے ہوگئے۔بکھرے ہوئے موتی ایک لڑی میں پروئے گئے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے نظام خلافت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔آپؓ نے جماعت کو یہ باور کرادیا،''بیعت وہ ہے جس میں کامل اطاعت کی جائے اور کسی ایک حکم سے بھی انحراف نہ کیا جائے۔''

(الفرقان خلافت نمبر مئی، جون 1941ء)

آپ کی علمی خدمات میں قرآن کریم کی تفسیر حقائق الفرقان کے نام سے ایک بیش بہا خزانہ ہے۔اسی طرح طب کے میدان میں آپ کی مہارت کا فیض عام''بیاض نورالدین'' کے نام سے جاری ہے۔توکل علی اللہ کے حوالے سے آپ کی سوانح عمری قیامت تک کمزور ایمانوں کو مضبوط کرنے میں مدد دے گی۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ

آپؓ کا وجود الٰہی بشارتوں اور پیش گوئیوں کا مصداق تھا۔آپ 'مصلح موعود' تھے۔آپ کو خدا تعالیٰ کی خاص تائید حاصل تھی۔آپ کا 52 سالہ دَورِ خلافت

ایک زرّیں دور تھا۔ آپؒ کے دَور میں خلافت کو مزید استحکام حاصل ہوا۔ فتنوں کا تدارک ہوا۔ جماعت کی ترقی کی نئی راہیں متعین ہوئیں۔ نظارتوں اور ذیلی تنظیموں کی بنیاد رکھی گئی۔ شوریٰ کا نظام جاری ہوا۔ 1947ء میں تقسیم ہند کے موقع پر جماعت کو حفاظت سے پاکستان پہنچانا برکات خلافت کا ایک شاندار مظاہرہ ہے۔

تحریر و تقریر اور قائدانہ صلاحیتوں کا حامل آپ جیسا شخص بہت کم پیدا ہوتا ہے۔ آپؒ کی علمی خدمات میں تفسیر کبیر، تفسیر صغیر اور اسلام کا اقتصادی نظام کے علاوہ بے شمار دیگر تصانیف خطبات اور خطابات شامل ہیں۔

آپؒ کا منظوم کلام جو کہ کلام محمود کے نام سے موسوم ہے، 200 سے زائد نظموں کا حیرت انگیز مجموعہ ہے۔ کلام محمود کی پہلی نظم جو کہ آپ نے 1903ء میں صرف 14 برس کی عمر میں تحریر فرمائی، سے صاف پتا چلتا ہے کہ آپ کو بچپن ہی میں وہ عرفان حاصل تھا جو کہ محض خوش نصیبی سے کسی کسی کو کبھی کبھی عمر گزرنے کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ اس نظم کے دو اشعار درج ذیل ہیں:

موسیٰ کے ساتھ تری رہیں لن ترانیاں
زنہار میں نہ مانوں گا چہرہ دکھا مجھے
سجدہ کناں ہوں در پہ تیرے اے میرے خدا
اٹھوں گا جب اٹھائے گی یاں سے قضا مجھے

حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالثؒ

اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ نَافِلَةً لَّکَ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 229) کے مصداق، حضرت مسیح موعودؑ کے پوتے اور حضرت مصلح موعودؓ کے فرزند آپؒ کی وفات کے بعد 8 نومبر 1965ء کو مسند خلافت پر باذنِ الٰہی متمکن ہوئے۔

آپؒ کے دَور میں افریقہ میں اشاعت اسلام کی نئی راہیں کھلیں۔ آپؒ نے ان ممالک کا دورہ بھی فرمایا اور نصرت جہاں سکیم بھی جاری فرمائی۔ 1974ء کے پر آشوب دور میں آپؒ نے انتہائی خندہ پیشانی اور جرأت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا۔ آپ نے جماعت کی خوب احسن طریقے پر راہنمائی فرمائی اور ڈھال بن کر حفاظت بھی فرمائی۔ آپؒ کو قومی اسمبلی میں خدائی تائید و نصرت کے

رزق حلال کے حصول کی دعا

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ (جامع ترمذی، حدیث:3563)

ترجمہ: اے اللہ! ہمارے لئے حلال رزق کافی کر دے بجائے حرام رزق کے۔ اور ہمیں اپنے فضل سے اپنے سوا ہر ایک سے بے نیاز کر دے۔

سید و مولیٰ، مقدس الانبیاء، خیر الوریٰ، پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کی رزق حلال کے حصول کی دعا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مکاتب غلام نے ان کے پاس آکر کہا کہ میں اپنی مکاتبت کی رقم ادا نہیں کر پا رہا ہوں، آپ ہماری کچھ مدد فرما دیجئے تو انہوں نے کہا: کیا میں تم کو کچھ ایسے کلمے نہ سکھا دوں جو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سکھائے تھے؟ اگر تیرے پاس پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو تو تیری جانب سے اللہ اسے ادا فرما دے گا، انہوں نے کہا کہو:

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ

(جامع ترمذی، حدیث:3563)

ساتھ جماعت کا موقف بڑے مؤثر انداز میں پیش کرنے کی توفیق عطا ہوئی۔ حضورؒ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بہت دعائیں کیں۔ خدا تعالیٰ نے الہاماً فرمایا وَسِّعْ مَكَانَكَ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ یعنی جو ہمارے مہمان آتے ہیں ربوہ میں ان کی تم فکر کرو اور جو اپنی طرف سے تحقیر کا ذلیل کرنے کا منصوبہ یہ بنا رہے ہیں اس کے لیے میں کافی ہوں تمہیں۔ 11 دن 40 گھنٹے اور 10 منٹ سوال و جواب کیے میرے ساتھ۔ اور ایسا لگتا تھا کہ ہر سوال کے وقت خدا تعالیٰ میرے ساتھ کھڑا ہے۔ یا اس کا فرشتہ کہنا چاہیے جہاں مجھے جواب نہیں آتا تھا مجھے جواب سکھایا جاتا تھا۔

الٰہی تائید کے ساتھ آپ کے مقدس لبوں سے نکلنے والا ایک جملہ "محبت سب کے لیے نفرت کسی سے نہیں" آج عالمی سطح پر جماعت احمدیہ کی پہچان بن چکا ہے اور تبلیغی ہتھیار بھی۔

حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابعؒ

آپؒ 10؍جون 1982ء کو خلیفہ منتخب ہوئے۔آپ کا دَور جماعت کی ترقی کے لیے نہایت ولولہ انگیز تھا۔ابتدا میں ایک جابر ڈکٹیٹر کی جانب سے جماعت کے خلاف ریشہ دوانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔اس بر سر اقتدار فوجی حکمران کو اس مرد حق نے ایسی جرأت اور بے خوفی سے للکارا کہ حضرت مسیح موعودؑ کا یہ شعر پوری طرح آپؒ پر صادق آیا:

سر سے میرے پاؤں تک وہ یار مجھ میں ہے نہاں
اے مرے بدخواہ کرنا ہوش کرکے مجھ پہ وار

آپؒ نے ان الفاظ میں اس کو تنبیہ کی:

کل چلی تھی جو لیکھو پہ تیغِ دعا
آج بھی اذن ہوگا تو چل جائے گی

وہ بدبخت پھر بھی باز نہ آیا تو آپ نے اسے للکارتے ہوئے پھر ان الفاظ کے ساتھ جھنجھوڑا:''جماعت احمدیہ تو خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک والی رکھتی ہے، ایک ولی رکھتی ہے۔جماعت احمدیہ کا ایک مولا ہے اور زمین و آسمان کا خدا ہمارا مولیٰ ہے لیکن میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔خدا کی قسم جب ہمارا مولیٰ ہماری مدد کو آئے گا تو کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکے گا۔خدا کی تقدیر جب تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کرے گی تو تمہارے نام و نشان مٹا دیئے جائیں گے۔''(خطبہ جمعہ فرمودہ 14؍دسمبر 1984ء)

سبحان اللہ! کیا ہی پیارا اور وفادار خدا ہے جس نے اپنے قائم کردہ خلیفہ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو تقدیر میں بدل دیا۔ 17؍اگست 1988ء کو اس جابر فوجی حکمران کا طیارہ حادثہ کا شکار ہوا اور وہ فوجی آمر بعینہٖ اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا جیسا کہ مردِ حق نے فرمایا تھا۔

آپؒ کے دور میں دعوت الی اللہ کے نئے ابواب رقم ہوئے۔عالمی بیعت کا آغاز ہوا۔اور سعید روحوں کو احمدیت میں امان نصیب ہوئی۔

واقفینِ زندگی کی کمی کو پورا کرنے کے لیے آپؒ نے وقفِ نو کی تحریک فرمائی۔خلافت کے ساتھ خدا ہے۔جو روئے زمین پر اس وقت اپنے سب سے پیارے شخص کے ہر کام میں اور ہر لفظ میں برکت ڈالتا ہے۔خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت سے یہ تحریک بھی بے انتہا کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔MTA کا اجرا بھی آپ کے عظیم کارناموں میں سے ایک ہے۔آپؒ کی ساری تحریکات، منصوبوں اور کارناموں کا سرسری ذکر کرنے کے لیے بھی ایک دفتر درکار ہے۔آپ ایک بہترین مقرر، ایک اعلیٰ درجہ کے مصنف، کامیاب ہومیوڈاکٹر، اور بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ایک شعر جو آپ کی ذات پر چسپاں ہوتا ہے اسی پر اکتفا کرتا ہوں:

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم جہاں سے
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی وفات کے بعد جماعت اضطراب کی کیفیت میں مبتلا تھی کہ یہ عظیم خلا کیسے پر ہوگا۔اس حالتِ خوف کو امن میں بدلتے ہوئے، حیّ و قیوم خدائے عظیم و برتر نے ایک اَور مبارک وجود حضرت مرزا مسرور احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو خلعت خلافت سے نوازا۔اور اِنِّی مَعَکَ یَا مَسْرُوْر کا وعدہ نبھاتے ہوئے جماعت کو پھر سے ترقی کی راہوں پر پوری رفتار کے ساتھ گامزن کر دیا۔ترقی کی نئی راہیں کھلنے لگیں۔ترقی کے نئے انداز اپنائے گئے جو کہ زمانہ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔ہمارے پیارے امام کو دنیا کے بڑے بڑے ایوانوں میں پیغام حق پہنچانے اور بڑے بڑے جابر حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہنے کی توفیق عطا ہوئی۔وقت حاضر کی ضرورت 'امن' کی شعاعیں آپ کے وجود سے پھوٹنے لگیں اور امن کے پیغامات آپ کے وجود سے جاری ہونے لگے۔

اسی طرح وقت کے تقاضوں کے مطابق جماعت کی تربیت پر آپ کی بہت توجہ ہے۔ہماری سب ضرورتوں کا آپ کو احساس ہے۔آپ کی ذات میں مومنوں کو ایک شفیق باپ نصیب ہوا ہے۔وہ ساری برکتیں جو مسیح پاک کے وجود کے ساتھ وابستہ تھیں اور بعد میں آنے والے خلفاء کے ساتھ وابستہ تھیں پھر سے جاری و ساری ہیں۔نظام وصیت ہو یا تحریک جدید اور وقف جدید، ایم ٹی اے ہو یا تحریک وقف نو۔سب کاموں میں خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت وسعت اور ترقی نصیب ہوئی ہے۔الحمدللہ

خلافت کے ساتھ خدا ہے

خلافت خدا تعالیٰ کے اپنے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ رب ذوالجلال ہمیشہ اس کی حفاظت فرماتا رہا ہے اور انشاء اللہ فرماتا رہے گا۔یہ ننھا پودا اب خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک مضبوط درخت بن چکا ہے۔اس کی

باثمر شاخیں اکناف عالم میں پھیل چکی ہیں۔

خلافت کے ساتھ خدا ہے۔ خلافت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے غلام صادق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعائیں ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ الفاظ آپ کے خلفاء پر بھی صادق آتے ہیں: ’’کیا خدا مجھے چھوڑ دے گا کبھی نہیں چھوڑے گا کیا وہ مجھے ضائع کر دے گا کبھی نہیں ضائع کرے گا۔ دشمن ذلیل ہوں گے اور حاسد شرمندہ اور خدا اپنے بندہ کو ہر میدان میں فتح دے گا۔ میں اس کے ساتھ وہ میرے ساتھ ہے کوئی چیز ہمارا پیوند توڑ نہیں سکتی‘‘

(انوارالاسلام، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 23)

ہے سر رہ پر مرے وہ خود کھڑا مولیٰ کریم
بس نہ بیٹھو میری رہ میں اے شریران دیار

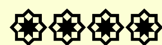
حرف آخر

ہم وہ خوش نصیب ہیں جنہوں نے خلافت خامسہ کے انتخاب کے موقع پر آپ کے پہلے حکم ’’بیٹھ جائیں‘‘ کی تعمیل کی اور اطاعت کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ ساری دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ مگر اطاعت لمحوں کی بات نہیں بلکہ عمر بھر کے عمل کا نام ہے۔ ہم نے بیعت کی ہے، تو اپنے آپ کو خلیفۃ المسیح کے ہاتھ پر بیچ دیا ہے۔ ہم نے یہ اقرار کیا ہے ’’تو ہمارا ہوا، ہم ترے ہو گئے‘‘ اے امیر المومنین! ہم ترے ہو گئے۔ ہمیں آپ سے محبت ہے۔ خلافت ہمیں جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ مگر محبت کے کچھ تقاضے بھی ہوتے ہیں۔ محبت کرنے والے محبوب کے ہر حکم کی تعمیل اور وفا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ خلافت کا وعدہ ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ مشروط ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں ان شرائط پر کاربند رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلافت کی ہیں برکتیں بے شمار
خلافت تا قیامت زندہ باد!

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل 13 مارچ 2022)



خلیفہ خدا بناتا ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی حضرت شوق محمد رضی اللہ عنہ (عرضی نویس) تحریر کرتے ہیں:

’’1903ء میں مَیں قادیان میں بغرض تعلیم مقیم تھا۔ میں نے اپنے زمانۂ قیام دارالامان میں متعدد بار دیکھا کہ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی (رضی اللہ عنہ) بچپن سے ہی چلتے وقت نہایت نیچی نظریں رکھا کرتے تھے اور چونکہ آپ کو آشوب چشم کا عارضہ عموماً رہتا تھا۔ اس لیے کئی بار میں نے حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کو خود اپنے ہاتھ سے آپ کی آنکھوں میں دوائی ڈالتے دیکھا۔ وہ دوائی ڈالتے وقت عموماً نہایت محبت اور شفقت سے آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا کرتے اور رخسار پر دست مبارک پھیرتے ہوئے فرمایا کرتے۔ ’’میاں تو بڑا ہی میاں آدمی ہے۔ اے مولا! اے میرے قادرِ مطلق مولا! اس کو زمانہ کا امام بنا دے۔‘‘ بعض اوقات فرماتے: ’’اس کو سارے جہان کا امام بنا دے۔‘‘ مجھ کو حضور کا یہ فقرہ اس لیے چبھتا کہ آپ کسی اور کے لیے ایسی دعا نہیں کرتے۔ صرف ان کے لیے دعا کرتے ہیں۔...... میں نے ایک روز کہہ ہی دیا کہ آپ میاں صاحب کے لیے اس قدر عظیم الشان دعا کرتے ہیں کسی اور شخص کے لئے ایسی دعا کیوں نہیں کرتے۔ اس پر حضور نے فرمایا:

اس نے تو امام ضرور بننا ہے میں تو صرف حصولِ ثواب کے لیے دعا کرتا ہوں۔ ورنہ اس میں میری دعا کی ضرورت نہیں۔ میں یہ جواب سن کر خاموش ہو گیا۔

جلسہ سالانہ گذشتہ کے موقعہ پر کئی ہزار کے قریب مجمع کی بھیڑ اور حسن انتظام دیکھ کر اور مبلغین کے کارنامے جو انہوں نے بیرون جات کیے اور مشن احمدیت جو غیر ممالک میں قائم ہوئے۔ ان کے حالات و کوائف سن کر مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ دعائیں یاد آ گئیں۔ جو حضور کے بچپن کے زمانہ میں آپ کیا کرتے تھے۔ ہزار افسوس کہ غیر مبائعین اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا رہے بلکہ الٹا اظہارِ دشمنی کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان کو خوش ہونا چاہیے تھا کہ جس عظیم الشان انسان کو انہوں نے مسیح موعود اور مہدی مسعود تسلیم کیا تھا اُسی کا فرزند حقیقی معنوں میں اس کا خلف الصدق ثابت ہو رہا ہے اور دین اسلام کی خدمت پوری جانفشانی سے کر رہا ہے۔‘‘

(روزنامہ الفضل 13؍مارچ 1938ء نمبر 59 جلد 26 صفحہ 3)



میں اللہ خوب جاننے والا ہوں

طارق بلوچ (کیل جرمنی)

عبد اور معبود کے درمیان قائم رشتہ اگر مستحکم ہو جائے تو پھر زیست کی شاہراہ سے ٹکرانے والی ہر لہر، خواہ وُہ خوشی کی ہو یا غمی کی، انسان اپنا توازن برقرار رکھتا ہے۔ اعتدال پر رہتا ہے۔ انسانی زندگی میں آنے والا سب سے زیادہ تکلیف دہ مرحلہ اپنے پیاروں سے بچھڑ جانے کا ہوتا ہے۔ غم، انسان کو مار دیتا ہے۔ ''عہدِ غفلت'' میں تو بطورِ خاص۔ اور اگر انسان اس حالت میں غم کی کیفیت سے دو چار ہو کہ اس کا اپنے رب کے ساتھ رشتہ (جو ایک جاری و ساری عمل ہے) جڑ پکڑ چکا ہے تو پھر موج بڑھے یا آندھی آئے، یہ احساس یہ یقین اس کے غم کی شدت کو کم کر دیتا ہے۔ مگر اُسی قدر جس قدر اس کی معرفت بڑھی ہوتی ہے۔ یقیناً، ایسی صورت میں بھی بتقضائے بشریت بچھڑنے والوں کی یادیں تو برابر آتی اور ستاتی ہیں، لیکن جُدائی کا کرب اسے شور و غوغا، گلے شکوے اور شرک کی راہ پر نہیں ڈالتا۔ بلکہ ایسے لحاتِ غم (یا وقت ابتلاء) میں تو وہ اور بھی اپنے رب کے قریب ہو جاتا اور اس کی رضا پہ راضی رہتا ہے۔ ہر منزل سے منزل آشنا ہو کر آگے گزر جاتا ہے۔ کہ جانتا ہے اللہ کے سوا ہر شے فنا ہونے والی ہے۔ اور اُسی کا جاہ و حشم باقی رہے گا جو صاحبِ جلال و اکرام ہے۔ غموں میں سب سے بھاری غم ماں باپ سے جُدائی کا غم ہوتا ہے۔ کہ ان کے بعد، ان کے بغیر زندگی بے مزہ اور بے کیف سی ہو جاتی ہے۔ اس کے سب رنگ پھیکے پڑ جاتے ہیں۔ انسان اپنے داخلی خلاؤں میں کہیں دور گم ہو جاتا ہے، کھو جاتا ہے۔ میں مختلف اوقات میں دونوں جاں گُسل لمحوں سے گزر چکا ہوں۔ جب امی جان کا انتقال ہوا تب میں ''باخدا'' تو تھا ہی، مگر اپنی شامتِ اعمال کی وجہ سے ایسا باعمل نہیں تھا کہ اس رشتے (عبد اور معبود کا) کے استحکام کے لیئے مطلوب تقاضے بھی پورے کرتا۔ سو اس داغِ جُدائی نے تو مجھے مار ہی ڈالا۔ کیونکہ اس ہولناک صدمے نے مجھے میرے عہدِ غفلت میں، اچانک آن لیا تھا۔ مجھ میں شاید کچھ اچھا بھی تھا (اور وہ اچھا بھی میری کسی ذاتی کوشش یا مجاہدے کا نتیجہ نہیں، بس میرا خون اپنے اوصاف کے ساتھ میری رگوں میں دوڑ رہا تھا) مگر وقت اور حالات کا دھارا کچھ ایسے رُخ بہہ رہا تھا کہ مجھے اپنی فطری خوبیوں یا فکری رویوں کو صیقل کرنے کا کوئی خاص موقع نہیں مل رہا تھا۔ اور پھر ایک روز کیا ہوا؟ معاً میری ''ماں مرگئی''!! اُدھر اُس سراپا شفقت ہستی کی آنکھ بند ہوئی، اِدھر میری آنکھ کُھل گئی۔ مُجھے یوں لگنے لگا جیسے میری ماں میری (پاکستان) واپسی کی راہ تکتے تکتے خود تو رُخصت ہو گئی، لیکن جاتے جاتے مُجھے ایک نئی زندگی سے ہمکنار کر گئی۔ ماں اور ماں کی مامتا کے بغیر جب میں نے صحرا ایسی اپنی اس نئی زندگی میں پہلا قدم رکھا تو سب سے پہلے مجھے جس چیز کا سامنا کرنا پڑا وہ حیرت تھی۔ ہیں، یہ کونسی جگہ ہے؟ یہ کیسا دیار ہے نہ ماں نہ ماں کی چھتر چھایہ، اور نہ ہی وہ دُعائے نیم شب۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے؟ زندگی شاید اِسی کا نام ہے۔ دوریاں، مجبوریاں، تنہائیاں! اِس بے ثبات زندگی کی مُجھ پر بہت ساری پرتیں کُھل گئیں۔ اَب میں ایک نئے سفر، ایک نئے دبستاں کی طرف چل پڑا تھا۔ اِس سفر میں جہاں مُجھے قدم قدم پر ماں کا سفرِ آخرت یاد آیا، وہاں ساتھ ہی ساتھ یہ میرے لیئے (مگر میرے مناسبِ حال) فکری اور علمی اور عملی ارتقاء کا بھی ایک سبب بنا۔ میں سوچتا، آخر کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے؟ اِس سوچ، زندگی کے اِس بنیادی سوال کے زیرِ اثر میں اپنی (۲۶) نومبر ۱۹۹۵ والی حالت سے بتدریج آگے نکلتا گیا۔ پہلے اگر ایسا سوچتا تھا تو بغیر ضربِ کلیمی کے۔ مگر اب ماجرا دوسرا تھا۔

کلامِ الٰہی میں میری دلچسپی بڑھ گئی۔ پنجوقتہ نمازوں کی عادت بھی ہوتے ہوتے جڑ پکڑ گئی۔ اِس حد تک کے اَب گاہے خیال آتا ہے کہ یہ (نماز) تو مر کر ہی چھوٹے گی۔ میں یہاں ذاتی یا دینی باتیں نہیں، احوالِ دل لکھ رہا ہوں۔ تا

ہم بر سبیل تذکرہ یہ لکھنے میں حرج ہی کیا ہے کہ نماز، اُس کے رکوع و سجود، کلمات اور اوقات گویا اُس کی ہر حالت ہر مرحلے اور ہر لمحے میں ایک طمانیت اور زبردست حکمت پوشیدہ ہے۔ یہ یونہی فرض نہیں کی گئی۔ نماز کو اگر اُس کی جگہ جُملہ شرائط کے ساتھ قائم کیا جائے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے عبد اور معبود کے درمیان رابطے کی ہارٹ لائیں۔ خیر، یہ مسافر جو ابھی راہگزر میں ہے۔

چلتے چلتے، آج سے ٹھیک دس سال قبل جب ستمبر ۲۰۱۱ء میں پہنچا تو اِسے ایک روز دوسری قیامتِ صغریٰ کا بھی سامنا کرنا پڑ گیا۔ غم کا ایک اور پہاڑ ٹوٹا۔ پیارے ابا جان محترم ناصر احمد ظفر بھی (۱۲ تاریخ کو) ساتھ چھوڑ گئے۔ جو گزشتہ سولہ سالوں سے بیک وقت دُہرے فرائض ادا کر رہے تھے۔ وہ ہم سب بہن بھائیوں کے لیئے مادرِ مہرباں بھی تھے اور شفقتِ پدری کا شہکار بھی۔ ایسے شفیق، بے ریا بے غرض اور بے لوث وجود کم کم ہی دیکھنے کو ملتے ہیں جو سب کے دُکھ درد اپنے سینے میں اُٹھائے پھرتے ہیں۔ فیض کے اسباب بناتے ہیں۔ میں یہ بات بیٹے کے نہیں، بطور ایک غیر جانبدار مُبصر کے کہتا اور حلفاً کہتا ہوں کہ جلتی دُھوپ میں چھاؤں جیسا تھا وہ! مگر اس سب کچھ کے باوجود میرا ردِ عمل ۱۹۹۵ء سے مختلف تھا۔ وجہ میں لکھ آیا ہوں۔ اَب معبودِ حقیقی کا اِس عبدِ حقیر کے ساتھ دوسرا معاملہ تھا۔ وہی معاملہ جو عہدِ جُدائی میں جنم لیتا اور جس کے بارہ میں میرے مُرشد نے فرمایا 'مفارقت میں بھی ایک کشش ہوتی ہے جو محبت کے مدراج عالیہ پر پہنچاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کو بھی ایک ذریعہ قرار دیا ہے کیونکہ اِس سے تعلق اور کرب میں ترقی ہوتی ہے۔ اور روح میں ایک بیقراری اور اضطراب پیدا ہوتا ہے جس سے وہ دُعاؤں کی روح اِس میں نفخ کی جاتی ہے کہ وہ آستانہ اُلوہیت پر یارب یارب کہہ کر اور بڑے جوش اور شوق اور جذبہ کے ساتھ دوڑتی ہے'۔ سو گزرے ماہ و سال میں جس قدر اور جیسی بھی میری مثبت سمت کی طرف پیشرفت ممکن ہوئی، اُسی قدر میرا عہدِ غفلت کہیں پیچھے کھسکتا چلا گیا۔ کہ اَب درد کے ساتھ دوا بھی تھی۔ ایسے میں جب بھی میرے دل کی بے قراری بڑھتی، درد کی یہی دوا، معرفت کا یہی احساس میرے دلِ ناصبور کو قرار بخش دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں اِس (دوسرے) غم کو نسبتاً آسانی کے ساتھ سہہ گیا۔ باوجود یکہ یہ کوہِ غم بھی میرے (بلکہ شاید ہم سب کے) لیئے کُچھ یُوں قبل از وقت تھا کہ میں پیارے ابّا جان کی ظاہری صحت اور متحرک زندگی کو دیکھتا تو اندر ہی اندر ایک خیال سا اُبھرتا کہ ابا جان اسی نوے سال تک تو انشاء اللہ ضرور ہی جیئں گے۔ مگر وہ میری اس اُمید اِس خوش گُمانی کے برعکس، اسی برس کی عمر پانے سے بھی قبل، یہی کوئی ۷۸ برس کے لگ بھگ ہمیں داغِ مفارقت دے گئے۔ تب مجھے پھر حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا اس مفہوم کا وہ فرمان یاد آیا کہ میں نے اپنے ارادوں اور خواہشوں کی ناکامی سے اپنے رب کو پہچانا۔ ایک وہ وقت تھا جب میں اُس کی تلاش کے مرحلے میں تھا، اب یہ وقت کہ اُسے پہچاننے بھی لگا۔ یہ دونوں گھڑیاں جو مجھ پر گزریں، اگر چہ بہت تلخ اور سخت تھیں مگر مجھے بہر حال میرا دلبر مل گیا۔ یقیناً، اللہ تعالیٰ کا علم ہر شے پر مُحیط ہے۔ میری تو ابّا جان کی زندگی اور عمر کے سلسلہ میں ایک خواہش تھی، ایک خیال تھا جو عمل میں نہیں ڈھلا۔ سو اس سبب سے شروع دنوں میں تو ایک شکوہ ہائے رنگین بھی دل سے نکلتا مگر پھر بعد کے حالات و واقعات جو اگلے چند سالوں میں ہمیں دیکھنے کو ملے، اللہ تعالیٰ نے اپنے اس 'راز' سے بھی پردہ اُٹھا دیا۔ ہمیں اپنی مصلحت اور حکمت سے آگاہ کرتے ہوئے یہ باور کروایا کہ میں اللہ خُوب جاننے والا ہوں (سورۃ الرعد)۔ مثلاً ۲۰۱۵ء تک پہنچتے پہنچتے ہم نے جو دیکھا، وہ اگر ابّا جان بھی دیکھ لیتے یا اُن کی موت کے معین دن میں صرف چار سال کی ہی توسیع ہو جاتی تو مجھے یقین ہے ان سالوں میں انہیں بار بار موت کا پیالہ پینا پڑتا۔ اور وہ بالآخر اپنے اُس اُجڑے دِیار کو دیکھ کر جس میں انہوں نے بڑی بھرپور اور باوقار زندگی گزاری تھی، چلا اُٹھتے ؎

کہوں کس سے میں؟ کہ کیا ہے، شبِ غم بُری بلا ہے
مُجھے کیا بُرا تھا مرنا؟ اگر ایک بار ہوتا

ایک سال کے اندر اندر ابّا جان کا ایک بہت پیارا، متوکل اور اکل کھرا بھائی مبارک احمد ظفر اور ایک بہن، دونوں ہی آگے پیچھے وفات پا گئے۔ پھر علاقے کی ایک اور سیاسی اور سماجی شخصیت مہر سکندر حیات لالی، جو ابّا جان کے ساتھ باہمی احترام اور دوستی کا ایک مضبوط رشتہ رکھتے تھے اور اُن کی وفات کے بعد جس طرح وہ ہمارے غم میں برابر کے شریک رہے، اور پھر اُنہی دنوں، مہر صاحب کا چھوٹے بھائی آصف کو یہ کہنا کہ مصروفیت آڑے آتی رہی وگرنہ مجھے

تو آپ کے ساتھ ' ستھر' (وہ جگہ جہاں لوگ اہلِ خانہ سے ماتم پُرسی کے لیئے آتے ہیں) پر بیٹھنا چاہیے تھا۔ یہ گویا اُن کا اپنے مرحُوم دوست کے ساتھ کمال محبت اور اپنائیت کا ایک کُھلا اعتراف تھا۔ صرف یہی نہیں، بعدازاں اُنہوں نے ابّا جان کے ساتھ وابستہ اپنی حسین یادوں کو گھر آ کر قلمبند بھی کروایا۔ لا ریَب اس دلنواز اور بامروت شخص کی ناگہاں وفات کی خبر بھی ابا جان کے لیئے نہایت تکلیف دہ ثابت ہوتی۔ چوتھی دفعہ ابا جان کو اُس وقت صدمے کی کیفیت سے گزرنا پڑتا جب اِسی معزز قبیلہ سے تعلق رکھنے والے اُن کے ایک اور دوست مہر نور سلطان لالی مرحوم جنہیں وہ مردِ آہن کے نام سے یاد کرتے اور اُن کی دوستی کو سدا بہار قرار دیتے تھے، اُن کا اکلوتا اور لاولد بیٹا مہر مشتاق جو براہِ راست ابا جان سے تو کیا شاید زمانے بھر سے ہی کچھ یوں الگ تھلگ سا رہتا کہ گویا اقبالؒ کی یہ بات اُس کے دل میں گھر کر گئی تھی ؎

یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم وگماں! لاالٰہَ اِلاّ اللہ

اس کی ترجیح اول دنیا نہیں، آخرت ٹھہری۔ اور اپنی اسی فکر کے زیرِ اثر اشفاق عمر بھر اپنے عمل کے دفتر کو ہی سنوارتا اور سجاتا رہا۔ علاقے بھر میں یہی اُس کی بڑی شناخت تھی۔ اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو! وہ فریضہ حج کی ادائیگی لیئے گیا تو وہاں ایک ٹریفک حادثے میں شہید ہو گیا۔ اور پھر وہیں حجاز مقدس کی خاک اوڑھے ابدی نیند سو گیا۔ شاید اُس کی وصیت بھی یہی تھی۔ مجھے یقین ہے ابّا جان اپنے عزیز دوست کے صالح بیٹے کی بے وقت وفات کی خبر سُن کر بہت دُکھی ہوتے۔ اور کچھ عجب نہیں وہ دُکھ کے اُس لمحے میں اپنے مرحوم دوست کی جگہ پر کھڑے ہوتے۔ ابّا جان، جیسا کہ میں نے اُنہیں دیکھا اور جانا، اُن کی فطرت میں عہدِ دوستی کا بڑا قیمتی جوہر تھا۔ وہ دوستوں کے دوست، مخلص اور محسن دوستوں کے تو اور بھی زیادہ دوست اور قدردان تھے۔ اور اُن کا یہ مرحوم دوست تو ابّا جان سے اس حد تک محبت کرتا تھا کہ مجھے اپنے عہدِ بچپن کی وہ دُھندلی سی یاد ابھی تک نہیں بھولی کہ نصف صدی قبل، ۱۹۶۹ء میں جب ابّا جان کا اپنڈکس (APPENDIX) کا آپریشن ہوا تو انکل نور سلطان نے یہ دیکھ کر کہ احمد نگر اور گردونواح کے لوگ آرام کے دنوں میں بھی اُنہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتے، وقت بے وقت اپنے اپنے کاموں کے لیئے چلے آتے اور آرام میں خلل کا باعث بنتے ہیں تو وہ بندہ خدا، ہم سب کو اُٹھا کر اپنے گاؤں، اپنے قلعہ نُما گھر لے گیا۔ اور بحالی صحت تک ہمیں اپنا مہمان بنائے رکھا۔ جزاک اللہ خیرًا۔

ایسے ہی کربناک لمحات کا ابّا جان کو پانچویں دفعہ اُس وقت سامنا کرنا پڑتا جب اُنہیں یہ افسوسناک خبر سُننے کو ملتی کہ اُن کا ایک نہایت مخلص اور جانثار ساتھی ولی محمد آرائیں بھی اپنے ڈیرے پر ہونے والے ایک اتفاقی حادثہ کے نتیجہ میں اور ناگہاں طور پر اس جہانِ آب وگِل سے رُخصت ہو گیا۔ میں نے اس پیارے انسان کو، ہمیشہ اور ہر موسم میں سائے کی طرح ابّا جان کے ساتھ ساتھ دیکھا۔ سائے کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ بُرے وقتوں میں انسان سے جُدا ہو جاتا ہے، لیکن انکل ولی محمد نے اپنے پورے قد اور جرأت کے ساتھ اس روائتی تاثر کی نفی کی۔ وہ زندگی کے ہر موڑ اور ہر مرحلے پر وفاداری بشرط استواری کا کامل نمونہ بنے، دوستی دُشمنی والے اس ماحول میں ابّا جان کے ساتھ کھڑے نظر آئے۔ بقول آصف بھائی کے انکل ولی جب جب بھی ابّا جان کا ذکرِ خیر کرتے، اُن کی آنکھیں یُوں بھیگ بھیگ جاتیں جیسے کہہ رہے ہوں ' مت سمجھو ہم نے بھُلا دیا '!

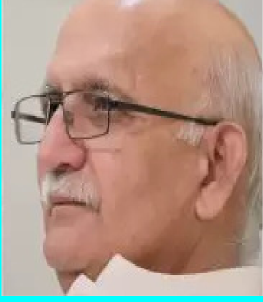
چھٹی دفعہ ابّا جان کو تب اس جاں گداز صُورتحال سے دوچار ہونا پڑتا جب اُنہیں یہ اطلاع ملتی کہ ان کا ایک پیارا کزن الحاج فیض اللہ خان جو اپنی سادگی نیک نیتی اور شرافت کا اعلیٰ نمونہ تھا، انتقال کر گیا ہے۔ ابّا جان، اُن کے بھائی اور کزن اکثر شام کو اُن کی رہائشگاہ پر جمع ہوتے اور حسبِ روایت حال احوال کرتے اور ساتھ ہی ساتھ اُن کی مہمان نوازی، انکل مبارک اور انکل فیض اللہ کی دلچسپ نوک جھونک سے بھی لطف اندوز ہوتے۔ کہ دونوں میں ایک کھرا تو دوسرا سادہ کردار تھا۔

ساتویں دفعہ اُنہیں تب اِس جان لیوا کیفیت سے گزرنا پڑتا جب وہ یہ خبر سُنتے کہ اُن کے برادرِ نسبتی، میرے ماموں لطیف بھی اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ سیاسی، سماجی، اور جماعتی زندگی میں وہ کبھی ابّا جان سے آگے ہوتے تو کبھی پیچھے ۔ ہمیشہ ایک ساتھ نظر نہ آنے کے باوجود بھی اُن کی زندہ دلی اور دلچسپ شخصیت

ابّا جان کو بہت مرغوب تھی۔ گویا ۲۰۱۵ء کے اختتام تک جب آپ کی عمر ۸۲ برس کے لگ بھگ ہوتی توان پے در پے صدمات، جو اگلے چند توسیعی سالوں کی صورت ، اور اوسطاً سال میں دو دفعہ انہیں دیکھنے پڑتے تو غالب خیال یہی ہے کہ دلِ حساس ہونے کے ناطے خود ان کی حالت ایسے ہو جاتی جیسے بقول بہزاد لکھنوی ؎

زندہ ہوں اس طرح کہ غمِ زندگی نہیں
جلتا ہوا دیا ہوں، مگر ۔۔روشنی نہیں

اور جو تھوڑی بہت روشنی بچی بھی ہوتی وہ اُس وقت گُل ہو جاتی جب ایک روز انہیں یہ خبر بھی سُننے کو ملتی کہ دیرینہ رفیق چوہدری عبدالکریم نمبردار کا بھی بلاوا آ گیا۔ انکل کریم کی بھی ابّا جان کے ساتھ خوب نبھی۔ میں نے دیکھا، دونوں دوستوں کے ہاں فوک وزڈم (Folk Wisdom) بہت تھا۔ جس کے سہارے وہ مقامی (اور علاقائی) مسئلے مسائل اور سیاست کی گُتھیاں بڑی مہارت کے ساتھ سُلجھا لیتے۔ ابّا جان کی وفات کے بعد، ایک روز میں نے انکل سے اُن کا ردِ عمل جاننے کے خیال سے یہ سوال کیا جب یہ خبر آپ نے سُنی تو اُس وقت آپ پر کیا گزری؟ اُن کا بے ساختہ جواب تھا ً مجھے اپنے بچوں کی (طبعی اور غیر طبعی) وفات سے بھی زیادہ دکھ ہوا ً یہ اُس ذکی اور نافع الناس وجود کو ایک ایسا زبردست خراجِ عقیدت تھا جو صرف وہی شخص پیش کر سکتا ہے جو اپنی ذات سے آگے تک دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ مردم شناس ہو۔ اللہ تعالیٰ ان سب مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ غریقِ رحمت کرے آمین۔ قضا و قدر کے عمیق در عمیق اسرار اور اپنی اس ساری خواب و خیال ایسی کہانی کے پس منظر میں یہاں مُجھے حضرت یوسفؑ کی قید کے دنوں کا وہ واقعہ یاد آ گیا جب دو ساتھی قیدیوں میں سے ایک نے کہا میں خواب میں خود کو اس حالت میں دیکھتا ہوں کہ انگور نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے خواب سنائی کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اُٹھائے ہوئے ہوں جنہیں پرندے کھا رہے ہیں۔ آپؑ ہمیں اِس کی حقیقت سے آگاہ کریں۔ ھم یقیناً آپ کو نیکو کاروں میں سے سمجھتے ہیں۔ آپؑ نے اپنے الٰہی علم تعبیر الرویا کی روشنی میں فرمایا تم میں سے ایک (اوّل الذکر) تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور دوسرے کو سولی دے کر مارا جائے گا۔ مُخلصی پا جانے والے قیدی سے آپؑ نے صرف اتنی سی بات کہی کہ اپنے آقا (بادشاہ) کے پاس میرا بھی ذکر کرنا۔ اب بظاہر یہ بشری تقاضوں سے ھم آہنگ ایک عام سی بات تھی۔ زندان سے نکلنے کی ایک تدبیر تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی کی یہ ادا پسند نہیں آئی کہ اس میں توکل علی اللہ، جو انبیاء کرام کا خاصا ہے، سے انحراف کی ایک باریک سی صورت، ایک رمق موجود تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی حکمت کے تحت وہ بات اس قیدی کے ذہن سے ہی محو کر دی کہ وہ جس بات کو چاہے یاد رکھواتا ہے اور جس کو چاہے بھُلوا دیتا ہے۔ اور یُوں آپ کا عہدِ اسیری طوالت اختیار کر گیا۔ آپؑ کی باعزت رہائی کا سامان اُس وقت پیدا ہوا جب بادشاہ نے یہ خواب دیکھا کہ سات موٹی گائیں ہیں، جنہیں سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں۔ اور سات سرسبز بالیں ہیں جنہیں چند خشک بالیں کھا رہی ہیں۔ بادشاہ نے اپنے درباریوں سے اپنی اس خواب کی تعبیر پُوچھی تو اُنہوں نے کہا کہ یہ پراگندہ خوابیں ہیں اور ھم ایسی خوابوں کی حقیقت کو نہیں جانتے ۔ درباریوں کی یہ بے بسی اور لاعلمی کو دیکھ کر یکا یک اُس قیدی کو حضرت یوسفؑ کی وہ بھُولی بسری بات یاد آ گئی ، جو گئے دنوں میں آپؑ نے اُسے کہی تھی، تب مخلصی پانے والے اس قیدی نے بادشاہ سے آپ کی اسیری علم رویا اور بزرگی کا ذکر کیا اور یُوں انجام کار آپؑ کی (قیدِ بے گناہی کا مطالبہ تسلیم کئے جانے کے بعد) رہائی اور دربار تک رسائی ممکن ہوئی ! سورۃ یوسف میں مذکورہ اس قصّے اور اپنی اس روادِ فکر سے مُجھ پر یہی کھُلا، یہی سبق ملا کہ کامل ایمان کامل اطاعت کو چاہتا ہے۔ اور یہ کہ بندہ ہر ایک حال میں بندہ رہا کرے۔ راضی بَررضا۔ ہمیں اس کے کاموں اور ارادوں اور فیصلوں، جن میں مستورِ حکمت سے ھم نا آشنا ہوتے ہیں، دخل در معقولات کا مُرتکب نہیں ھونا چاہیے۔ بے لگام انسانی خواہشوں کا کیا ہے ، وہ تو ہزاروں ہوتی ہیں اور ہر خواہش پر ہی بقول غالب دم نکلتا ہے۔ اہم یہ نہیں کہ کب اور کس عمر میں سانس کی ڈوری ٹوٹی۔ اہم یہ ہے کہ زندگی کے مُیسر شعوری دورانیے میں خلقِ خدا، جو اللہ کا کنبہ ہے اُس کے ساتھ اُس کا برتاؤ کیسا رہا؟ اگر اچھا رہا تو پھر ایک بزرگ صوفی شاعر کے مطابق فکر کیسی



عقیدے کی جانچ پڑتال کا موثر طریقہ

ڈاکٹر ساجد علی

اہل اقتدار اور اہل مذہب کو ایک مسئلہ ہمیشہ بہت پریشان کرتا رہا ہے؛ اہل اقتدار کو فکر ہوتی ہے کہ ان کے دربار میں کوئی ایسا شخص نہ گھس آئے جس کی وفاداری مشکوک ہو۔ اہل مذہب کو تشویش ہوتی ہے کہ ان کی صفوں میں کوئی بدعقیدہ فرد جگہ نہ بنا لے۔ دونوں نے وفاداری اور صحت عقائد کی جانچ پرکھ کے لیے کچھ پیمانے وضع کر رکھے تھے جو اکثر و بیشتر کافی ظالمانہ تھے۔

معلومہ تاریخ میں صحت عقائد کا مسئلہ مسیحی یورپ میں پیدا ہوا۔ جب مسیحی فوجوں نے سپین میں مسلمانوں کے اقتدار کی آخری نشانی غرناطہ پر قبضہ کر لیا تو مسلمانوں اور یہودیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ یا تو مسیحی مذہب قبول کر کے بپتسمہ لے لیں یا ملک چھوڑ کر چلے جائیں۔ بہت سے ملک چھوڑ کر چلے گئے، جو باقی رہ گئے انھوں نے مذہب تبدیل کر لیا۔ لیکن اس کے باوجود اہل کلیسا کو یقین نہیں آتا تھا کہ یہ لوگ صدق دل سے مسیحی ہوئے ہیں، اس لیے انھیں مختلف امتحانات سے گزارا جاتا تھا۔

ابھی اس واقعہ کو لگ بھگ پچیس برس ہی گزرے تھے کہ مسیحی دنیا کو ایک اور عظیم انتشار کا سامنا کرنا پڑا۔ جرمنی کے ایک پادری مارٹن لوتھر نے ۱۵۱۷ میں پاپائے روم کی آسمانی اتھارٹی کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے لوگ بڑی تعداد میں اس گمراہی کا شکار ہونے لگے۔ اب لازم ہو گیا تھا کہ لوگوں کے عقائد کی جانچ پڑتال زیادہ سختی سے کی جائے تا کہ ان میں بدعت اور گمرہی کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے۔ اس کے نتیجے میں یورپ میں احتساب عقائد کی عدالتیں قائم ہونا شروع ہوئیں۔ اگر کسی پر شبہ ہو جاتا، یا بدعقیدگی کا الزام عائد ہو جاتا تو اس کی تفتیش بہت سختی سے کی جاتی تھی۔ اس کے غیر تسلی بخش جوابات کے نتیجے میں اسے از رہ ہمدردی زندہ جلا دیا جاتا تھا تا کہ اس ادنی سی تکلیف کے بدلے اس کی روح جہنم کی ابدی آگ سے بچ جائے۔

انھی مذہبی جنگوں کے زمانے کا ایک واقعہ ہے جو کافی سبق آموز ہے۔ فرانس کے بادشاہ نے ایک ایسے شہر پر حملہ کیا جس کی زیادہ تر آبادی مارٹن لوتھر کے ماننے والوں پر مشتمل تھی۔ جب شہر کی فتح قریب آن پہنچی اور فوجیں شہر میں داخل ہونے والی تھیں، بادشاہ نے محتسب عقاید کو طلب کر کے پوچھا کہ شہری آبادی کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ محتسب صاحب نہ صرف بہت زیادہ خداترس واقع ہوئے تھے بلکہ وقت کی قدر و قیمت سے بھی کماحقہ آگاہ تھے اس لیے اسے گوارا نہیں تھا کہ بدعقیدہ اور صحیح عقیدہ لوگوں کو علیحدہ علیحدہ کرنے میں وقت ضائع کیا جائے۔ چنانچہ اس نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ سب لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دو، خدا اپنے پیاروں کو خود ہی چھانٹ کر علیحدہ کر لے گا۔

یہ مسیحی لوگ تو بہت ظالم تھے لیکن ہم بہت رحمدل لوگ ہیں جو اقلیتوں کے ساتھ عادلانہ سلوک کی شہرت رکھتے ہیں۔ تاہم پاکستان کی ملت اسلامیہ کو ایک پیچیدہ مسئلے کا سامنا ہے۔ آخر قادیانیوں کا الگ تشخص کسی طرح قائم کیا جائے؟ عظیم جمہوری رہنما، قائد عوام، جناب ذوالفقار علی بھٹو شہید نے آئین پاکستان میں ترمیم کر کے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا اور اپنی دانست میں نوے سالہ پرانا مسئلہ حل کر دیا۔ اس میں انھیں قائد اہل سنت، حضرت مولانا شاہ احمد نورانی اور قائد اہل دیوبند حضرت مولانا مفتی محمود کی مکمل تائید حاصل تھی۔ اس کے باوجود حیرت ہوتی ہے کہ ان عظیم مذہبی رہنماؤں نے قادیانیوں کے نام الگ ووٹر لسٹ میں شامل کرنے کا مطالبہ کیوں نہ کیا۔ یہ

سعادت امیر المومنین حضرت ضیاالحق کے نصیب میں لکھی تھی۔ انھوں نے نہ صرف جداگانہ انتخاب کروائے بلکہ قادیانیوں پر یہ پابندی بھی لگائی کہ وہ شعائر اسلام کو اختیار نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی عبادت گاہ کو مسجد نہیں کہہ سکتے، نماز اور جمعہ ادا نہیں کر سکتے اور کلمہ نہیں پڑھ سکتے۔

ان تمام پابندیوں کے بعد بھی شکوک وشبہات کی فضا قائم رہی۔ طبلے والی سرکار نے کچھ مزید پابندیوں کا اضافہ کیا لیکن اہل ایمان ہیں کہ ان کی تشفی نہیں ہو پاتی۔ قادیانیوں کے سرپرسینگ تو ہوتے نہیں جو عام مسلمانوں سے انھیں علیحدہ شناخت کر لیا جائے۔ یہ خطرہ ہمیشہ رہتا ہے کہ وہ بطور مسلمان اپنا نام انتخابی فہرستوں میں درج کروا سکتے ہیں۔ اس کے ازالے کے لیے الیکشن کے ضوابط میں یہ تبدیلی کی گئی ہے کہ اگر کسی شخص پر قادیانی ہونے کا الزام عائد کیا جائے تو اسے حلف اٹھانے کو کہا جائے گا۔ اور اگر وہ حلف نہ اٹھائے تو اسے غیر مسلم شمار کیا جائے گا۔

اندیشہ ہے کہ محض حلف سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو گا کیونکہ ہمارے معاشرے میں لوگ بہت آسانی سے جھوٹا حلف لے لیتے ہیں۔ میری رائے میں اس تمام تر قانون سازی میں ایک خلا ہے جس کو جب تک پر نہیں کیا جائے گا اس خطرے کا کما حقہ ازالہ نہیں ہو سکے گا۔

اس مسئلے کے حل کے لیے میرے ذہن میں چند تجاویز ہیں جن کو روبہ عمل لا کر اس مسئلے کو ہمیشہ کے لیے حل کیا جا سکتا ہے۔

1۔ آئین پاکستان میں ایک نئی دفعہ کا اضافہ کر کے قادیانیوں کے ختنہ کرانے پر پابندی عائد کی جائے۔

شعائر اسلام میں ختنہ کی جو اہمیت ہے اس سے ہر مسلمان بخوبی آگاہ ہے۔ کلمہ پڑھ کر ایک فرد اسلام میں داخل ہوتا ہے اور فوراً ختنہ کروا کر اس پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ جب تقسیم ہند میں فسادات ہوئے تھے تو مسلم اور غیر مسلم کی پہچان اسی نشانی سے کی جاتی تھی۔ واضح رہے کہ امیر المومنین حضرت ضیاالحق نے قائد عوام کی پھانسی کے بعد ان کی مسلمانی چیک کرنے کے لیے یہی طریقہ استعمال کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس ملک میں بسنے والی اقلیتوں میں ہندو، مسیحی اور سکھ تو پہلے ہی ختنہ نہیں کراتے۔

2۔ حفاظت ختنہ کے لیے ایک وزارت قائم کی جائے جس پر مذہبی علم رکھنے والے شخص کو وزیر مقرر کیا جائے۔ اس وزارت کے ماتحت ایک ڈائریکٹوریٹ قائم کیا جائے، جس کے تحت ہر یونین کونسل اور گاؤں میں ختنہ انسپکٹر کی اسامی پیدا کی جائے اور ان اسامیوں پر مدارس سے فارغ التحصیل طلبہ کو فائز کیا جائے۔

3۔ ملک میں ختنہ کرنے والے ڈاکٹروں اور جراحوں کی رجسٹریشن کی جائے۔ کسی انسپکٹر کے سرٹیفکیٹ کے بغیر کسی کا ختنہ نہ کیا جائے۔

4۔ اگر کوئی سرجن یا نائی کسی قادیانی کا ختنہ کرنے کے فعل حرام کا مرتکب پایا جائے تو اس پر توہین مذہب کا مقدمہ قائم کیا جائے اور قرار واقعی سزا دی جائے۔

ان چند اقدامات سے امید ہے یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہو جائے گا۔ اگر کسی شخص پر کوئی یہ الزام عائد کرے کہ یہ قادیانی ہے تو اس سادہ اور بے ضرر علامت سے فوراً چیک کیا جا سکتا ہے کہ یہ مسلمان ہے یا نہیں۔ نہ ہمیں مسیحیوں کے مانند کسی کو آگ میں جلانا پڑے گا، نہ اسے خنزیر کا گوشت کھانے پر مجبور کرنا ہو گا۔ اگر کوئی شخص شناخت کرانے سے انکار کرے تو اسے غیر مسلم تصور کیا جائے۔ ایک اشکال البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ جو قادیانی ختنہ کروا چکے ہیں ان کا کیا کیا جائے۔ اس کے لیے ڈاکٹروں پر مشتمل ایک طبی بورڈ بنایا جائے جو یہ جائزہ لے کہ پلاسٹک سرجری کے ذریعے کس طرح ان کو دوبارہ غیر مختون بنایا جا سکتا ہے۔ جدید طب اتنی ترقی کر چکی ہے کہ یہ زیادہ مشکل کام نہیں ہو گا۔ آئندہ انتخابات کے انعقاد سے پہلے اس طرح یہ مسئلہ حتمی طور پر حل ہو جائے گا، بصورت دیگر اتنی دیر تک انتخابات کو ملتوی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہو گا۔ انتخابات کو بہر حال ایمان پر ترجیح حاصل نہیں۔



گلدستہ

مرتبہ اے آر خان۔



رمضان المبارک کے فضائل اور تقویٰ میں بڑھنے کا ذریعہ

رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی خاتم اور کامل شریعت کا نزول ہوا اور ایک مومن کے لیے اپنی روحانی، اخلاقی اور دیگر کمزوریوں کو دور کرنے کا اہم ترین موقع ہے اور رحمت، بخشش اور نجات پانے کا ایک سنہری موقع ہے۔

رمضان المبارک کے مقصد کو بیان کرتے ہوئے خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ۔(البقرۃ:184)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزے اسی طرح فرض کر دیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، یہ روزے جو تم پر فرض کئے گئے ہیں یہ روحانیت میں ترقی اور تقویٰ میں بڑھنے کے لئے انتہائی ضروری ہیں اور دنیا میں پہلے بھی انبیاء کے ماننے والوں کی روحانی ترقی کے لئے، ان کے تزکیۂ نفس کے لئے، ان کو خدا تعالیٰ کا قرب دلانے کے لئے یہ فرض کئے گئے تھے۔ پس یہ ایک اہم حکم ہے۔ اس کی پابندی ہی ہے جو ہمیں تقوی کے معیاروں کو اونچا کرنے والی بنائے گی۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ 14ر ستمبر 2007ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 5ر اکتوبر 2007ء صفحہ 5)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صُوْمُوْا تَصِحُّوْا

یعنی روزے رکھو، صحت مند ہو جاؤ گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آدم کا ہر عمل اس کی ذات کے لیے ہوتا ہے سوائے روزوں کے۔ پس روزہ میری خاطر ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا اور روزے ڈھال ہیں جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ شہوانی باتیں اور گالی گلوچ نہ کرے اور اگر کوئی اس کو گالی دے یا اس سے جھگڑا کرے تو اسے جواب میں صرف یہ کہنا چاہیے کہ میں تو روزے دار ہوں''

(بخاری کتاب الصوم باب ھل یقول انّی صائم اذا شتم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا جَآءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَت اَبْوَابُ النَّارِ وَصُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ

یعنی جب رمضان شروع ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الصیام باب فصل شھر رمضان)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''روزہ کی حقیقت سے بھی لوگ ناواقف ہیں۔......روزہ اتنا ہی نہیں کہ اس میں انسان بھوکا پیاسا رہتا ہے بلکہ اس کی ایک حقیقت اور اس کا اثر ہے جو تجربہ سے معلوم ہوتا ہے۔ انسانی فطرت میں ہے کہ جس قدر کم کھاتا ہے اُسی قدر تزکیۂ نفس ہوتا ہے اور کشفی قوتیں بڑھتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کا منشاء اس سے یہ ہے کہ ایک

غذا

کہ اس سے اتنا ہی مطلب نہیں ہے کہ بھوکا رہے بلکہ اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے تا کہ تبتّل اور انقطاع حاصل ہو۔ پس روزے سے یہی مطلب ہے کہ انسان ایک روٹی کو چھوڑ کر جو صرف جسم کی پرورش کرتی ہے دوسری روٹی کو حاصل کرے جو روح کے لئے تسلّی اور سیری کا باعث ہے۔ اور جو لوگ محض خدا کے لئے روزے رکھتے ہیں اور نرے رسم کے طور پر نہیں رکھتے، انہیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح اور تہلیل میں لگے رہیں جس سے دوسری غذا انہیں مل جاوے''۔

(الحکم جلد 11 نمبر 2 مورخہ 17 رجنوری 1907ء صفحہ 9)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مسیحِ موعودؑ فرمایا کرتے تھے کہ بدیوں کو ترک کرنے کے لیے ایک خاص قسم کا ماحول سازگار ہوا کرتا ہے اور یہ ماحول رمضان کے مہینے میں بدرجہ اتم میسر آتا ہے پس لوگوں کو چاہیے کہ رمضان کے مہینے اپنے نفس کا مطالعہ کر کے اپنی کسی بدی کو ترک کرنے کا عہد کریں'' (الفضل 27 راپریل 1988ء)

پھر رمضان المبارک کی فضیلت کو یہ حدیث مزید واضح کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رمضان کا مہینہ بابرکت مہینہ ہے کہ اس کے ابتدا میں رحمت ہے اور درمیان میں مغفرت ہے اور آخر میں آگ سے نجات ہے۔

(مشکوٰۃ کتاب الصّوم)

غرض اللہ تعالیٰ نے رمضان کے ہر دن کو ہمارے لیے مسرت اور اطمینانِ قلب اور تقویٰ میں ترقیات کرتے چلے جانے کا ذریعہ بنا دیا ہے اور رمضان کے آخری عشرے کو رحمتِ الٰہی اور مغفرت کے حصول کی بنا پر جہنم سے آزادی کا باب بنا دیا۔

ان ایّام میں خدا تعالیٰ غیر معمولی طور پر دعائیں قبول فرماتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے کی توفیق دوسرے ایّام کی نسبت اس ماہ میں زیادہ ملتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ عبادات کو صرف اس ماہ تک محدود نہیں کرنا چاہیے بلکہ رمضان میں کی گئی نیکیوں کو سارا سال جاری رکھنا چاہیے۔

اک تیس دن کا یارو مہمان آرہا ہے
لے کر فیوض و برکت رمضان آ رہا ہے
ہر خاص و عام پی لے جامِ وصال مولا
لے کر لقاء کا شربت رمضان آرہا ہے

اللہ تعالیٰ ہمیں اس بات کی توفیق دے کہ ہم اس رمضان کو اپنے لیے یادگار بنائیں اور راتوں کو قیام کریں اور خلیفۂ وقت کی عمر درازی اور اسیرانِ راہِ مولا کی رہائی کے لیے دعائیں کریں اور جماعتِ احمدیہ پر آنے والے ابتلاؤں کے ٹل جانے کے لیے دعائیں کریں اور قرآن کے معارف کو سمجھنے اور تقویٰ کو اختیار کرنے والے بنیں اور خدا تعالیٰ سے دعا کریں کہ اسلام اور امت مسلمہ کو دشمنان اسلام کے شر سے بچائے اور ہمیں اس رمضان کی بدولت پورے سال کو رمضان بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆



''بابِ لُد'' کہاں ہے؟

(ڈاکٹر محمد داؤد مجوکہ۔ جرمنی)

پسِ منظر

مسیح کی آمد ثانی کے متعلق احادیث میں متعدد پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک مشہور پیشگوئی یہ ہے کہ مسیح ''مشرقی باب لد'' کے پاس دجال کو قتل کریں گے۔ چنانچہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ باب لد سے کیا مراد ہے اور یہ کہاں واقع ہے؟

احادیث میں باب لد کا ذکر

دجال کے غلبہ اور اس کے خاتمہ کے لیے حضرت مسیحؑ کی آمد ثانی کے متعلق کتب احادیث میں متعدد پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں۔ ان میں بہت سے دیگر نشانات کے ساتھ اس امر کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ مسیحؑ دجال کو باب لد پر قتل کریں گے۔ چنانچہ ایک لمبی روایت میں آنحضورؐ نے دجال کی حقیقت، اس کی خصوصیات، اس کے کاموں کا مفصل ذکر فرمایا ہے۔ پھر آپؐ نے اس کے انجام

کے متعلق فرمایا ہے کہ مسیحؑ آئیں گے تو وہ يُدْرِكُهُ عِنْدَ بَابِ لُدٍّ فَيَقْتُلُهُ یا دیگر روایات میں ہے: يُدْرِكُهُ بِبَابِ لُدٍّ فَيَقْتُلُهُ
(مسلم،ابن ماجہ،ابوداؤد،ترمذی،احمد)

۔وہ (یعنی مسیح) دجال کو باب لد کے پاس جالے گا اور قتل کردے گا۔

فَيُدْرِكُهُ عِنْدَ بَابِ اللُّدِّ الشَّرْقِيِّ فَيَقْتُلُهُ (ابن ماجہ،احمد)۔

وہ دجال کو مشرقی باب لد کے پاس جالے گا اور قتل کردے گا۔

اس جگہ قدرتی طور پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ یہ ''باب لد'' جہاں مسیح نے دجال کو قتل کرنا ہے کیا ہے اور کس جگہ واقع ہے؟

پیشگوئیوں کی ہر تشریح جو واضح طور پر پوری ہو جائے اپنی جگہ درست کہلا سکتی ہے اور کسی ایک تشریح کے بلا شرکت غیرے صحیح اور دیگر تمام تشریحات کے غلط ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مختلف تشریحات میں سے وہ تشریح زیادہ بہتر اور حقیقت کے نزدیک گردانی جائے گی جو زیادہ واضح، اقرب، اور براہ راست طریق پر پوری ہو اور جس کے لئے دور کی کوڑی لانے یا لمبی تشریحات کی ضرورت نہ پڑے۔

باب لد پر دجال کے قتل کی حقیقت

اکثر اوقات پیشگوئیوں میں ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن۔ یعنی ایک تو معنوی پہلو ہوتا ہے، جو کہ زیادہ اہم ہوتا ہے اور دراصل یہی پہلو مقصود ہوتا ہے، تاہم دوسرا ظاہری پہلو بھی ساتھ ساتھ چلتا ہے کہ وہ کم فہم لوگوں اور مخالفین پر اتمام حجت کے لیے ضروری ہے۔ مسیح موعودؑ کے متعلق اکثر پیشگوئیوں کا یہی حال ہے۔

معنوی پہلو

لغوی طور پر ''لد'' سے مراد بحث میں شکست دینا ہے۔ چنانچہ عربی میں کسی کو لُد کرنا کہا جائے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کی زبان ایک طرف کر کے اس کے منہ میں دوائی ڈالی گئی (تاج العروس،لسان العرب)۔ اسی معنی میں یہ لفظ آنحضورؐ کی مرض الموت کی حدیثوں میں استعمال ہوا ہے۔

پس معنوی طور پر مسیحؑ کے دجال کو باب لد پر قتل سے مراد یہ ہے کہ آنے والا مسیح، دجال کو بحث اور دلائل میں بالکل لاجواب کر کے اس کی زبان بند کردے گا اور ایسی شکست فاش دے گا کہ اسے قتل ہی کردے گا۔

حضرت مسیح موعودؑ نے جس کثرت سے دلائل کے ساتھ دجال کا رد فرمایا ہے اس کی مثال گذشتہ انبیاء کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ الوہیت مسیح، کفارہ، صلیبی موت، اقنوم ثلاثہ وغیرہ ہر اہم مسئلہ پر آپؑ نے دلائل سے دجال کا منہ بند کیا۔ پھر ظاہری طور پر پادریوں کے ساتھ مناظروں میں کامیابی حاصل کی۔ جس کی ایک مثال ''جنگ مقدس'' میں محفوظ ہے۔ اخبارات میں مضامین لکھ کر بھی ان کے ساتھ جنگ۔ مشہور زمانہ ہنری مارٹن کلارک والے مقدمہ میں قانونی جنگ کی۔ وغیرہ۔ ان تمام جنگوں میں دجال کو دلائل کے زور پر واضح شکست دی۔

ظاہری پہلو

لیکن ظاہری طور پر بھی یہ پیشگوئی بڑی شان سے پوری ہوئی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اللہ تعالیٰ کے اِذن کے ساتھ دجال کے قتل کے لیے جو ایک خاص کام کیا، جو کہ دجالی فتنہ کے دائمی استحصال کی بنیاد ہے وہ جماعت احمدیہ کا قیام ہے۔ یہ کام آپؑ نے ''لدھیانہ'' میں سرانجام فرمایا۔

لدھیانہ شہر کا نام ہندوستان پر لودھی خاندان کی حکومت کے دوران ان کے ایک سردار کے نام پر ''لودھی انا'' رکھا گیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ نام ''لدھیانہ'' ہو گیا۔ اصل لفظ ''لودھی'' میں سے اب ''لدھ'' باقی رہ گیا ہے۔ نام کا دوسرا حصہ ''انہ'' ہے اور ہندوستان میں متعدد جگہوں کے ناموں میں موجود ہے مثلاً راجپوت سے راجپوتانہ، ہری سے ہریانہ، مکران سے مکرانہ وغیرہ۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ''انہ'' سنسکرت لفظ ''آیانا'' سے نکلا ہے جس کا مطلب ''گھر'' ہے۔ یعنی لودھی کا گھر، راجپوتوں کا گھر، وغیرہ۔ جبکہ دیگر علماء کا کہنا ہے کہ یہ لفظ ''آریانہ'' سے نکلا ہے جس کا مطلب جنگل ہے۔ گویا لودھیانہ سے مراد لودھی کا گھر یا لودھی کا جنگل ہے۔ چونکہ ''دھ'' کی آواز عربی میں نہیں ہوتی۔ اس لیے ''لدھیانہ'' کو عربی میں ''لدیانہ'' کہتے ہیں۔

پس دجال کو بابِ لد میں قتل کرنے کی پیشگوئی جماعت احمدیہ کے قیام اور پہلی بیعت کے لدھیانہ شہر میں وقوع پذیر ہونے سے پوری ہوئی۔

لدھیانہ کے متعلق ایک اور پیشگوئی

حضرت مسیح موعودؑ نے دلی، لاہور، سیالکوٹ، امرتسر، جہلم، کپورتھلہ، وغیرہ

بہت سے شہروں اور قصبوں کا سفر کیا۔ لیکن لودھیانہ وہ شہر ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے قریب کے زمانہ میں ایک بزرگ کو خبر دی ۔ چنانچہ حضورؑ فرماتے ہیں کہ

’’ایک اہل اللہ بزرگ گلاب شاہ مجذوب تھے جنہوں نے ایک شخص کریم بخش ساکن جمالپور ضلع لودھیانہ سے میرا نام لے کر پیشگوئی کی ہے اور اس نے کہا کہ وہ قادیان میں ہے کریم بخش کو قادیان کا شبہ پڑا کہ شاید لودھیانہ کے قریب کی قادیان میں ہوں۔ مگر آخر اس نے بتایا کہ یہ قادیان نہیں اور اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ لودھیانہ میں آئے گا‘‘ (ملفوظات جلد ۳، صفحہ ۵۴۳)

لیکن یہ سوال پھر بھی باقی ہے کہ پیشگوئیوں میں ’’لدھیانہ‘‘ ہی کا ذکر کیوں فرمایا گیا؟ اگر قادیان یا سیالکوٹ کا ذکر ہوتا تو جماعت کی بنیاد وہاں رکھنے سے پیشگوئی تو پھر بھی پوری ہو جاتی تھی! پس ’’باب لد‘‘ میں کیا خصوصیت ہے؟

لدھیانہ کا انتخاب کیوں؟

اولین بیعت جیسے اہم اور تاریخی کام کی سعادت لدھیانہ شہر کے حصہ میں کیوں آئی؟ گو کہ حضرت مولوی صوفی احمد جان صاحب، جن کے مکان پر پہلی بیعت ہوئی، کے ساتھ آپؑ کے نہایت قریبی مراسم تھے لیکن ایسے مراسم حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ بھیروی اور حضرت مولوی عبداللہ سنوریؓ اور حضرت مولوی قدرت اللہ سنوریؓ وغیرہ اصحاب کپورتھلہ کے ساتھ بھی تھے ۔ بلکہ کپورتھلہ کو تو آپؑ نے قادیان کا ہی حصہ اور سیالکوٹ کو اپنا دوسرا وطن قرار دیا تھا۔

فاصلہ کے لحاظ سے بھی قادیان سے کپورتھلہ، ہشیار پور، جلندھر، بٹالہ، امرتسر، لاہور وغیرہ زیادہ قریب تھے اور لدھیانہ دور۔ پس پہلی بیعت اور جماعت کے قیام کے لیے دیگر شہروں، خصوصاً قادیان، کو چھوڑ کر لدھیانہ کا انتخاب درحقیقت خاص تقدیر الٰہی کے ماتحت تھا۔ گو ظاہری طور پر آپؑ کے سسر کا لدھیانہ میں مکان ہونے اور اس لیے بار بار لدھیانہ جانے کے مواقع پیدا ہوتے رہتے تھے تاہم یہ صرف ظاہری وجہ تھی ورنہ ایسے کام کے لیے لدھیانہ میں عارضی قیام کا انتخاب اور سب دوستوں کو وہاں جمع کرنا خدائی اشارہ کے بغیر ممکن نہیں۔

لدھیانہ اور دجال

لدھیانہ شہر کی خصوصیت یہ ہے کہ تقسیم پاک و ہند سے قبل متحدہ صوبہ پنجاب میں مسیحیت کا پہلا گڑھ اور مسیحی مشنریوں کا صدر مقام یہی شہر تھا۔ امریکی مشنریوں نے ۵ نومبر ۱۸۳۴ء کو لدھیانہ ہی میں ایک چرچ کی بنیاد رکھی۔ پھر لدھیانہ میں ہی انہوں نے چھاپہ خانہ قائم کیا اور اس کے ذریعہ پنجاب بھر میں مسیحی لٹریچر پھیلانا شروع کیا۔ لدھیانہ ہی میں مشنریوں نے پرائمری اور ہائی اسکول، لڑکیوں کے اسکول، کالج وغیرہ بھی بنائے۔ لودھیانہ کے مشن سے ہی مسیحی مناد سارے پنجاب میں جاتے اور تبلیغ کرتے تھے۔ اس کے نتیجہ میں لاہور، جلندھر، راولپنڈی، امبالہ، امرتسر، فیروزپور وغیرہ میں مشن قائم ہوئے۔ مشنریوں کو اپنے مقاصد میں کچھ کامیابی بھی ہوئی۔ چنانچہ ۱۸۸۸ء میں، جماعت احمدیہ کی بنیاد سے ایک سال پہلے، صرف لدھیانہ شہر میں ۳۱۶ مسیحی موجود تھے۔

پس مسیح موعودؑ، جس کا کام ہی دجال کا قتل تھا، کی جماعت کی بنیاد رکھنے کے لیے اسی شہر کو منتخب کیا گیا اور یوں باب لد، یعنی لدھیانہ میں مسیح کی دجال کے ساتھ آخری اور فیصلہ کن جنگ کی بنیاد رکھی گئی۔ واللہ اعلم۔

☆......☆......☆

چاند چہرہ ستارہ آنکھیں

(عبیداللہ علیم)



مرے خدا مجھے وہ تاب بے نوائی دے
میں چُپ رہوں بھی تو نغمہ مرا سُنائی دے
گدائے کوئے سخن اور تجھ سے کیا مانگے
یہی کہ مملکت شعر کی خدائی دے
نگاہ دہر میں اہل کمال ہم بھی ہوں
جو لکھ رہے ہیں وہ دنیا اگر دکھائی دے
چھلک نہ جاؤں کہیں میں وجود سے اپنے
ہُنر دیا ہے تو پھر ظرف کبریائی دے



مسجد بیت الجامع اوفنباخ، جرمنی



جامعہ مسجد، جرمنی



مسجد بیت الحفیظ، انگلینڈ



مسجد بیت المقیت، انگلینڈ